یا اللہ جل جلالہُ

فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (النحل ۴۳)
اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تم علم نہیں رکھتے

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سینکڑوں مسائلِ شرعیہ کے حل کا بیش بہا خزانہ

العطایا السیفیة فی الفتاویٰ النقشبندیة

المجلد الرابع

تصنیف
فخر المتاخرین العالم العارف باللّٰہ
مفسر کلام اللّٰہ تعالیٰ و خادم حدیث رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
الشیخ السید احمد علی شاہ
الحنفی الترمذی الماتریدی السیفی
النقشبندی الجشتی القادری السہروردی

ناشر
جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللّٰہ تعالیٰ
فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب:	**العطایا السیفیۃ فی الفتاوی النقشبندیۃ، المجلد الرابع**
تصنیف و تالیف:	پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ
تعلیق و ترتیب:	پیر طریقت رہبر شریعت حضرت علامہ صاحبزادہ سید عبد الحق شاہ ترمذی سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ
طباعت اول:	مارچ ۲۰۲۴ء بمطابق رمضان المبارک ۱۴۴۵ھ
طباعت ثانی:	
کمپوزر:	صوفی سید فرحان الحسن سیفی
ناشر:	جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

فہرست

فہرست

فہرست

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

(۱) باب نمبر ایک: سنتوں کے بعد اجتماعی دعاء کے بیان میں

بعض علماء سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز بلکہ مستحب ہے۔

کیونکہ مطلق اجتماعی دعا کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

کقولہ تعالیٰ: وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ (المؤمن ۶۰)

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ آیت کریمہ میں غور کرنے سے خود معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اجتماعی دعا کرنے کا امر فرمایا ہے کیونکہ مذکورہ آیت میں ادعوا اور دو مقام پر کم ضمیر جمع کا ذکر فرمایا ہے۔

اور کبیری ص ۳۸۹، شامی ۳۵۶، مراقی الفلاح ص ۱۸۷، اور فتح القدیر میں یہ تصریح فرمائی ہے کہ سنت فرض کے مکمل تابع اور لواحق ہیں نہ کہ اس کا غیر اور اجنبی تو دعا بعد السنن جائز ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ (الم نشرح ۷)

جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں کوشش کرو۔

حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، قتادہ، ضحاک، مقاتل اور کلبی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کی تفصیل میں فرمایا:

فاذا فرغت من الصلوۃ فاجتھد فی الدعاء۔[1]

یہ آیت مطلق ہے جو دعا بعد السنن کو بھی شامل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ (المؤمنون ۱۰۹)

بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔ (کنز الایمان)

اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ گرامر کے لحاظ سے تمام صیغے اور خطاب جمع کے ہیں۔ مثلاً یقولون اور چار مقامات پر صیغہ متکلم مع الغیر کا استعمال ہوا ہے، جو اجتماعی دعا کرنے پر دلالت کرتا ہے۔

---

[1] (تفسیر مدارک، خازن ص ۲۲۰، معالم التنزیل)

اسی طرح دوسری آیت کریمہ سے بھی اجتماعی دعا کرنے پر دلیل معلوم ہوتی ہے:

قولہ تعالی: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الخ الآیۃ (سورۃ الحشر)۔

ان تمام آیتوں سے مطلق اجتماعی دعا کرنے کا جواز اور ثبوت معلوم ہوا۔ اب بغیر کسی تقیید کے مطلق دعا کرنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **وَ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ الآیۃ۔ (البقرۃ ۱۸۶)**

اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بھی بغیر کسی قید زمانی و مکانی کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تو سنتوں کے بعد دعا کرنا بھی مطلق دعا کا ایک فرد ہے تو اس کا جواز بھی معلوم ہوا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے جو دعا نہیں کرتے:

قُلْ مَا يَعْبَأُ بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ الخ الآیۃ۔ (الفرقان ۷۷)

تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے پاس اگر تم اسے نہ پکارو یعنی دعا نہ کرو۔

علماء دیوبند کے استاذ العلماء حضرت مولانا شیخ القرآن عبد الہادی دیوبندی شاہ منصوری تسہیل المشکوۃ میں ص ۱۳۴ پر فرماتے ہیں:

فاعلموا ایها الاخوان ان الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب عند العلماء۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

فمن قال ان الدعاء بعد السنة بدعة فهو ضال مضل اجتنبه ص ۱۵ ۔

مولانا ظاہر شاہ صاحب مبارک فرماتے ہیں:

ان الدعاء بعد السنن و النوافل مستحب صرح به فقهائنا و من انکره فهو ضال مضل۔ [1]

شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف بنوری معارف السنن ج ۳، ص ۱۲۲ میں لکھتے ہیں کہ اجتماعی دعا کرنا ثابت ہے اور ثبوت میں ایک دلیل یہ پیش کی کہ "**لا یجتمع قوم فیدعوا بعضهم ویؤمن بعضهم الا اجابهم اللہ**"۔ [2] جب لوگ جمع ہو کر بعض دعا کریں اور بعض کہیں آمین تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول فرماتا ہے۔

علامہ شامی نے فرمایا ہے:

اجمع العلماء سلفا و خلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المسجد۔

---

[1] (دعا بعد از سنن و نوافل ص ۳۷)

[2] (کنز العمال ج ۱، ص ۱۷۷)

متقدمین ومتأخرین علماء نے اس پر اجماع فرمایا ہے کہ مسجد میں اجتماعی ذکر کرنا مستحب ہے۔[1]

مفسرین لکھتے ہیں کہ اس طرح کوئی دلیل پیش کریں کہ "**اجمع العلماء سلفا و خلفا علی عدم استحباب ذکر الجماعة فی المسجد**" نور الایضاح اور مراقی الفلاح جو مذہب حنفی کی معتبر کتب ہیں، میں ہے:

"**ویستحب ان یستقبل بعده ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم تکن بعده نافلة الناس ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین بالادعیة الماثورة الجامعة رافعی ایدیهم حذاء الصدر وبطونهما مما یلی الوجه بخشوع وسکون ثم یختمون بقوله تعالٰی سبحان ربک رب العزة عما یصفون الأیة ثم یمسحون بها ای بایدیهم وجوههم فی أخره واقره الطحطاوی**"۔

مستحب یہ ہے کہ امام سنتوں کے بعد یا اس فرض کے بعد جس کے بعد سنت نہ ہوں لوگوں کی طرف منہ کرے اور اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کرے ایسی دعا کے ساتھ جو جامع اور مسنون ہو اور اپنے ہاتھوں کو سینے کے برابر اونچا کرے اور ہتھیلیاں چہرے کی طرف ہوں اور سکون وعاجزی کے ساتھ دعا کرے پھر آیت کریمہ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ الخ کے ساتھ دعا کو ختم کرے اور آخر میں ہاتھوں کو اپنے چہرے پر مل لے۔

طحطاوی نے اس مسئلے کی تقریر فرمائی ہے:

احناف کی ان تینوں کتابوں سے دعا بعد السنن ثابت ہوئی جو مستحب ہے۔ استاذ المحدثین ولی کامل مولانا نصیر الدین غور غشتوی دیوبندی کا فتویٰ "**دعا بعد السنن بهیئة اجتماعیة**" ارشادات نصیری میں موجود ہے۔

دیوبندیوں کے معتبر اور جید عالم علامہ شمس الحق صاحب شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے معدن السرور فتویٰ بہاولپور ص ۳۰ پر لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے جیسے کہ نور الایضاح میں ہے۔ مفتی رشید احمد بن مفتی فرید احمد صاحب مفتی دار العلوم حقانیہ "**مسئلة التوسل والدعاء**" میں لکھتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا افضل ہے اور اس پر کثیر دلائل ذکر کئے اور پھر لکھا ہے کہ دعا پر دوام کرنا مستحب ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بہتر عمل وہ ہے جس پر دوام ہو مثلاً تہجد پر دوام مستحب ہے پس سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا جائز ہے۔ (ص ۶۱)

مولانا عبد الحیؒ لکھنوی نے السعایہ میں لکھا ہے کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا مستحب ہے۔[2]

اسی کتاب میں علمائے دیوبند کے بزرگ اور استاذ مولانا عبد الہادی شاہ منصوری لکھتے ہیں:

"**الدعاء بالجمع بعد السنة مستحب**" (**تسهیل الترمذی**)

---

[1] (رد المحتار، ج ۲، ص ۴۸۸، مطلب فی احکام المسجد))

[2] (بحوالہ تسهیل الترمذی، ص ۳۱۵)

وفی الهداية والسنة فی الادعية تاخيرها عن الصلوة الخ۔

یعنی دعا میں سنت یہ ہے کہ نماز کے بعد کی جائے۔[1]

دوسری جگہ لکھا ہے:

"الاجابة فی الجمع ارجی" (ج۲، ص ۱۴۴)

کہ اجتماعی دعا میں قبولیت کی امید ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"الدعاء مستجاب عند اجتماع المسلمين"۔[2]

دعا بعد السنن کا جواز واثبات یعنی استحباب مندرجہ ذیل کتب میں موجود ہے، جن میں سے بعض کی عبارات نقل کر دی گئیں اور بعض کے صرف حوالے ذکر کئے جاتے ہیں۔[3]

یہ مذکورہ مسئلہ یعنی دعا بعد السنن تقریباً باون کتابوں میں موجود ہے۔ اگر حوالہ جات دیکھنا چاہتے ہیں تو میرا رسالہ "**عقائد المسلمين**" کا مطالعہ فرمائیں۔ اگر تحقیق چاہتے ہیں تو "**اطفاء الفتن فی مسئلة الدعابعدالسنن**" جو میری تصنیف ہے کا مطالعہ کریں۔

فالحاصل الدعا بعد السنن والنوافل بهيئة الاجتماع مستحب والفاعل ماجور عند الله تعالى والمانع محروم عن الله تعالى من الاجر العظيم۔

الدعاء فی اللغة حاجت خواستن وفی الاصطلاح ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی علی خضوع وقال الامام الرازی وحقيقة الدعاء استدعاء العبد ربه جل جلاله العناية واستمداده اياه المعونة۔[4]

قال العلامة غلام محمد الحقانی فاعلم ان الدعاء طلب الادنی من الاعلی بالخضوع وهذا هو المراد بقولهم الدعاء حاجت خواستن۔[5]

والدعاء اظهار العبودية والذلة والانكسار والرجوع الی الله تعالى۔[6]

---

[1] (هداية كسوف ص ۲۲۵)

[2] (خزينة الاسرار، ص ۱۴۰)

[3] نور الایضاح، ص ۸۰۔ بحر الرائق، ص ۴۳۔ تفسیر ابن عباس ص ۳۵۵۔ طحطاوی، ص ۱۸۷۔ فتاویٰ نور الهدأی، ص ۵۴۔ کبیری، ص ۲۳۱۔ مظهر الحق، ص ۹۔ البصائر، ص ۱۲۱، لمولانا حمد اللہ مردان صوابی۔ تسهيل المشكوٰة، ص ۱۵۔ الذخائر، ص ۲۷، لمولانا حافظ کفایت اللہ صوابی۔ الحجج البينات لمولانا شائستہ گل علیہ الرحمہ۔ المسائل المنتخبه، ص ۲۸۔ قاضی حبیب الحق پر مولی مردان۔ تنویر الایمان، ص ۱۶۲، لمفتی سید احمد شاہ اخون کلی سوات المعروف بہ قاضی بابا قدس سرہ۔ الرسائل السته، ص ۶۷۔ بحر العلوم علامہ عبد المتین علیہ الرحمہ شموزی سوات۔

[4] (تفسیر کبیر، ج۵، ص ۱۰۶)

[5] (منهاج الحقائق، ص ۳)

[6] (کبیر ص ۱۳۶، ج۲)

وفی روح البیان والمقصود من الدعاء انما هو اظهار العبودية والافتقار الی رحمتک والاستعجال لنیل ایادیک۔[1]

وفی قسطلانی مع مافی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظهار الافتقار الی اللہ تعالی۔[2]

وفی فتح الباری ولما فی ذالک ای فی الدعاء من الانقیاد والاستلام واظهار الافتقار۔[3]

وفی طحطاوی ویکون فی الدعاء بالاستغفار اظهار الافتقار الی اللہ تعالی۔[4]

وفی تفسیر الخازن الدعاء هو السوال وهو نوع من نوع العبادة۔[5]

اللہ تعالیٰ نے دعا کو عبادت فرمایا ہے کقولہ تعالیٰ:

إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (غافر ۶۰)

قال الرازی فمن ابطل الدعاء فقد انکر القرآن۔[6]

قال السدی یستکبرون عن عبادتی ای دعائی۔[7]

وقال الصاوی الدعاء فی الاصل السوال والتضرع الی اللہ تعالی فی الحوائج الدنیویة والاخروية الجليلة والحقيرة (صاوی)

وقوله تعالی عن عبادتی الخ قال علیه السلام الدعاء هو العبادة وقرء هذه الآية ﷺ (مدارک)

وفی تفسیر کبیر اعلم ان لفظ الدعاء یحتمل وجوها کثیرة ان یکون المراد من الدعاء العبادة قال علیه السلام الدعاء هو العبادة ومما یدل علیه قوله تعالی وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون الخ۔[8]

مولوی محمد حسین صدیقی دیوبندی استاذ جامعہ بنوریہ لکھتے ہیں مندرجہ بالا آیت کریمہ کے ترجمہ میں کہ:

جو لوگ میری عبادت یعنی دعا سے تکبر اور بڑائی کرتے ہیں الخ۔[9]

---

[1] (روح البیان ص ۴۳، ج ۲)

[2] (قسطلانی ص ۱۵۸، ج ۹)

[3] (ج ۱۱، ص ۳۴)

[4] (طحطاوی ص ۱۷۳، تنویر الایمان، ص ۱۵۵)

[5] (خازن ج ۲، ص ۱۰۳)

[6] (تفسیر کبیر ج ۵، ص ۱۰۹)

[7] (تفسیر ابن جریر، ج ۲۴، ص ۵۲، نزهة المجالس، ج ۱، ص ۶۷، ابن کثیر، ج ۴، ص ۸۶)

[8] (کبیر، ج ۲، ص ۱۳۷)

[9] (روضة الطالبین ص ۳۳)

احادیث نبوی پر نظر کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دعا کو عین عبادت فرمایا ہے:

"کقولہ علیہ السلام: عن النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول الدعاء ھو العبادۃ"۔[1]

قال القرطبی فدل ھذا ان الدعاء ھو العبادۃ۔[2]

وعن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الدعاء مخ العبادۃ۔[3]

وقال الرازی لا جرم کان الدعاء اعظم انواع العبادۃ۔[4]

ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فان السنۃ تابعۃ للفرض و مکملۃ لھا وقت العرض۔[5]

قال عبد الرحمن جزائری ان السنن من لواحق الفرائض فلیست باجنبیۃ عنھا۔[6]

ان مذکورہ اقوال کا استدلال اور ماخذ یہ حدیث ہے:

عن تمیم الداری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اول ما یحاسب بہ العبد یوم القیامۃ الصلوۃ فان کان اکملھا کتبت لہ کاملۃ وان لم یکن اکملھا قال للملائکۃ انظروا ھل تجدون لعبدی من تطوع فاکملوا بھا ما ضیع من فریضۃ ثم الزکوۃ ثم توخذ الاعمال بحسب ذالک۔[7]

وفی رد المحتار ان السنن من لواحق الفریضۃ وتوابعھا ومکملاتھا فلم تکن اجنبیۃ عنھا فما یفعل بعدھا یطلق علیہ انہ عقیب الفریضۃ۔[8]

وھذا ھو السند علی کون الدعاء عبادۃ وھذا النص مطلق من ان یکون بعد الصلوۃ او لا وان یکون بالانفراد او الاجتماع فان المطلق یجری علی اطلاقہ فی الصفات ویراد منہ الفرد الکامل فی الذوات فحصل التوفیق بین الاصلین۔[9]

فان قیل! قال ابن عباس رضی اللہ عنھما فی تفسیرہ فاذا فرغت فانصب من الصلوۃ المکتوبۃ لا من الصلوۃ المطلقۃ قلنا قال ابن عباس فی تفسیرہ بصیغۃ الاطلاق ای قال ابن عباس وقتادۃ فاذا فرغت من صلوتک۔[10]

---

[1](تفسیر خازن، ج۴، ص۵۶) ترمذی، تفسیر قرطبی، ج۱۵، ص۳۲۶، ابو داؤد، ج۱، ص۲۰۸، تفسیر ابن جریر، ج۲۴، ص۵۱، ابن کثیر، ج۴، ص۸۵، مشکوۃ، ج۱، ص۲۱۱، کتاب الدعوۃ)

[2](قرطبی، ج۱۵، ص۳۲۶)

[3](ترمذی، ج۲، ص۱۹۵، مشکوۃ، ج۱، ص۲۱۱، البصائر، ص۱۲۲، روضۃ الطالبین مع زاد الطالبین، ص۳۳، نفائس مطلوبہ، ص۱۴)

[4](کبیر، ج۴، ص۲۳۶) (نفائس مطلوبہ لمولانا محمد روشن)

[5](مرقات، ج۲، ص۱۱۹، طبع ملتان)

[6](الفقہ علی المذاہب الاربعۃ، ج۱، ص۳۳۰)

[7](مسند احمد، ج۴، ص۱۰۳، مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۱۱، ص۴۱)

[8](رد المحتار، ص۳۹۱) وایضا فی الکبیری، ص۳۵۵)

[9](البصائر، ص۱۲۲ لمولانا احمد اللہ دیوبندی مظاہری)

[10] (تفسیر قرطبی، ج۲۰، ص۱۰۸، در منثور، ج۶، ص۳۶۵، مظہری، ج۱۰، ص۲۹۴، ابن جریر، ج۳۰، ص۱۵۱، روح المعانی، ج۳۰، ص۱۹۸، بیضاوی، ج۲، ص۵۶۵، جلالین، ص۵۶۵، مدارک، ص۳۹۰)

اگر لفظ فرغت پر نظر فرمائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ فراغت اس کو کہتے ہیں کہ جب تمام کام کو پورا کر لیا جائے۔ لغت کی کتابیں اس پر دال ہیں۔ مثلا صراح میں فراغ کا معنی پر داختن از کاری، صراح ص ۳۸۸، فرہنگ۔ فراغ، فارغ شدن، کاری را تمام کردن وازاں آسودہ شدن، ج ۲، ص ۱۵۲۱، فیروز اللغات۔ فرصت، آرام، اطمینان ص ۴۶۳، منجد کام پورا کر کے خالی ہونا، تمام کرنا۔ (ص ۷۴۲)

ان معانی کو مد نظر رکھتے ہوئے نماز سے فراغت تب حاصل ہوتی ہے جب فرض اور سنت سے فراغت حاصل ہو یعنی ان سب کو پڑھ لے۔[1]

مذکورہ دلائل سے نفس دعاء اجتماعی دعا اور اس بات پر ثبوت پیش کیا گیا کہ سنن فرائض کے مکملات اور تابع ہیں۔ اب حدیث شریف سے سنت و نفل کے بعد عا کرنے کا ثبوت پیش کیا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے سنت و نفل کے بعد اجتماعی دعا فرمائی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ بعض بے علم اور بعض منکرین مع العلم یہ اعترض کرتے ہیں کہ سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے سنت کے بعد اجتماعی دعا نہیں کی لیکن یہ معاندین علم سمیت اس طرف خیال نہیں کرتے کہ ادلہ شرعیہ جو چار ہیں، جس میں سے پہلا قرآن (کتاب اللہ) ہے پھر سنت نبوی، اجماع اور قیاس ہیں اور اسی ترتیب سے کسی مسئلے کی دلیل پیش کی جاتی ہے۔ جیسے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا **کما لا یخفی علی من یعلم الخ** تو جب کتاب اللہ میں دعا کرنے پر اور مطلق دعا اور اجتماعی دعا کرنے پر دلائل کی کثرت ہے۔ تو پھر اس کو بدعت کہنا کہاں کا انصاف ہے؟ لیکن یہ سب سراسر اپنے مذہب سے لاعلمی یا تعصب وعناد وحسد نے اس مخالفت پر مجبور کیا ہے۔

مولانا محمد یوسف بنوری شیخ الحدیث بنوری ٹاؤن کراچی نے اس مسئلے کی وضاحت یوں کی ہے:

قد راج فی کثیر من البلاد الدعاء بهیئة اجماعیة رافعین ایدیهم بعد الصلوة المکتوبة ولم یثبت ذالک فی عهده ﷺ ولا اخص بالمواظبة۔ نعم ثبتت ادعیة کثیرة بالتواتر بعد المکتوبة ولکنها من غیر رفع الایدی ومن غیر هیئة اجتماعیة۔ نعم ثبت دعاءه ﷺ یرفع الیدین باجتماع بعد النافلة فی واقعتین احدهما واقعة بیت ام سلیم حین صلی فیه السبحة ودعا لانس رضی اللہ عنهما۔[2]

---

[1] (مخزن الدلائل ص ۷۷)

[2] (معارف السنن، ج ۳، ص ۴۰۹)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

ثم ان الدعاء بعد الصلوۃ بهیئة اجتماعیة برفع الایدی لم یثبت الا بعد النافلة فی اللاستسقاء و فی قصة الصلوۃ فی بیت ام سلیم۔[1]

شاہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

اذا لم نفز بالاذکار فینبغی لنا ان لا نحرم من الادعیة و نرفع لها الایدی لثبوته عن عقیب النافلة و ان لم یثبت بعد المکتوبة فاذا ثبت جنسه لم تکن بدعة اصلا۔[2]

وھذا امر مسلم ان الصلوۃ لاستسقاء سنة کما فمتی احتاج الناس الی الماء فانه یسن ان یصلوا صلوۃ الاستسقاء۔[3]

و قال محمد بن الحسن اری ان یصلی الامام فی الاستسقاء۔[4]

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنه قال خرج یوما رسول اللہ ﷺ یستسقی فصلی بنا رکعتین بلا اذان و اقامة ثم خطبنا و دعا۔[5]

مندرجہ بالا حدیث وفقہاء کے قول سے استسقاء کی نماز کی سنیت اور اس کے بعد دعا کرنا ثابت ہوئی اب وہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ نوافل کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

"عن انس قال دخل النبی ﷺ و ما ھو الا انا و امی و ام حرام خالتی فقال قوموا افاصلی لکم فی غبر وقت صلوۃ فصلی بنا فقال رجل لثابت این جعل انسا منه قال جعله علی یمینه ثم دعا لنا اهل البیت بکل خیر من الدنیا و الاٰخرۃ فقال امی یا رسول اللہ ﷺ خویدمک ادع اللہ له قال فدعا لی بکل خیر و کان فی أخر ما دعا لی به اللھم اکثر ماله و ولده و بارک له فیه۔[6]

قال العلامة عبد الهادی الشاہ منصوری فی کتابه عن عبد اللہ بن زید قال خرج رسول اللہ ﷺ بالناس الی المصلی یستسقی فصلی بهم رکعتین و جهر فیهما بالقراءۃ و استقبل القبلة یدعو و رفع یدیه و حول رداءہ حین استقبل القبلة انتهی فثبت ان النبی ﷺ دعا بالجمع مع المسلمین و کذا رواہ ابن ماجة۔[7]

---

[1] (معارف السنن، ج ۴، ص ۴۲)
[2] (فیض الباری، ج ۲، ص ۴۳۱، طبع بیروت، ج ۴، ص ۴۱۷، طبع)
[3] (الفقه علی المذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۶۳۱)
[4] (کتاب الاصل المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۴۴۸)
[5] (ابن ماجه، ص ۹۱)
[6] (مسلم، ج ۱، ص ۲۳۴، ج ۲، ص ۲۹۸، دلائل النبوۃ بیهقی، ج ۶، ص ۱۹۵)
[7] (تسهیل الترمذی، ص ۳۱۴)

قال العلامة سبحان الدین کوکاروی فی کتابه فی اثبات الدعاء بعد النوافل من النبی ﷺ "وعن سعد ان رسول الله ﷺ مر بمسجد بنی معوية دخل فرکع فیه رکعتین و صلینا معه و دعا ربه طویلا الخ"۔[1]

وقال عبد الرحمن الجزری ویستحب ان یستغفر بعد السنن ثلاثا ویقرأ اية الکرسی والمعوذتین ویسبح ویحمد ویکبر فی کل ثلاثا وثلاثین ویهلل تمام المأة بان یقول لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر ثم یقول اللهم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذا الجد منک الجد ویدعوا ویختم بقوله سبحان ربک رب العزة عما یصفون۔[2]

وقال ابن نجیم (صاحب البحر) لاکن عندنا السنة مقدمة علی الدعاء الذی هو عقب الفراغ۔[3]

وفی شرح شرعة الاسلام ویختم الدعاء بعد المکتوبة قبل السنة علی ما روی عن البقالی (المعتزلی فی الاصول والحنفی فی الفروع) من انه قال الافضل ان یشتغل بالدعاء ثم بالسنة وبعد السنن والاوراد علی ما روی عن غره وهو المشهور المعمول فی زماننا فانه مستجاب بالحدیث۔[4]

وقال الحسن الشرنبلالی فی کتابه وان یستقبل بعده الناس ویستغفرون الله ویقرؤن أیة الکرسی والمعوذتین ویسبحون الله ثلاثا وثلاثین ویحمدونه کذالک ویکبرونه کذالک ثم یقولون لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیء قدیر ثم یدعون لانفسهم وللمسلمین رافعی ایدیهم ثم یمسحوا وجوههم فی أخره۔[5]

اگر کوئی اعتراض کرے کہ نور الایضاح کی عبارت میں بعدہ سے مراد فرض نماز کے بعد دعا کرنا مراد ہے نہ کہ سنتوں کے بعد تو جواب یوں ہو گا کہ عبارت بعدہ میں ضمیر مذکر کی ہے جو تطوع کی طرف راجع ہے نہ کہ فریضۃ کی طرف یعنی عبارت یوں ہو گی کہ: بعدہ ای بعد التطوع بعد الفریضۃ۔ کیونکہ اگر ضمیر کا مرجع فریضۃ مراد لیا جائے تو راجع و مرجع میں مطابقت نہیں ہو گی کیونکہ ضمیر مذکر کی ہے اور فریضۃ مؤنث ہے۔

اسی کی طرف علامہ طحطاوی نے اشارہ فرمایا:

کقوله بعده ای بعد التطوع وعقیب الفرض اذا لم یکن بعده نافلة۔[6]

وفی مراقی الفلاح، ص ۱۷۱ ویستحب ان یشتغل بعده ای بعد التطوع الخ۔[7]

---

[1](مشکوة، ج ۲، ص ۵۰۴، باب فضائل سید المرسلین) (نفائس مطلوبه، ص ۳۵)

[2](الفقه علی مذاهب الاربعة، ج ۱، ص ۳۳۰، درمختار، ج ۱، ص ۵۱)

[3](بحر، ج ۱، ص ۳۰۴)

[4](تعلیق الکوکب الدری، ج ۲، ص ۲۹۱، مقالات مفتی محمد فرید دیوبندی، ص ۲۰، مخزن الدلائل، ص ۹۵)

[5](نور الایضاح، ص ۸۰)

[6](طحطاوی، ص ۱۷۱)

[7](البصائر، ص ۱۲۳ مولانا حمد الله دیوبندی)

وفی منیر الایضاح شرح نور الایضاح ویستحب ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع ای بعد السنن الخ۔[1]

وایضا فی ذریعۃ النجاح حاشیۃ نور الایضاح ان یستقبل بعدہ ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ الخ۔[2]

وفی سنن الھدی والجمھور علی ان الاولی الاشتغال بالسنۃ ثم بالدعاء وعلیہ عمل اھل الحرمین وسائر دیار العرب۔[3]

وقال اشرف علی التھانوی واما نص الاحناف ففی شرح نور الایضاح للشیخ حسن الشرنبلالی الحنفی مع المتن یستحب للامام بعدہ ای بعد التطوع وعقب الفرض ان لم یکن بعدہ نافلۃ ان یستقبل الناس الخ۔[4]

وقال ایضا فتحصل من ھذا کلہ ان الدعاء دبر الصلوات مسنون ومشروع فی المذاھب الاربعۃ لم ینکر الا ناعق مجنون قد ضل فی سبیل ھواہ ووسوس لہ الشیطان فاغواہ۔[5]

قال العلامۃ حمد اللہ الدیوبندی السھارنفوری وعلم من الادلۃ المذکورۃ ان الدعاء بعد العبادات قاعدۃ متقررۃ فی الشرع ونجعلھا کبری ونضم معھا الصغری سھلۃ الحصول۔ الصلوۃ عبادۃ وکل عبادۃ فالدعاء بعدھا مستحب ینتج بعد اسقاط الاوسط الصلوۃ فالدعاء بعدھا مستحب اما الصغری فظاھر لان الصلوۃ اھم العبادات واربح البضاعات واما الکبری فلانھا من الاصول الموضوعۃ المسلمۃ عند الفقھاء المستنبطۃ من النصوص علا انہ ورد الامر بالدعاء بعد الصلوۃ علی طریق الخصوص قال اللہ تعالی فاذا فرغت فانصب قال المحقق البغدادی، ج ۳۰، ص ۱۷۲، وغیرہ من المفسرین ای اذا فرغت من الصلوۃ فاتعب فی الدعاء روی ھذا التفسیر عن قتادۃ وضحاک وغیرھما وکذا ذکر الامام البخاری باب الدعاء بعد الصلوۃ، ج ۲، ص ۹۳۷۔[6]

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

والعلماء الحنفیون اتفقوا علی استحباب الدعاء بعد الصلوۃ الخمس فی الفجر والعصر عقیب الفرض وفی الاوقات الثلاثۃ بعد الفراغ من السنۃ الخ۔

علمائے احناف کا اس پر اتفاق ہے کہ فجر وعصر میں فرض نماز کے بعد اور باقی تین نمازوں میں سنتوں کے بعد دعا کرنا مستحب ہے۔[7]

وعن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ما اجتمع ثلاثۃ بدعوۃ قط الا کان حقا علی اللہ ان لا یرد ایدیھم۔[8]

---

[1](منیر الایضاح، ص ۹۴ پشتو لمولانا قمر الحق دیوبندی)

[2](ص ۹۷ لمولانا عبد الرزاق بتھرالوی)

[3](سنن الھدی، ص ۴۸، بحوالہ دعا بعد السنن والنوافل، ص ۱۶ لمولانا میاں ظاھر شاہ قادری)

[4](امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۰، مسائل المنثورہ لمولوی تھانوی دیوبندی)

[5](امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۷۱ اشرف علی تھانوی دیوبندی)

[6](البصائر، ص ۱۲۲، ۱۲۳)

[7] (الرسائل الستہ، ص ۶۹)

[8](حلیۃ الاولیاء، مقالات فریدی، ص ۱۷)

(۱) باب نمبر ایک: سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کے بیان

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ اس میں شک نہیں کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں یہ طریقہ رائج نہ تھا جواب رائج ہے کہ نماز باجماعت کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگتے ہیں۔ اس بناء پر بعض علماء نے اس طریقے کو بدعت ٹھہرایا ہے۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ اگر اس کو لازم نہ سمجھ لیا جائے اور نہ کرنے والے کو ملامت نہ کی جائے اور اگر کبھی کبھی قصداً اس کو ترک بھی کر دیا جائے تو پھر اسے بدعت قرار دینے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ خدا سے دعا مانگنا بجائے خود تو کسی حال میں برا فعل نہیں ہو سکتا۔[1]

[1] (رسائل و مسائل، ص ۱۷۱، حصہ اول، ترجمان القرآن مارچ جون ۴۵ء)

(۲) باب نمبر دو: دعامیں ہاتھ اٹھانے کابیان

قال ابو موسی الاشعری رضی اللہ عنہ: دعا النبی ﷺ ثم رفع یدیہ، و رأیت بیاض إبطیہ۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہ حضور اکرم ﷺ نے دعا کی اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے، یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کے مبارک بغلوں کی سفیدی دیکھی۔[1]

عن انس رضی اللہ عنہ، عن النبی ﷺ: رفع یدیہ حتی رأیت بیاض ابطیہ۔ رواہ البخاری (رضی اللہ عنہ)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے (دعا کیلئے) ہاتھ اٹھائے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی بغل مبارک کی سفیدی دیکھی۔[2]

قال ابن عمر رضی اللہ عنہما: رفع النبی ﷺ یدیہ وقال: اللھم إنی أبرأ إلیک مما صنع خالد۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے عرض کیا: اے اللہ! جو خالد نے کیا میں تیری بارگاہ میں اس سے بری ہوں۔[3]

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما، قال: کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیہ فی الدعاء، لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔ رواہ الترمذی والحاکم والبزار۔ وقال ابو عیسیٰ: ھذا حدیث صحیح۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے تو اپنے چہرہ اقدس پر پھیرنے سے پہلے (ہاتھ) نیچے نہ کرتے تھے۔[4]

عن السائب بن یزید عن ابیہ ان النبی ﷺ کان اذا دعا فرفع یدیہ مسح وجھہ بیدیہ۔ رواہ ابو داود واحمد والطبرانی۔

---

[1] (اخرجہ البخاری رضی اللہ عنہ فی الصحیح، کتاب: الدعوات، باب: رفع الایدی فی الدعاء، ۵/۲۳۳۵، وفی کتاب: المغازی، باب: غزوة اوطاس، ۴/۱۵۷۱، الرقم: ۴۰۶۸)

[2] (اخرجہ البخاری رضی اللہ عنہ فی الصحیح، کتاب: الدعوات، باب: رفع الایدی فی الدعاء، ۵/۲۳۳۵، وفی کتاب: الاستسقاء، باب: رفع الامام یدہ فی الاستسقاء، ۱/۳۴۹، الرقم: ۹۸۴، وفی کتاب: المناقب، باب: صفة النبی ﷺ، ۳/۱۳۰۷، الرقم: ۳۳۷۲)

[3] (اخرجہ البخاری رضی اللہ عنہ فی الصحیح، کتاب: الدعوات، باب: رفع الایدی فی الدعاء، ۵/۲۳۳۵، وفی باب: بعث النبی ﷺ خالد بن الولید الی بنی جذیمة، ۴/۱۵۷۷، الرقم: ۴۰۸۹، وفی کتاب: الأحکام، باب: إذا قضیٰ الحاکم بجور، أو خلاف أهل العلم فهو رد، ۶/۲۶۲۸، الرقم: ۶۷۶۶، والنسائی فی السنن، کتاب: آداب القضاة، باب: الرد علی الحاکم اذا قضی بغیر الحق، ۸/۲۳۶، الرقم: ۵۴۰۵، وابن حبان فی الصحیح، ۱۱/۵۳، الرقم: ۴۷۴۹، والبیھقی فی السنن الکبریٰ، ۹/۱۱۵، وعبد الرزاق فی المصنف، ۵/۲۲۱، الرقم: ۹۴۳۴، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۲/۱۵۰، الرقم: ۶۳۸۲۔

[4] (أخرجہ الترمذی فی السنن کتاب: الدعوات عن رسول اللہ ﷺ، باب: ما جاء فی رفع الأیدی عند الدعاء، ۵/۴۶۳، الرقم: ۳۳۸۶، وعبد الرزاق فی المصنف، ۲/۲۴۷، الرقم: ۳۲۳۴، والحاکم فی المستدرک، ۱/۷۱۹، الرقم: ۱۹۶۷، والبزار فی المسند، ۱/۲۴۳، الرقم: ۱۲۹، والطبرانی فی المعجم الأوسط، ۷/۱۲۴، الرقم: ۷۰۵۳، وعبد بن حمید فی المسند، ۱/۴۴، الرقم: ۳۹، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱/۱۵۶، الرقم: ۲۳۶، والمناوی فی فیض القدیر، ۵/۱۳۸)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب دعا فرماتے تو (اس کیلئے) اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھاتے (پھر دعا کے بعد) اپنے چہرہ انور پر ہاتھ پھیرتے۔[1]

عن ابی هریرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: مامن عبد یرفع یدیه حتی یبدو ابطه یسأل الله مسألة الاآتاهااِیاه مالم یعجل۔ قالوا: یارسول الله ﷺ، وکیف عجلته؟ قال: یقول: قدسألت وسألت ولم أعط شیئاً۔ رواه الترمذی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بھی کوئی شخص دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتا ہے یہاں تک کہ اس کی بغل ظاہر ہو جاتی ہے پھر وہ جو کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتا ہے جب تک کہ وہ جلدی نہ کرے۔ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا: یارسول اللہ! جلدی سے کیا مراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح کہے: میں نے مانگا، میں نے مانگا لیکن مجھے کچھ نہ دیا گیا۔[2]

عن ابن عمر رضی الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: ان ربکم حیی کریم، یستحی أن یرفع العبد یدیه، فیردهما صفراً لاخیر فیهما، فاذارفع أحدکم یدیه فلیقل: {یاحی لااله الاانت یاارحم الراحمین} ثلاث مرات ثم اذا ردیدیه فلیفرغ ذلک الخیر علی وجهه۔ رواه ابن حبان وابویعلی والبزار والطبرانی واللفظ له۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک تمہارا رب بڑا حیادار اور کریم ہے وہ اس بات سے حیا محسوس کرتا ہے کہ اس کا کوئی بندہ (دعا کیلئے) ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی لوٹا دے پس جب بھی تم میں سے کوئی دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے تو یوں کہے: {یاحی لاالہ الاانت یاارحم الراحمین} یہ کلمات تین بار دہرائے پھر جب وہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے تو وہ انہیں اپنے چہرہ پر پھیر لے۔[3]

عن الزهری قال: کان رسول الله ﷺ یرفع یدیه عند صدره فی الدعاء، ثم یمسح بهما وجهه۔ رواه عبدالرزاق وقال: وربمارأیت معمراًیفعله وانا افعله۔

---

[1] (أخرجه أبوداودفی السنن، کتاب: الصلاة، باب: الدعاء، ۲/۷۹، الرقم: ۱۴۹۲، واحمدبن حنبل فی المسند، ۴/۲۲۱، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۲۲/۲۴۱، الرقم: ۶۳۱، والبیهقی فی شعب الایمان، ۲/۴۵، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱/۱۴۵، الرقم: ۲۱۶، والمقریزی فی مختصرکتاب الوتر، ۱/۱۵۲)

[2] (أخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: الدعوات عن رسول الله ﷺ باب: (۱۳۸)، الرقم: ۳۶۰۸/۳۹۶۹)

[3] (أخرجه ابن حبان فی الصحیح، ۳/۱۰۶، الرقم ۸۷۶، وأبویعلی فی المسند، ۳/۳۹۱، الرقم ۱۸۶۷، والهندی فی کنز العمال، ۲/۸۷، الرقم: ۳۲۶۶، ۳۲۶۸، والبزار عن سلمان رضی الله عنه فی المسند، ۶/۴۷۸، الرقم ۲۵۱۱، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۲/۴۲۳، الرقم: ۱۳۵۵۷، والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۱/۲۲۱، الرقم ۸۴۷، وابن راشدفی الجامع، ۱۰/۴۴۳، والقضاعی فی مسندالشهاب، ۲/۱۶۵، الرقم ۱۱۱۱، والمنذری فی الترغیب والترهیب، ۲/۳۱۵، الرقم ۲۵۲۷، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰/۱۶۹، والعجلونی فی کشف الخفاء، ۲/۲۷۱، الرقم ۲۲۹۷)

(۲) باب نمبر دو: دعا میں ہاتھ اٹھانے کا بیان

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ دعا میں اپنے ہاتھ مبارک سینہ اقدس تک بلند فرماتے اور پھر دعا کے بعد ان کو اپنے چہرہ انور پر پھیر لیتے۔

اس حدیث کو امام عبد الرزاق نے روایت کیا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت معمر کو اکثر (دعا میں) ایسے کرتے دیکھا اور میرا اپنا معمول بھی یہی ہے۔[1]

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: کان رسول اللہ ﷺ اذا دعا جعل باطن کفه الی وجهه۔ رواہ الطبرانی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب دعا فرماتے تو اپنی مبارک ہتھیلیوں کو اپنے رخ زیبا کی طرف فرما لیتے۔[2]

عن خلاد بن السائب الانصاری رضی اللہ عنه ان رسول اللہ ﷺ کان اذا دعا جعل باطن کفیه الی وجهه۔ رواہ احمد۔

حضرت خلاد بن سائب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ جب دعا فرماتے تو اپنی ہتھیلیوں کو اپنے چہرہ انور کے سامنے کر لیتے۔[3]

عن انس بن مالک رضی اللہ عنه رأیت رسول اللہ ﷺ یدعو هکذا بباطن کفیه وظاهرهما۔ رواہ ابو داود واحمد نحوہ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دعا کرتے ہوئے دیکھا اور آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلیوں کے باطن اور (نماز استسقاء میں) ظاہر کو یوں کیا ہوا تھا۔[4]

عن سلمان رضی اللہ عنه عن النبی ﷺ قال: ان اللہ عز وجل لیستحی اذا رفع العبد یدیه ان یردهما صفرا لا شیء فیهما رواہ الطبرانی۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک اللہ عز وجل کو اس بات سے حیا آتی ہے کہ جب اس کا بندہ دعا کیلئے (اس کے سامنے) ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی (بغیر کچھ ڈالے) لوٹا دے۔[5]

---

[1] (أخرجه عبدالرزاق فی المصنف، ۲/۲۴۷، الرقم: ۳،۳۲۳۵، ۳۲۳۴/۱۲۳، الرقم: ۵۰۰۳)

[2] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۱/۴۳۵، الرقم: ۱۲۲۳۴، وفی المعجم الأوسط، ۵/۲۵۰، الرقم: ۵۲۲۶، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱/۱۴۵، الرقم: ۲۱۷، والمناوی فی فیض القدیر، ۵/۱۳۳)

[3] (أخرجه أحمدبن حنبل فی المسند، ۴/۵۶، والسیوطی فی الجامع الصغیر، ۱/۱۴۶، الرقم: ۲۴۷، ۲۱۷، والمزی فی تهذیب الکمال، ۷/۷۷، الرقم: ۱۴۱۸، والعسقلانی فی تلخیص الحبیر، ۲/۱۰۰، الرقم: ۷۲۳، والشوکانی فی نیل الأوطار، ۴/۳۵)

[4] (أخرجه ابوداؤد فی السنن، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء، ۲/۷۸، الرقم: ۱۴۸۷ واحمدبن حنبل فی المسند، ۵/۴۲۷، الرقم: ۲۳۶۷۰، والشیبانی فی المبسوط، ۱/۱۰۲، والقرطبی فی الجامع الاحکام القرآن، ۱۱/۳۳۷، وابن عدی فی الکامل، ۵/۳۲، الرقم: ۱۲۰۲)

[5] (أخرجه الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۶/۲۵۶، الرقم: ۶۱۴۸، وفی کتاب الدعاء، ۱/۸۴، الرقم: ۲۰۳، ۲۰۵، والهندی فی الکنز العمال، ۲/۸۷، الرقم: ۳۲۶۷)

(۲) باب نمبر دو: دعا میں ہاتھ اٹھانے کا بیان

عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ اذا دعا العبد فرفع یدیہ فسأل، قال اللہ عزوجل: انی لأستحیی من عبدی ان اردہ۔ رواہ الطبرانی فی الدعاء۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی بندہ دعا کرتا ہے اور اپنے ہاتھ کو اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بیشک میں اپنے اس بندے سے حیا کرتا ہوں کہ میں اس کی دعا کو رد کر دوں۔[1]

عن علی رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ان ربکم حیی کریم، یستحی اذا رفع العبد یدیہ ان یردھما صفرا لاخیر فیھما۔ رواہ الدارقطنی فی الافراد کما قال الھندی۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک تمہارا رب بڑا حیادار اور سخی ہے۔ اسے اس بات سے حیا آتی ہے کہ کوئی بندہ (دعا کیلئے اس کے سامنے) اپنے ہاتھ اٹھائے اور وہ انہیں خالی، ان میں خیرات ڈالے بغیر واپس لوٹا دے۔[2]

عن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ ﷺ قال: لاتستروا الجدر من نظر فی کتاب اخیہ بغیر اذنہ فانما ینظر فی النار سلوا اللہ ببطون أکفکم ولا تسألوہ بظھورھما فاذا فرغتم فامسحوا بھا وجوھکم۔[3]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: دیواروں کو (پردوں سے) نہ چھپایا کرو اور جو شخص اپنے بھائی کے خط میں بغیر اس کی اجازت کے دیکھتا ہے بیشک وہ جہنم کی آگ میں دیکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ہتھیلیاں اوپر کر کے سوال کیا کرو اور ہاتھوں کی پشت اوپر نہ رکھا کرو اور جب فارغ ہو جاؤ تو انہیں چہروں پر مل لیا کرو۔[4]

الْأَسْوَدِ الْعَامِرِيِّ عَنْ أَبِيهِ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الفجر فما سَلَّمَ انْحَرَفَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَدَعَا۔

اسود عامری اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی معیت میں نماز فجر ادا کی پس جب آپ ﷺ نے سلام پھیرا تو ایک طرف ہو کر اپنے دونوں مبارک ہاتھ اٹھائے اور دعا فرمائی۔[5]

---

[1] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۶/۲۵۶، الرقم: ۶۱۴۸، وفی کتاب الدعاء، ۱/۸۴، الرقم: ۲۰۳، ۲۰۵، والھندی فی الکنز العمال، ۲/۸۷، الرقم: ۳۲۶۷)

[2] (أخرجہ الطبرانی فی المعجم الکبیر، ۶/۲۵۶، الرقم: ۶۱۴۸، وفی کتاب الدعاء، ۱/۸۴، الرقم: ۲۰۳، ۲۰۵، والھندی فی الکنز العمال، ۲/۸۷، الرقم: ۳۲۶۷)

[3] (رواہ ابوداود والحاکم وابن ابی شیبۃ والبیھقی والطبرانی۔ ورجالہ ثقات)

[4] (اخرجہ ابوداؤد فی السنن، کتاب: الصلوٰۃ، باب: الدعا، ۲/۷۸، الرقم: ۱۴۸۵، والحاکم فی المستدرک، ۱/۷۱۹، الرقم: ۱۹۶۸، وابن ابی شیبۃ فی المصنف، ۶/۲۵، الرقم: ۲۹۴۰۵، والبیھقی فی السنن الکبری، ۲/۲۱۲، الرقم: ۲۹۶۹، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۱۰/۳۱۹، الرقم: ۱۰۷۷۹، وفی مسند الشامیین، ۲/۴۳۲، الرقم: ۱۶۳۹، والشیبانی فی الأحاد والمثانی، ۴/۴۱۰، الرقم: ۲۴۵۹، والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۲/۳۰۶، الرقم: ۳۳۸۳، والمقریزی فی مختصر کتاب الوتر، ۱/۱۵۲، والھیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰/۱۶۹، وقال: رجالہ ثقات، والقرطبی فی الجامع الاحکام، ۱۱/۳۳۷)

[5] (تحفة الأحوذي بشرح جامع الترمذي، باب مایقول اذاسلم من الصلاۃ، ج۲ ص ۱۷۱ دار الکتب العلمیۃ – بیروت، اخرجہ ابن ابی شیبہ فی المصنف، ۱/۲۶۹، الرقم: ۳۰۹۳، وقال: رواہ ابن أبی شیبۃ فی مصنفۃ، وابن القدامۃ فی المغنی، ۱/۳۲۸)

عن محمد بن ابی یحی قال: رأیت عبداللہ الزبیر رضی اللہ عنهما و رأی رجلاً رافعایدیه یدعوقبل ان یفرغ من صلاته فلمافرغ منهاقال، ان رسول اللہ ﷺ لم یکن یرفع یدیه حتی یفرغ من صلاته رواہ المقدسی، والطبرانی کماقال الھیثمی۔وقال: ورجاله ثقات۔

محمد بن ابی یحیٰ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو دیکھا اورانہوں نے ایک آدمی کو ہاتھ اٹھائے دعامانگتے ہوئے دیکھا قبل اس کے کہ وہ نماز سے فارغ ہوتا پس جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس کو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بیشک حضور نبی کریم ﷺ (دعاکیلئے) ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ نہ ہو جائیں ۔[1]

عن انس عن النبی ﷺ انه قال مامن عبدبسط کفیه فی دبر کل صلاة ثم یقول اللهم الهی واله ابراهیم واسحق ویعقوب واله جبریل ومیکائیل واسرافیل علیهم السلام أسألک ان تستجیب دعوتی فانی مضطر، وتعصمنی فی دینی فانی مبتلی وتنالنی برحمتک فانی مذنب، وتنفی عنی الفقر، فانی متمسکن الاکان حقاعلی اللہ عزوجل ان لایردیدیه خائبتین۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی بندہ مومن ایسا نہیں جو ہر نماز کے بعد اپنی ہتھیلیاں پھیلاتا ہے پھر یہ کہتا ہے: اے میرے اللہ! اے میرے اور ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہ السلام کے معبود اور جبرائیل اور میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے معبود! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری دعا قبول فرما کیونکہ میں مجبور ہوں اور تم مجھے میرے دین میں مجھے مضبوط رکھ کیونکہ میں ابتلاء میں ہوں اور تم مجھے اپنی رحمت سے حصہ وافر عطا فرما کیونکہ میں گناہگار ہوں اور مجھ سے فکر کو دور فرما کیونکہ میں ایک مسکین ہوں پھر اللہ اپنے ذمہ کرم پر لے لیتا ہے اور اس کے ہاتھوں کو ناکام واپس نہیں لوٹاتا۔[2]

عن انس بن مالک رضی اللہ عنهماقال: خرجت مع رسول اللہ ﷺ من البیت الی المسجد، وقوم فی المسجدرافعی ایدیهم یدعون اللہ عزوجل فقال لی رسول اللہ ﷺ: هل تری ماأری بأیدی القوم؟ فقلت: ماتری فی ایدیهم؟ فقال: نور قلت: ادع اللہ أن یرینیه، قال: فدعا، فرأیته، فقال: یاانس استعجل بناحتی نشرک القوم، فأسرعت مع نبی اللہ ﷺ فرفعناأیدینا۔رواہ البخاری فی التاریخ والطبرانی فی الدعاء واللفظ له۔

---

[1] (أخرجه فی المقدسی المختارة، ۹/۳۳۶، الرقم: ۳۰۳، والهیثمی فی مجمع الزوائد، ۱۰/۱۶۹، وقال: رواہ الطبرانی وترجم له فقال محمد بن یحییٰ الأسلمی عن عبداللہ بن زبیر ورجاله ثقات، والمبارکفوری فی تحفة الأحوذی، ۲/۱۰۰، وقال: رواہ الطبرانی ورجاله ثقات۔)

[2] (رواہ ابن عساکر وابن السنی واللفظ له والدیلمی والهندی، أخرجه ابن عساکر، ۱۶/۳۸۳، وابن السنی فی عمل الیوم واللیلة، ۱/۵۲، الرقم: ۱۳۹: والدیلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۱/۴۸۱، الرقم: ۱۹۷۰، والهندی فی کنز فی کنز العمال، ۲/۱۳۴، الرقم: ۳۴۷۵، والمبارکفوری فی تحفة الاحوذی، ۲/۱۷۱)

(۲) باب نمبر دو: دعا میں ہاتھ اٹھانے کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں گھر سے مسجد کی طرف نکلا اور کچھ لوگ مسجد میں اپنے ہاتھوں کو اٹھائے اللہ عز و جل سے دعا مانگ رہے تھے تو مجھے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: کیا تم وہ چیز دیکھ رہے ہو جو ان کے ہاتھوں میں ہے؟ تو میں نے عرض کیا: آپ ان کے ہاتھوں میں کیا دیکھ رہے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: (میں ان کے ہاتھوں میں) نور دیکھ رہا ہوں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے بھی یہ نور دکھائے تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے انس جلدی کرو یہاں تک کہ ہم بھی ان لوگوں کے ساتھ (دعا میں) شریک ہو سکیں۔ پس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جلدی جلدی ان لوگوں کی طرف گیا پھر ہم نے بھی دعا کیلیئے ہاتھ اٹھالئے۔ [1]

عن الفضل بن عباس رضی اللہ عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: الصلاة مثنى، مثنى تشهد فی كل ركعتين، وتخشع وتضرع، وتمسكن وتقنع يديك تقول ترفعهما الى ربك مستقبلا ببطونهم وجهك وتقول: يارب يارب، ومن لم يفعل ذلك فهو كذا و كذا۔ رواه الترمذی والنسائی واحمد و الطبرانی۔

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز (نفل) دو دو رکعتیں ہیں ہر دو رکعت کے بعد تشہد ہے، خشوع و خضوع سکون اور اپنے رب کی طرف ہاتھوں کو اس طرح اٹھانا کہ ان کا اندرونی حصہ منہ کی جانب رہے اور پھر کہنا اے رب! اے رب جس نے ایسا نہ کیا وہ ایسا ہے وہ ایسا ہے۔ [2]

عن المطلب عن النبی ﷺ قال: الصلاة مثنى مثنى ان تشهد فی كل ركعتين وتباءس وتمسكن وتقنع بيديك وتقول: اللهم اللهم فمن لم يفعل ذلك فهی خداج، رواه ابو داود و ابن ماجة والنسائی و ابن خزيمة۔

وقال ابن خزيمة بعد تخريج الحديث المذكور: فی هذا الخبر زيادة شرح ذكر رفع اليدين ليقول: اللهم اللهم، وفی خبر الليث ترفعهما الى ربك تستقبل بهما وجهك وتقول: يارب يارب، ورفع اليدين وتشهد قبل التسليم ليس من سنة الصلاة، وهذا دالّ على انه انما أمره برفع اليدين والدعاو المسألة بعد التسليم من المثنى۔

حضرت مطلب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: نماز کی دو دو رکعتیں ہیں ہر دو رکعت پر تشہد ہے اور عاجزی اور سکون کا حال عرض کرتا ہے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے، یا اللہ یا اللہ! اور جو ایسا نہ کرے اس کی نماز نامکمل ہے۔

---

[1] (أخرجه البخاری فی التاريخ الكبير، ۲۰۲/۳، الرقم: ۲۹۲، والطبرانی فی الدعاء، ۸۵/۱، الرقم: ۲۰۶)

[2] (أخرجه الترمذی فی السنن، كتاب: الصلاة، عن رسول الله ﷺ باب: ماجاء فی التخشع فی الصلاة، (ج ۱ ص ۸۷/۲۲۵)، الرقم: ۳۸۵، والنسائی فی السنن الكبرىٰ، ۴۵۰/۱، ۲۱۲، الرقم: ۶۱۵، ۱۴۴۰، واحمد بن حنبل فی المسند، ۱۶۷/۴، والطبرانی فی المعجم الكبير، ۲۹۵/۱۸، الرقم: ۷۵۷، والمنذری فی الترغيب والترهيب، ۲۰۳/۱، الرقم: ۷۷۰، وأبو المحاسن فی المعتصر المختصر، ۳۸/۱، وابن رجب فی جامع العلوم والحكم، ۱۰۶/۱، وابن قتيبه فی تأويل مختلف الحديث، ۱۶۸/۱)

امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کی تخریج کے بعد بیان فرماتے ہیں: اس حدیث میں دعامیں ہاتھ اٹھانے کی مزید شرح ہے اور یہ کہ دعامانگنے والے کو کہنا چاہیئے: اے میرے اللہ! اے میرے اللہ! اور لیث کی روایت میں ہے کہ دعامانگنے والا اپنے دونوں ہاتھ اللہ کی طرف اٹھائے اور ان کو اپنے چہرے کے سامنے رکھے اور یہ کہے: اے میرے رب! اے میرے رب! اور رفع یدین اور سلام سے پہلے تشہد سنت نماز میں سے نہیں ہے اور یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رفع یدین اور دعااور سوال کرناسلام کے بعد ہے یعنی دونوں طرف سلام پھیرنے کے بعد (نماز مکمل کرنے کے بعد) دونوں ہاتھ اٹھاکر دعاکرنی چاہیئے۔[1]

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: المسألة أن ترفع يديک حذومنكبيک أونحوهماوالاستغفاران تشيرباصبع واحدوالابتهال ان تمديديک جميعا۔

وفی رواية: عن عباس بن عبدالله بن معبدبن عباس بهذاالحديث قال فيه والابتهال هكذاورفع يديه وجعل ظهورهممامايلی وجهه۔ رواه أبوداودوعبدالرزاق والطبرانی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھاؤ یاان کے برابر اور استغفارایک انگلی سے اشارہ کرنا ہے اور اظہار عجز دونوں ہاتھوں کا اکٹھے پھیلانا ہے۔

اور عباس بن عبداللہ بن معبد بن عباس رضی اللہ عنہم اسی حدیث کی روایت میں فرماتے ہیں کہ اظہار عجز اس طرح ہے پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور ان کی پشت اپنے چہرے کے سامنے رکھی۔[2]

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: قال رسول اللہ ﷺ: اذادعوت اللہ فادع ببطون كفيک۔ ولاتدع بظهورهما۔ فاذافرغت فامسح بهماوجهک۔ رواه ابن ماجة۔

---

[1] (أخرجه أبوداودفی السنن، كتاب: الصلاة، باب: فی صلاة النهار، ۲/ ۲۹، الرقم: ۱۲۹٦، وابن ماجة فی السنن، كتاب: اقامة الصلاة والسنة فيها، باب: ماجاء فی صلاة الليل والنهارمثنی مثنی، ۱/ ۴۱۹، الرقم: ۱۳۲۵، والنسائی فی السنن الكبریٰ، ۱/ ۲۱۲، ۴۵۱، الرقم: ۱۴۴۱، ٦۱٦، وابن خزيمة فی الصحيح، ۲/ ۲۲۰۔ ۲۲۱، الرقم: ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳، واحمد بن حنبل فی المسند، ۴/ ۱٦۷، والدارقطنی فی السنن، ۱/ ۴۱۸، الرقم: ۴، والبيهقی فی السنن الكبریٰ، ۲/ ۴۸۸، الرقم: ۴۳۵۴، والديلمی فی الفردوس بماثور الخطاب، ۲/ ۴۰۷، الرقم: ۳۸۱۱، والمنذری فی الترغيب والترهيب، ۱/ ۲۰۳، الرقم: ۷۷۰)

[2] (أخرجه أبوداودفی السنن، كتاب: الصلاة، باب: الدعاء، ۲/ ۷۹، الرقم: ۱۴۸۹۔ ۱۴۹۰، وعبدالرزاق فی المصنف، ۲/ ۲۵۰، الرقم: ۳۲۴۷، والطبرانی فی كتاب الدعاء، ۱/ ۸٦، الرقم: ۲۰۸، والمقدسی فی الاحاديث المختارة، ۹/ ۴۸٦، الرقم: ۴٦۸۔ ۴٦۹، والعسقلانی فی فتح الباری، ۱۱/ ۱۴۳، وقال: أخرجه ابوداود والحاكم، وايضافی الدراية فی تخريج أحاديث الهداية، ۲/ ۱۷، الرقم: ۴۲٦، والزيلعی فی نصب الراية، ۳/ ۵۱، والصنعانی فی سبل السلام، ۴/ ۲۱۹، والزرقانی فی شرح الموطا، ۲/ ۵۹، الرقم: ۱۲۳، والمناوی فی فيض القدير، ۱/ ۱۸۴، والعظيم آبادی فی عون المعبود، ۴/ ۲۵۳)

(۲) باب نمبر دو: دعا میں ہاتھ اٹھانے کا بیان

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:۔جب اللہ تعالیٰ سے دعا کرو تو اپنے ہاتھ کی ہتھیلیوں سے دعا کیا کرو نہ کہ ان کی پشت سے اور جب دعا سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے ہاتھوں کو چہرے پر مل لو۔[1]

وقال الامام البیهقی فی الشعب و أما آدابه:

فمنها: المحافظة علی الدعاء فی الرخاء دون تخصیص حال الشدة و البلاء۔

و منها: افتتاح الدعاء و ختمه بالصلاة علی رسول الله ﷺ۔

و منها: أن یدعو فی دبر صلوته۔

و منها: أن یرفع الیدین حتی یحاذی بهما المنکبین اذا دعا۔

و منها: ان یمسح وجهه بیدیه اذا فرغ من الدعاء۔

امام بیہقی رحمہ اللہ علیہ نے شعب الایمان میں فرمایا: آداب دعا میں سے ہے: (انسان کا) ہمیشہ دعا پر استقامت اختیار کرنا اگرچہ وہ خوشحالی میں ہو اور دعا کو صرف سختی اور مصیبت کے ساتھ خاص نہ کرنا۔

اور یہ کہ دعا کے آغاز اور آخر میں حضور اکرم ﷺ پر درود بھیجنا۔

اور یہ کہ اپنی نمازوں کے بعد دعا کرنا۔

اور یہ کہ ہاتھوں کو دعا میں اپنے کندھوں کے برابر بلند کرنا۔

اور یہ کہ دعا سے فارغ ہو کر اپنے ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا۔[2]

وقال الامام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی: قال جماعة من اصحابنا و غیرهم السنة فی کل دعاء لرفع بلاء کالقحط و نحوه أن یرفع یدیه و یجعل ظهر کفیه الی السماء احتجوا بهذا الحدیث قوله عن انس رضی الله عنه أن النبی ﷺ کان لا یرفع یدیه فی شیء من دعائه الا فی الاستسقاء حتی یری بیاض ابطیه، هذا الحدیث یوهم ظاهره انه لم یرفع ﷺ الا فی الاستسقاء و لیس الامر کذلک بل قد ثبت رفع یدیه ﷺ فی الدعاء فی مواطن غیر الاستسقاء و هی اکثر من أن تحصر و قد جمعت منها نحوا من ثلاثین حدیثا من الصحیحین او احدهما۔

امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی نے فرمایا: ہمارے علمائے کرام اور بعض دیگر نے کہا ہے کہ ہر دعا میں جو کسی مصیبت جیسے قحط وغیرہ کے ٹالنے کیلئے ہو ہاتھ اٹھانا سنت ہے اور وہ اس طرح کہ اپنی ہتھیلیوں کی پشت آسمان کی طرف کرے۔ اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے بعض لوگوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نماز استسقاء کے علاوہ

---

[1] (أخرجه ابن ماجة فی السنن، کتاب: الدعاء، باب: رفع الیدین فی الدعاء، ۲/۱۲۷۲، الرقم: ۳۸۶۶، وفی کتاب: اقامة الصلاة و السنة فیها، ۱/۳۷۳، الرقم: ۱۱۸۱، والکنانی فی مصباح الزجاجة، ۱/۱۴۱، الرقم: ۴۲۲، والمقریزی فی مختصر کتاب الوتر، ۱/۱۵۱، الرقم: ۶۵، والسیوطی فی شرح سنن ابن ماجة، ۱/۲۷۵، الرقم: ۳۸۶۶)

[2] (أخرجه البیهقی فی شعب الایمان، ۲/۴۵)

(۲) باب نمبر دو: دعامیں ہاتھ اٹھانے کابیان

دعامیں ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے حتی کہ (جب آپ ﷺ ہاتھ بلند فرماتے تو) آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی مبارک نظر آتی تھی۔اس حدیث کا ظاہر یہ وہم ڈالتاہے کہ آپ ﷺ نماز استسقاء کے علاوہ ہاتھ بلند نہیں فرماتے تھے اور معاملہ ایساہرگز نہیں بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے نماز استسقاء کے علاوہ دیگر مواقع پر بھی ہاتھ اٹھاکر دعامانگی ہے اور یہ مواقع بے شمارہیں اور میں نے صحیحین یاان دونوں میں کسی ایک میں سے اس طرح کی تیس احادیث جمع کی ہیں۔[1]

قال الامام ابن تیمیہ فی الفتاویٰ: وَإِنْ أَرَادَ أَنَّ مَنْ دَعَا اللّٰهَ لَا يَرْفَعُ إِلَيْهِ يَدَيْهِ، فَهَذَا خِلَافُ مَا تَوَاتَرَتْ بِهِ السُّنَنُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا فَطَرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ عِبَادَهُ مِنْ رَفْعِ الْأَيْدِي إِلَى اللّٰهِ فِي الدُّعَاءِ۔

شیخ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا اور اگر اس سے کسی نے یہ مراد لیاہے کہ دعاکرنے والا اپنے ہاتھ نہ اٹھائے تو یہ حضور نبی اکرم ﷺ سے منقول سنن متواترہ کے خلاف ہے اور اس (انسانی) فطرت کے بھی خلاف ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں (یعنی مانگنے والا ہمیشہ ہاتھ بڑھاتا ہے) اور وہ یہ ہے کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہاتھ بلند کیے جائیں۔[2]

واخرج الامام ابن رجب الحنبلی: مدّیدیہ الی السمآء وھو من آداب الدعاء التی یرجی بسببھا اجابتہ۔

امام ابن رجب حنبلی نے ایک طویل حدیث میں (حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک صحابی کی کیفیت دعا بیان کرتے ہوئے) بیان کیا: انہوں نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کیے اور یہ آداب دعامیں سے جس کے سبب امید قبولیت رکھی جاتی ہے۔[3]

وقال الامام جلال الدین السیوطی: احادیث رفع الیدین فی الدعاء فقد وردعنہ ﷺ نحو مائة حدیث فیہ رفع یدیہ فی الدعاء وقد جمعتھا فی جزء (فض الوعافی احادیث رفع الیدین فی الدعاء) لکنھا فی قضایا مختلفة فکل قضیة منھا لم تتواتر والقدر المشترک فیھا وھو الرفع عند الدعاء تواتر اباعتبار المجموع۔

امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا: دعاکیلئے ہاتھ اٹھانے کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ سے تقریباً سو کے قریب احادیث منقول ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے دعامیں ہاتھ بلند فرمائے ان تمام احادیث کو میں نے ایک مستقل کتاب (فض الوعافی احادیث رفع الیدین فی الدعاء) میں جمع کر دیاہے اگرچہ یہ دعائیں مختلف قضایا سے متعلق ہیں مگر ان میں ہاتھ اٹھاناچونکہ قدرے مشترک ہے اس لئے یہ (ہاتھ اٹھاکر دعاکرنا) مجموعی اعتبار سے احادیث متواتر (سے ثابت) ہو گیا۔[4]

فتح الباری صفحہ ۱۴۲ج ۱۱میں ہے:

---

[1] (أخرجہ النووی فی شرح علی صحیح مسلم، ۱۹۰/۶)

[2] (أخرجہ ابن تیمیہ فی مجموع فتاویٰ، ۲۶۵/۵)

[3] (اخرجہ ابن رجب فی جامع العلوم والحکم، ۱۰۵/۱)

[4] (أخرجہ السیوطی فی تدریب الراوی، ۱۸۰/۲)

ولاسیمامع کثرة الاحادیث الواردة فی ذلک (ای رفع الایدی فی الدعاء)فان فیه احادیث کثیرة افردهاالمنذری رحمة الله علیه فی جزء سردمنهاالنووی رحمة الله علیه فی الاذکاروفی شرح المهذجملة وعقدلهاالبخاری رحمةالله علیه فی الادب المفرد صفحه ۹۰ (طبع التازیه) باباً۔۔۔الخ۔

ان صریح حوالوں سے اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کاواضح ثبوت ملتاہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

قال فی الاصل وینزل بها(ای عرفات)مع الناس لان الانتباذتجبروالحال حال تضرع والاجابة فی الجمع ارجیٰ۔

اصل میں ہے کہ عرفات سے لوگوں کے ساتھ اتریں کیونکہ اکیلااترنا تکبر ہے اور حال عاجزی کاہے اوراجتماعی دعامیں مقبولیت کی بہت زیادہ امید ہے۔[1]

واللہ اعلم ورسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

[1] (ہدایہ صفحہ ۲۲۴ ج ۱)

(۳) باب نمبر تین: تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان

تکرار الدعاء: مختلف فیہ مسائل میں سے ایک مسئلہ تکرار الدعاء یعنی دعا کو بار بار کرنا ہے جیسے کہ ہمارے اہلسنت وجماعت کی مساجد میں بالخصوص صوبہ سرحد میں سنتوں کے بعد تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ منکرین دعا اس مسئلے پر بھی اختلاف کرتے ہیں اور اسے بدعت بتاتے ہیں۔

حالانکہ امام بخاری نے تکرار دعا کے بارے میں باقاعدہ باب ذکر فرمایا ہے:

کقولہ باب تکریر الدعاء۔[1]

علامہ عینی فرماتے ہیں:

"ھذا باب فی بیان تکریر الدعاء وھو ان یدعو بہ مرۃ بعد اخری لان فی تکررہ اظہار الموضع الفقر والحاجۃ الی اللہ عز وجل والتذلل والخضوع لہ وقد روی ابو داؤد والنسائی من حدیث ابن مسعود ان النبی ﷺ کان یعجبہ ان یدعو ثلاثا ویستغفر ثلاثا واخرجہ ابن حبان فی صحیحہ۔[2]

اسی طرح اگر کسی چیز کو تین دفعہ طلب کرے تو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے تین دفعہ پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ پناہ عطا فرماتا ہے:

کقولہ علیہ السلام "عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ما سأل رجل مسلم عن اللہ عز وجل الجنۃ ثلاثا الا قالت الجنۃ اللھم ادخلہ الجنۃ ولا استجار مستجیر من النار ثلاث مرات الا قالت النار اللھم اجرہ من النار"۔[3]

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال کان النبی ﷺ اذا دعا دعا ثلاثا واذا سأل سأل ثلاثا۔[4]

مولانا یوسف بنوری دیوبندی شارح ترمذی تکرار الدعاء کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

"وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرۃ برفع الیدین ومن حدیث عائشۃ عند مسلم وھذا کلہ واضح معروف فی محلہ لا مساغ لانکارھا"۔[5]

قال النووی فی شرحہ فیہ استحباب اطالۃ الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین۔[6]

وقال الامام الغزالی الثامن ان یلح فی الدعاء ویکررہ ثلاثا۔[7]

---

[1] (بخاری شریف، ج ۲، ص ۹۴۵)

[2] (عینی حاشیہ بخاری، ج ۲، ص ۹۴۵)

[3] (مسند احمد، ج ۳، ۱۵۵)

[4] (التعلیق علی الترغیب الترھیب، ج ۲، ص ۴۸۴ لعلامہ مصطفی عمارہ، مخزن الدلائل، ص ۵۵، مشکوٰۃ، ص ۲۲۳)

[5] (معارف السنن شرح ترمذی، ج ۳، ص ۱۲۲، مسلم، ج ۱، ص ۳۱۳)

[6] (شرح مسلم للنووی، ج ۷، ص ۴۷ دار المعرفۃ بیروت، الفتح الربانی لترتیب مسند الإمام أحمد بن حنبل الشیبانی ج ۸ ص ۱۷۴ کتاب الجنائز، الکوکب الوهّاج والرّوض البهّاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج ص ۲۷۵ ج ۱۱ دار المنهاج - دار طوق النجاة)

[7] (احیاء العلوم، ج ۱، ص ۲۱۱، مخزن الدلائل ص ۵۷)

(۳) باب نمبر تین: تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان

علامہ سبحان الدین کوکاروی فاضل وفاق المدارس ملتان فرماتے ہیں کہ تکرار الدعاء کا ثبوت آپ ﷺ سے منقول ہے:

عن ابن مسعود قال کان رسول اللہ ﷺ اذا سأل سأل ثلاثا و قال النووی فیہ استحباب تکریر الدعاء ثلاثا۔[1]

اس کے بعد علمی تحقیق فرماتے ہیں کہ جب کان صدر کلام میں واقع ہو تو اس سے دوام اور استمرار پر دلالت ہوتی ہے عند الجمہور۔

جیسے کہ شیخ دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں حدیث: **کان النبی ﷺ اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفہم عنہ۔**[2] کے تحت فرمایا:

"در لفظ کان محدثان راسخن است مقرر و مشہور میان جمہور آن ست کہ افادۂ دوام و استمرار میکند یعنی چون گویند کہ بود آنحضرت ﷺ کہ این کار میکرد مراد آن بود کہ دوام میکرد و عادت شریف این بود الخ"۔[3]

وقال الرازی فی تفسیرہ فقال بعض الجھال الدعاء شیء عدیم الفائدۃ واحتجوا علیہ من وجوہ وقال جمھور من العقلاء ان الدعاء اھم مقامات العبودیۃ ویدل علیہ وجوہ من العقل والنقل الخ۔[4]

وقال العلامۃ الشیخ السید احمد شاہ فی کتابہ ومنھا ای من اٰداب الدعاء تکرار الدعاء ثلاثا کما فی مسلم شریف فرفع رسول اللہ ﷺ یدیہ ثم قال اللھم اغثنا اللھم اغثنا اللھم اغثنا قال الامام النووی ھکذا ھو مکرر ففیہ استحباب تکرار الدعاء ثلاثا۔[5]

علامہ شیخ الحدیث غلام رسول سعیدی آداب دعا میں معجم طبرانی کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ تین بار دعا کرے۔[6]

علامہ میاں ظاہر شاہ قادری تین دفعہ دعا کے بارے میں فرماتے ہیں:

وفی کنز العباد وادنی الالحاح ان یکررہ ثلاثا والاوسط خمسا والاکمل سبعا۔[7]

علامہ مفتی اعظم شائستہ گل علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ومن آداب الدعاء ان یکررہ ثلاثا۔[8]

---

1 مسلم (ج ۲، ص ۱۰۸)
2 (مشکوٰۃ ص ۳۳)
3 (اشعۃ اللمعات، ج ۱، ص ۱۶۷، نفائس مطلوبہ ص ۴۵)
4 (کبیر ج ۲، ص ۱۲۸، ۱۲۹، نفائس مطلوبہ ص ۴۷)
5 (ج ۱، ص ۲۹۳) (تنویر الایمان ص ۲۱۴)
6 (شرح صحیح مسلم ج ۷، ص ۴۳۷)
7 (کنز العباد ص ۲۴، دعا بعد السنن والنوافل، ص ۲۹)
8 (حصن حصین ص ۱۴ و شرحہ ص ۲ ثم طحطاوی ص ۱۸۹، خزینۃ الاسرار، ص ۱۴۳، احیاء العلوم) (اثبات الاغراض، ص ۱۴۳)

(۳) باب نمبر تین: تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان

شیخ الاسلام حضرت علامہ نقی علی خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

دعامیں تکرار چاہیئے۔[1]

اعلی حضرت مجدد وقت الشاہ احمد رضاخان الافغانی قدس سرہ شرح میں فرماتے ہیں:

"قال الرضا تکرار سوال صدق طلب پر دلیل ہے اور یہ اس کریم حقیقی کی شان ہے کہ تکرار سوال سے ملال نہیں فرماتا بلکہ نہ مانگنے پر غضب فرماتا ہے: **من لم یسئل الله یغضب علیه**"۔

بخلاف بنی آدم کہ کیساہی کریم ہو کثرت سوال وشدت تکرار وہجوم سائلاں سے کسی نہ کسی وقت دل تنگ ہوتا ہے۔[2]

حضرت علامہ عبد الجلیل دیوبندی سواتی فرماتے ہیں:

وینبغی ان یلح بالدعاء مرة بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا وقال فی الهدایة ومن ضرورة التعمیم التکرار۔[3]

مولانا قمر الحق دیوبندی تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

قال العلامة الشیخ احمد طحطاوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرة اخری وقتا بعد وقت وان یکررہ ثلاثا۔[4]

وصح حدیث فی تکریر الدعاء ثلاثا کل مرة برفع الیدین من حدیث عائشة عند مسلم وهذا کله واضح معروف فی محله لا مساغ لانکارها واخرج الطبرانی عن ابی هبیرة عن حبیب ابن مسلمة الفهری وکان مستجابا انه امر علی جیش فدرب الدروب فلما لقی العدو قال للناس سمعت رسول الله ﷺ یقول لا یجتمع ملأ فیدعو بعضهم ویؤمن بعضهم الا اجابهم الله تعالی وهو دلیل للدعاء بهیئة اجتماعیة۔[5]

شیخ الحدیث غازی محمد الغازمی الحنفی لکھتے ہیں:

بعض لوگ تین مرتبہ دعا کرنے کو بدعت بتاتے ہیں اور پھر خاص کر دعامیں رفع الیدین کو حالانکہ امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب ذکر فرمایا ہے:[6]

اور تکرار الدعاء من حیث الالفاظ بھی ثابت ہے اور من حیث رفع الیدین بھی ثابت ہے۔[7]

---

[1](احسن الوعاء لآداب الدعاء ص ۲۲)

[2](ذیل المدعا لاحسن الوعاء ص ۲۳، ۲۲)

[3](الهدایة ج ۲، ص ۳۶۶)(تنبیه الاخوان، ص ۳)

[4](طحطاوی، ص ۱۷۳)

[5](معارف السنن لبنوری، ج ۳، ص ۱۲۲) کنز العمال، ج ۲، ص ۱۰۷، حیاة الصحابة، ج ۳، ص ۳۳۵) الاصابة فی تمییز الصحابة، ص ۳۰۹ بحواله منیر الایضاح شرح نور الایضاح ص ۹۵، لقمر الحق دیوبندی

[6]صحیح البخاری "باب تکریر الدعاء (ج ۲، ص ۹۴۵)"

[7](مقالات غازی ص ۱۶)

(۳) باب نمبر تین: تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان

اس کی شرح میں مولانا عبد الہادی حقانی دیوبندی فاضل دار العلوم حقانیہ لکھتے ہیں:

وذکر فی الحصین وان یکرر الدعاء واقلها التثلیث ولا ینکر من اثبات الدعاء ثلاثا الا الجاهل بالسنة النبویة والتفصیل فی کتاب الشیخ غازی محمد الغازی المسمی به جامع الکمالات وهو المحقق۔[1]

قال العلامة الشیخ سید احمد شاہ فی کتابه "وفی قطب الارشاد ویکرر الدعاء واقله التثلیث ویلح فیه بالمداومة والمواظبة فی الحالات ولا یکفی بمرة ویتحقق الاضطرار والاحتیاج والافتقار۔

تکرار عبارت ہے افعال متماثلہ کو اوقات متعددہ میں واقع کرنے سے جیسے کہ تلویح میں ہے:

"وتکراره ای الفعل وقوعه مرة بعد اخری وذالک بایقاع افعال متماثلة فی اوقات متعددة"۔[2]

قال العلامة الشیخ حمد الله الدیوبندی السهارنفوری الداجوی "ومن أداب الدعاء تکرار الدعاء لان الامام البخاری ذکر باب تکرار الدعاء (ج ۲، ص ۹۴۵) وفی الحصن الحصین وان یکرر الدعاء واقله التثلیث۔

آگے فرماتے ہیں:

وذکر الامام مسلم (ج ا، ص ۳ ا ۳) فی واقعة بقیع الغرقد انه علیه السلام رفع یدیه ثلاثا قال الامام النووی فیه استحباب اطالة الدعاء وتکرر رفع الیدین۔[3]

قال العلامة عبد الرزاق بتهر الوی وینبغی ان یلح بالدعاء مرة بعد اخری وقتا بعد وقت وان یکرر۔[4]

مفتی محمد فرید شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ دعا کے آداب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

الفاظ دعا کو تین دفعہ مکرر کرنا لحدیث مسلم وابی داوٗد ان رسول الله ﷺ کان یعجبه ان یدعو ثلاثا۔[5]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں: ویلح الداعی فی الدعاء ویکرره ثلاثا لانه نوع من الالحاح۔[6]

بحر العلوم علامہ عبد المتین دیوبندی سواتی قدس سرہ تکرار الدعاء کے بارے میں لکھتے ہیں:

وفی کنز العباد ان یلح فی الدعاء والالحاح ان یکرره ثلاثا مع تکرار رفع الیدین ثلاثا وهو ادناه واوسطه خمسا واکمله سبعا لما دعی النبی ﷺ فی حق انس عشر مراة وفی حق احمس عشر مراة رواه ابو داؤد ص ۸۰۔[7]

---

[1](کمالات حقانی علی مقالات غازی ص ۱ ٦ ا)

[2](تلویح ص ۱۵۷ (اعلام المؤمنین، ص ۳۷)

[3](البصائر ص ۱۲۴)

[4](ذریعة النجاح حاشیه نور الایضاح ص ۷۹)

[5](مقالات ص ۱ ٦)

[6](امداد الفتاوی مسائل المنثوره ص ۵۷۰، جلد اول)

[7](الرسائل الستہ ص ۷۲)

(۳) باب نمبر تین: تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان

مناظر اعظم علامہ محمد عمر اچھروی قدس سرہ فرماتے ہیں:

عن عبداللہ یعنی ابن مسعود قال کان احب الدعاء الی رسول اللہ ﷺ ان یدعو ثلاثا رواہ الطبرانی فی الاوسط۔[1]

دعا کے آداب:

دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ جس کو مفتی محمد فرید دیوبندی نے ذکر کیا کہ دونوں ہاتھوں کو اٹھانا:

کمافی البیھقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔[2]

مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی لکھتے ہیں:

الجزء التاسع فیما یتعلق برفع الیدین عند الدعاء ان رفع الیدین فی الدعاء ای دعاء کان فی ای وقت کان بعد الصلوات الخمس وغیرھا دلت علیہ الاحادیث منھا ما قال سلمان قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حیی کریم یستحیی اذا رفع الرجل الیہ یدیہ ان یردھما صفرا خائبتین۔ وعن انس قال قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ رحیم کریم یستحیی من عبد ان یرفع الیہ یدیہ ثم لا یضع فیھما خیرا۔[3]

حضرت علامہ نقی علی خان افغانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

بہ کمال ادب ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر سینے یا شانوں یا چہرے کے مقابل لائے یا پورے اٹھائے۔ یہاں تک کہ بغل کی سپیدی ظاہر ہو۔[4]

شیخ الحدیث غازی محمد الغازی دیوبندی لکھتے ہیں:

دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا:

کمافی البیھقی یرفع یدیہ فی الدعاء۔[5]

علامہ حمد اللہ دیوبندی سہارنپوری لکھتے ہیں:

ثم الدعاء لھا آداب رفع الایدی عند الدعاء ولذا ذکر الامام البخاری باب رفع الایدی فی الدعاء (ج ۲، ص ۹۳۸)

---

[1] (کتاب الاذکار ص ۱۷۷، للنووی، مجمع الزوائد ص ۱۰) مسند امام احمد حنبل ج ۱، ص ۳۹۷، ج ۱، ص ۳۹۴، ج ۱، ص ۳۹۷، مسلم شریف ج ۱، ص ۳۱۳، ج ۱، ص ۲۹۳، مقیاس الصلوۃ، ص ۳۴۳ تا ۳۴۵)

[2] (مقالات فریدی ص ۱۵)

[3] (امداد الفتاوی ج ۱، ص ۵۷۲)

[4] (احسن الدعاء لآداب الدعاء ص ۱۹)

[5] (مقالات غازی ص ۱۴)

وایضا ذکر فی نور الایضاح ثم یدعون لانفسھم وللمسلمین رافعی ایدیھم وذکر الشارح فی تلک الصفحۃ فی اثباتہ قولہ علیہ السلام اذا دعوت اللہ فادع بباطن کفیک ولا تدع بظھورھما فاذا فرغت فامسح بھما وجھک أہ ص ۱۷۳ ۔[1]

علامہ ابوعبد الرزاق محمد فاضل صاحب آداب دعا کے بارے میں لکھتے ہیں:

عن ابن عباس قال المسألۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک الخ۔[2]

عن عمر رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا رفع یدیہ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ۔[3]

عن الاسود العامری عن ابیہ قال صلیت مع رسول اللہ ﷺ الفجر فلما سلم انحرف رفع یدیہ ودعا۔[4]

علامہ میاں ظاہر شاہ فرماتے ہیں:

ان مسح الیدین علی الوجہ عقیب الدعاء سنۃ۔[5]

ابن ماجہ نے باب رفع الیدین فی الدعاء لکھ کر اس بات کو واضح کر دیا کہ دعا میں ہاتھوں کو اٹھانا مستحب ہے۔[6]

علامہ مولانا سبحان الدین کوکاروی فرماتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری نے فیض الباری ج ۲، ص ۳۸۰ میں لکھا ہے کہ:

وقد اخرج النووی نحوا من ثلاثین حدیثا علی ثبوت الرفع عند الدعاء۔[7]

علامہ شمس الحق افغانی دیوبندی لکھتے ہیں:

وکذا رفع الیدین ومسح الوجہ بعد الفراغ کذا فی منہج العمال والعقائد السنیۃ کذا فی التحفۃ المرغوبۃ۔

آگے لکھتے ہیں کہ جب دعا ثابت ہوئی تو رفع الیدین بھی ثابت ہوئی:

لما فی حصن حصین ان من آداب الدعاء رفع الیدین ولما فی ابی داؤد عن ابن عباس مرفوعا المسئلۃ ان ترفع یدیک حذو منکبیک او نحوھما وفی السعایۃ لما ندب فی مطلق الدعاء استحبہ العلماء فی ھذا الدعاء ایضا۔[8]

فضیلۃ الشیخ علامہ سید احمد شاہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

آداب دعا میں سے یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینے تک اٹھانا نہ کہ اس سے زیادہ۔

---

[1] (البصائر ص ۱۲۴)
[2] (ابو داؤد، ص ۲۰۹، مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۲۱۳)
[3] (مشکوٰۃ ج ۱، ص ۲۱۲، ترمذی، ج ۲، ص ۱۹۶، مستدرک ج ۱، ص ۵۳۶)
[4] (معارف السنن، ج ۱، ص ۱۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ مخزن الدلائل، ص ۱۳ تا ۱۶)
[5] (روح البیان، ج ۳، ص ۴۶۱)
[6] (دعا بعد السنن والنوافل، ص ۳۲)
[7] (نفائس مطلوبہ، ص ۴۲)
[8] (صحیح مسلک ص ۳۱، ۳۰)

(۳) باب نمبر تین: تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان

جیسے کہ حدیث شریف میں ہے:

ان رفعکم ایدیکم بدعة ما زاد رسول اللہ ﷺ علی هذا یعنی الی الصدر رواہ احمد مشکوۃ ص ۱۸۸، المسئلة ای ادب السؤال ان ترفع یدیک حذاء منکبیک لان العادة فیمن طلب شیئا ان یبسط یدیه ای الاکف الی المدعو له او لا ثم یسئل۔

صاحب نزہۃ المجالس ص ۵۰ پر فرماتے ہیں:

فالمؤمن یرفع یدیه الی ربه خمسین مرة مثلا اترا ہ تردھما خائبتین الخ۔[1]

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی صاحب فرماتے ہیں:

دعا کے آداب یہ ہیں کہ ہتھیلیوں کے باطن کی جانب سے ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور دعا کے بعد ہاتھوں کو چہرے پر پھیرے۔(ترمذی، ابو داؤد)

پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کرے پھر رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اس کے بعد دعا کرے اور آخر میں پھر درود پڑھے۔(معجم طبرانی)

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں:

ومنها ای من آداب الدعاء تقدیم الحمد و الصلوۃ علی الدعاء و الصلوۃ و الثناء علی اللہ اولا و اخرا۔[2]

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

ویبدأ الدعاء بالحمد للہ و الثناء علیه ویختم به ویصلی علی النبی ﷺ اوله و اخره و وسطه۔[3]

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں:

دعا کیلئے اول وآخر حمد الٰہی بجالائے اور اول وآخر نبی ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر درود بھیجے کہ درود اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے۔[4]

اس کی شرح میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان الافغانی قدس سرہ فرماتے ہیں بیہقی وابو الشیخ سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے راوی ہیں حضور سید المرسلین ﷺ فرماتے ہیں:

الدعاء محجوب عن اللہ حتی یصلی علی محمد و اهل بیته۔[5]

---

[1] (اعلام المؤمنین ص ۳۹، تنویر الایمان، ص ۲۱۳)

[2] (البصائر ص ۱۲۴)

[3] (امداد الفتاوی، ج ۱، ص ۵۶۹)

[4] (احسن الوعاء ص ۱۵)

[5] (ذیل المدعا ص ۱۶)

دعا سے پہلے حمد و صلوٰۃ پڑھنا

مفتی محمد فرید دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

لحدیث ابی داؤد اذا صلیت فقعدت فاحمد اللہ بما ھو اھلہ و صل علی ثم ادعہ۔[1]

علامہ سید احمد شاہ لکھتے ہیں:

منھا ای من آداب الدعاء البدایۃ بالثناء ثم بالصلوۃ سنۃ الدعاء ھدایہ ص ۱۶۳، وقال النبی ﷺ اذا صلی احدکم فلیبدأ بتحمید اللہ و الثناء علیہ ثم لیصل علی النبی ﷺ ثم لیدع بعد ما شاء ھذا حدیث حسن صحیح ترمذی ص ۱۸۶۔[2]

آگے لکھتے ہیں کہ:

ولان الثناء و الصلوۃ یقدمان علی الدعاء تقریبا الی الاجابۃ کما فی غیرہ من الدعوات و الرفع سنۃ الدعاء ای رفع الایدی طریقۃ حسنۃ فی الدعاء۔[3]

علامہ حمد اللہ دیوبندی لکھتے ہیں:

و من آداب الدعاء التوسل الی اللہ بعباد اللہ الصٰلحین۔[4]

قطب الارشاد میں ہے:

و یتوسل الیہ تعالی بانبیائہ و الصالحین من عبادہ من العلماء و الشھداء و الاولیاء۔[5]

و ینبغی ان یتوسل الی اللہ تعالی بانبیائہ و الاولیاء الصالحین۔[6]

علامہ نقی علی خان قدس سرہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور اس کی کتابوں خصوصًا قرآن اور ملائکہ وانبیاء کرام بالخصوص حضور سید انام علیہم السلام اور ان کے اولیاء واصفیاء بالتخصیص حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے توسل اور انہیں اپنے انجاح حاجات کا ذریعہ کرے کہ محبوبانِ خدا کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے۔[7]

---

[1] (مقالات ص ۱۶)

[2] (تنویر الایمان، ص ۲۱۲)

[3] (ھدایہ ص ۲۲۲، ھکذا فی المستخلص ص ۲۳۴، اعلام المؤمنین، ص ۴۱)

[4] (البصائر ص ۱۲۴)

[5] (قطب الارشاد، ص ۲۴)

[6] (روح البیان، ج ۱، ص ۲۹۸، دعا بعد السنن و النوافل، ص ۲۱)

[7] (احسن الوعاء، ص ۱۸)

(۳) باب نمبر تین: تین بار ہاتھ اٹھا کر دعاء مانگنے کا بیان

اعلیٰ حضرت مندرجہ بالا عبارت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالی و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و قال تعالی یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلۃ و ایضا فی الحدیث اللھم انی اسألک و اتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی و ایضا فی البخاری انا نتوسل الیک بعم نبینا ﷺ فاسقنا۔[1] اللہ تعالی و رسولہ الاعلی اعلم بالصواب۔

[1](ذیل المدعا، ص ۱۸)

(۴) باب نمبر چار: طلوعِ فجر سے طلوعِ شمس تک سونے کا بیان

سوال: طلوعِ صبح سے طلوعِ شمس تک نیند کرنا کیسا ہے؟ اور اس وقت کی اہمیت کیا ہے؟

جواب: تفسیر روح البیان میں ہے:

الم تر الی ربک کیف مد الظل أی بسطه فیما بین طلوع الفجر الی طلوع الشمس لانه لا شمس معه وهو اطیب الازمنة۔۔۔قال تعالیٰ فی وصف الجنة (وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ) ویقال تلک الساعة تشبه ساعة الجنة الا ان الجنة انور۔

ترجمہ: ''کیا تم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا کہ وہ سایہ کو کیسے پھیلاتا ہے، یعنی طلوع فجر اور طلوع شمس کے مابین پھیلاتا ہے کیونکہ اس وقت سایہ کے ساتھ سورج نہیں ہوتا اور یہ بہت بہتر اور اچھا وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت کی صفت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اور پھیلا ہوا سایہ۔'' کہا جاتا ہے کہ طلوع فجر اور طلوع شمس کے مابین والا وقت جنت کے وقت کے مشابہ ہے فرق صرف یہ ہے کہ جنت نور ہے (زیادہ روشن ہے)۔''[1]

تفسیر قرطبی میں ہے:

وقال الحسن وقتادة وغیرهما: مد الظل من طلوع الفجر الی طلوع الشمس۔ وقیل هو من غیوبة الشمس الی طلوعها والاول اصح والدلیل علی ذالک أنه لیس من ساعة أطیب من تلک الساعة فان فیها یجد المریض راحة والمسافر وکل ذی علة: وفیها ترد نفوس الأموات والارواح منهم الی الاجساد، وتطیب نفوس الاحیاء فیها وهذه الصفة مفقودة بعد المغرب وقال ابو العالیة: نهار الجنة هکذا۔اه

ترجمہ: ''حسن اور قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں: مد الظل (اس نے سایہ کو پھیلایا) سے مراد طلوع فجر سے طلوع شمس کے مابین وقت ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ سورج غروب ہونے سے طلوع ہونے تک کا وقت ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اس وقت سے بہتر کوئی دوسرا وقت نہیں کیونکہ اس وقت میں مریض، مسافر اور دوسرے پریشان لوگ راحت پاتے ہیں، اور اس وقت میں اموات (مردوں) کی ارواح اور نفوس ان کے جسموں کی طرف آتے ہیں۔ اور زندوں کی ارواح و طبیعتیں بھی اس وقت بہت خوش اور تروتازہ ہوتی ہیں۔ جب کہ یہ صفت مغرب کے بعد مفقود اور معدوم ہے۔ ابو العالیہ نے کہا: جنت کی نہریں اسی طرح ہیں۔''[2]

وابن عباس ومجاهد وایوب بن موسیٰ ابراهیم التیمی والضحاک وابی مالک الغفار وابی عالیة وسعید بن جبیر: وذلک أطیب الاوقات۔

---

[1] (تفسیر روح البیان، ج۹ ا ص ۲۲۰)

[2] (ج ۱۳ ص ۳۷، سورۃ الفرقان: ۴۵)

ترجمہ: ”ابن عباس، مجاہد، ایوب بن موسیٰ ابراہیم التیمی، ضحاک، ابومالک الغفار، ابوالعالیہ، سعید بن جبیرث سے مروی ہے: یہ بہترین اوقات میں سے ہے۔“[1]

رات نیند کے لئے ہے اور دن سونے کے لئے نہیں ہے سوائے قیلولہ کے۔ اس بات کا ذکر قرآنِ کریم کی آیات میں بھی ہے۔ طلوع صبح سے طلوع شمس تک سونے کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں:

۱) اخرج المنذری فی الترغیب والترھیب وروی ابن ماجة من حدیث علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال نھی رسول اللہ ﷺ عن النوم قبل طلوع الشمس۔

ترجمہ: ”حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: آپ ﷺ نے طلوع شمس سے پہلے سونے سے منع فرمایا ہے۔“[2]

۲) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما اذا صلیتم الفجر فلا تناموا عن طلب أرزاقک۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم فجر کی نماز پڑھو تو حلال روزی کی طلب سے مت سونا۔“[3]

۳) وعن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لا ن أقعد مع قوم یذکرون اللہ من صلوٰة الغداة حتی تطلع الشمس أحب الیّ من ان اعتق اربعة من ولد اسمٰعیل علیه السلام۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا: فجر کی نماز کے بعد سے طلوع شمس تک ذاکرین کے ساتھ بیٹھنا مجھے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل کے چار غلاموں کے آزاد کرنے سے زیادہ پسند اور محبوب ہے۔[4]

۴) وعنه قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی الفجر فی جماعة ثم قعد یذکر اللہ حتی تطلع الشمس ثم صلی رکعتین کانت له کاجر حجة وعمرة قال قال رسول اللہ ﷺ تامّةٍ تامّةٍ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا: جو فجر کی نماز باجماعت ادا کرے پھر طلوع شمس تک بیٹھ کر ذکر اللہ کرتا رہے اور پھر دو رکعات نماز پڑھے تو اسے حج و عمرے کا ثواب ملے گا۔ آپ ﷺ نے تین بار فرمایا: مکمل مکمل ثواب ملے گا۔[5]

۵) وعن جابر بن سمرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان النبی ﷺ اذا صلی الفجر تربع فی مجلسه حتی تطلع الشمس حسنًا۔

---

[1] (روح المعانی ج ۱۹ ص ۲۶ وغیرہ)

[2] (ج ۲ ص ۳۳۶ اشاعة الاسلام پشاور)

[3] (الجامع الصغیر للسیوطی رحمة اللہ تعالیٰ علیه ج ۱ ص ۳۰، کنوز الحقائق علی ھامش الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۱ لعبد الرؤف المناوی رحمة اللہ تعالیٰ علیه)

[4] (ابو داؤد مشکوة ص ۸۹ وفتاویٰ الدین الخالص ص ۲۳۴ والترھیب ج ۱ ص ۱۷۸ وغیرہ)

[5] (رواہ الترمذی ومشکوة ص ۸۹، فتاویٰ الدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۴، ومسند ابی یعلی ج ۲ ص ۳۶، ۳۹، والترغیب والترھیب ج ۱ ص ۱۷۸، اور ترغیب کے ص ۱۷۸، ۱۷۹ پر آٹھ احادیث ملاحظہ کی جاسکتی ھیں)

ترجمہ: جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آپ ﷺ فجر کی نماز کے بعد آلتی پالتی مار کر بیٹھتے یہاں تک کہ سورج اچھی طرح ظاہر ہو جاتا۔[1]

۶) وفی فتاویٰ الدین الخالص: وقد اخرج مسلم وغیرھا کما فی المشکوۃ ص ۲۰۰ عن جویریۃ انھا جلست بعد الصلوۃ الفجر الی الضحیٰ ثم علمھا النبی ﷺ ذکراً جامعاً۔

ترجمہ: حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فجر کی نماز کے بعد چاشت تک بیٹھی رہیں، پھر آپ ﷺ نے ان کو جامع ذکر کی تعلیم فرمائی۔[2]

۷) عن فاطمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ قالت: مر بی رسول اللہ ﷺ وأنا مضطجعۃ متصبحۃ فحرکنی برجلہ وقال یابنیۃ قومی فاشھدی رزق ربی ولا تکونی من الغافلین فانہ یقسم أرزاق الناس ما بین طلوع الفجر الی طلوع الشمس۔

ترجمہ: حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ ﷺ میرے پاس سے گزرے جب کہ میں صبح کے وقت لیٹی ہوئی تھی تو آپ ﷺ نے مجھے پاؤں سے ہلایا اور فرمایا: اے میری بیٹی: اٹھو اور اپنے رب کے رزق میں حاضر ہو جاؤ اور غافل نہ بنو کیونکہ طلوع فجر سے طلوع شمس تک لوگوں کا رزق تقسیم ہوتا ہے۔[3]

۸) رواہ ایضاً عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال دخل رسول اللہ ﷺ علی فاطمۃ بعد ان صلی الصبح أو ھی نائمۃ فذکرہ بمعناہ۔

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: آپ ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس فجر کی نماز کے بعد آئے جب کہ وہ سو رہی تھیں، پھر آگے حدیث بیان کی۔[4]

۹) وروی عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الصُّبحۃ یمنع الرزق۔

یعنی "حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا صبح کی نیند رزق روک دیتی ہے۔"[5]

---

[1] (رواہ مسلم وابو داؤد والترمذی والنسائی والطبرانی وغیرہ، الترغیب ج ۱ ص ۱۸۰ وفتاویٰ الدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۴، وغیرہ ومشکوۃ ص ۴۰۴)

[2] (ج ۲ ص ۲۳۴)

[3] (ذکرہ الھندی فی کنز العمال ج ۱۵ ص ۵۳۴، حدیث ۴۲۰۲۸ بحوالہ ابن النجار، راجع الترغیب للمنذری ص ۵۲۹ ص ۱۵۳۱ ج ۲ و نسخۃ دیگر ج ۲ ص ۳۳۶، وقال فیہ روہ البیھقی)

[4] (الترغیب ج ۲ ص ۳۳۶)

[5] (رواہ احمد فی مسندہ ج ۱ ص ۷۳، والبیھقی وغیرھما واوردہ ابن عدی فی الکامل وھو ظاھر النکارۃ۔ الترغیب ص ۳۳۶ ج ۲، وفی فتاویٰ الدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۵ وقال اخرجہ ابن الجوزی فی الموضوعات ج ۳ ص ۶۸ وفی المسند ج ۱ ص ۷۳ بسند ضعیف فیہ رجل مجھول ومجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۰۶ وقال رواہ احمد بن حنبل وفیہ اسحاق بن ابی فروۃ وھو ضعیف۔ واخرجہ ابن العساکر بسندہ لیس فیہ اسحاق بن ابی فروۃ، حدیث ۳۲۷ واحکام النبویۃ ج ۱ ص ۱۱۵ (الصبحۃ تمنع الرزق یعنی نوم الغداۃ ج ۶ ص ۱۶۵) دار الاحیاء التراث بیروت)

۱۰)عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ قال مر بی عمرو بن بلبل وانا متصبح فی النخل فحر کنی برجله فقال أترقد فی الساعة التی ینشر فیها عباد اللہ۔

ترجمہ: عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے فرمایا میرے پاس سے عمرو بن بلبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرے اور میں نخلستان میں صبح کو سو رہا تھا، تو مجھے پاؤں سے حرکت دی اور فرمایا: کیا تم اس وقت میں سو رہے ہو جس وقت اللہ کے بندے پھیل جاتے ہیں۔[1]

۱۱)عن عروة قال: کان الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنه ینهیٰ بنیه عن التصبح قال: وقال عروة انی لاسمع بالرجل یتصبح فأزهد فیه۔

ترجمہ: حضرت عروہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بیٹوں کو صبح کی نیند سے منع فرماتے تھے۔[2]

۱۲)عن طلحة ابن عبید اللہ رضی اللہ عنهما انه مر بابن لهٔ تصبح فذکر أنه فقده و نهاه عن ذلک۔

"حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے بیٹے کے پاس سے گزرے جو صبح کے وقت سو رہے تھے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو سونے سے منع فرمایا۔"[3]

۱۳)عن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: التقی الزبیر و عبید بن عمیر فتذاکرا شیئاً فقال له الآخر: اما علمت ان الارض تصیح الی ربها من نوم غلمانها۔

ترجمہ: حضرت ابو سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: زبیر اور عبید بن عمیر رضی اللہ عنہما نے ملاقات کی اور گفتگو کے دوران ایک نے دوسرے سے کہا: کیا تم کو پتہ نہیں کہ زمین اللہ کی بارگاہ میں نوجوانوں کے سونے پر چیخ و پکار کرتی ہے۔[4]

۱۴)عن داؤد بن ابراهیم أن الأسد حبس الناس لیلة .... فلما کان فی السحر ذهب عنهم فنزل الناس یمیناً و شمالاً، فالقوا أنفسهم فناموا قام طاؤوس یصلی فقال رجل لطاؤوس الا تنام؟ فانک قد نصبت اللیلة۔ قال فقال طاؤوس: وهل ینام السحر؟

ترجمہ: "حضرت داؤد بن ابراہیم رضی اللہ عنہ نے کہا ایک شیر نے ایک رات لوگوں کو روک لیا، صبح ہوئی تو شیر چلا گیا، پھر لوگ ادھر اُدھر جا کے سو گئے جبکہ طاؤس نماز میں مشغول ہو گئے۔ کسی نے طاؤس سے کہا کیا تم نہیں سو گے، تم نے بھی رات مشقت میں گزاری ہے؟ طاؤس نے کہا کیا صبح کے بعد بھی سویا جاتا ہے؟"۔[5]

---

[1](رواه ابن ابی شیبة ج۸ ص ۳۶۵ و فتاویٰ الدین الخالص ج۲ ص ۲۳۵)

[2] (فتاویٰ الدین الخالص ج۲ ص ۲۳۵ و مصنف ابن ابی شیبة ج۸ ص ۳۶۵)

[3](مصنف ابن ابی شیبة ج۸ ص ۳۶۵، و فتاویٰ الدین الخالص ج۲ ص ۲۳۵)

[4](الدین الخالص ج۲ ص ۱۳۶، و مصنف ابن ابی شیبه ج۶ ص ۱۰۳ کتاب الأدب باب ما قالوا فی التصبح نومة الضحیٰ و ما جاء فیها ج۸ ص ۲۳۶ بیروت و فیه لفظ "تعج" بدلاً تصبح)

[5] (المصنف عبد الرزاق ج۱۱ ص ۴۰)

۱۵) عن علقمة بن قیس قال: بلغنا أن الأرض تعج الی اللہ تعالیٰ من نومة العالم بعد صلاة الصبح۔

ترجمہ: حضرت علقمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عالم کی صبح کی نماز کے بعد کی نیند کی وجہ سے فریاد کرتی ہے۔[1]

۱۶) وعن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال: انی لأزھد فی الرجل یتصبح۔

ترجمہ: حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اس شخص سے دور رہتا ہوں جو فجر کی نماز کے بعد سوتا ہے۔[2]

۱۷) قال البخاری فی الأدب المفرد ص ۳۲۰ رقم ۱۲۴۲ عن خوات بن جبیر قال: نوم أوّل النھار فی شرح فضل اللہ قال الحافظ ابن حجر۔

”امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ادب المفرد میں لکھتے ہیں، خوات بن جبیر نے کہا کہ دن کے اول وقت کی نیند۔“[3]

۱۸) عن عبید اللہ قال کان سالم لا یتصبح و کان یقیل۔

حضرت عبید اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا سالم فجر کے بعد نہیں سوتے تھے بلکہ وہ قیلولہ کیا کرتے تھے۔[4]

۱۹) عن عبید اللہ بن عبد اللہ مثلہٗ۔ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل روایت ہے۔

۲۰) عن مکحول (مثلہ) (مکحول رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت ہے)۔[5]

۲۱) عن طارق ابن شھاب قال: کان عبد اللہ اذا صلی الفجر لم یدع أحداً من أھلہ صغیراً و لا کبیراً یطوف حتی تطلع الشمس۔

حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: فجر کی نماز کے بعد عبد اللہ اپنے گھر کے کسی چھوٹے یا بڑے کو سونے نہیں دیتے تھے۔[6]

۲۲) وفی الطلب لأبی نعیم مرفوعاً: لا تصبحوا وقیلوا فان الشیطان لا یقیل۔

ابو نعیم اور خطیب رضی اللہ عنہمانے مرفوع روایت کی، فرمایا: فجر کے بعد نہ سو بلکہ قیلولہ کیا کرو کہ شیطان قیلولہ نہیں کرتا۔[7]

---

1 (المصنف عبد الرزاق ج ۱۱ ص ۴۷ واذکار للنووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دار القلم بیروت ص ۱۷، وشرح السنة للبغوی وفتاویٰ الدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۶)

2 (المصنف لابن ابی شیبة ج ۸ ص ۳۶۶ والدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۶)

3 (أخرجہ سفیان بن عینیة فی جامعہ وسندہ صحیح۔ ایضاً فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ ص ۷۰ قبیل باب القائلة فی المسجد باب القائلة بعد الجمعة)

4 (مصنف ابن ابی شیبة ۸: ۳۶۶)

5 (ابن ابی شیبہ ج ۸ ص ۳۶۶)

6 (مصنف ابن ابی شیبة ج ۹ ص ۳۶ کتاب الأدب (ج ۲ ص ۲۲۲) (باب من کان لا یدع أحداً من اھلہ الخ)

7 (الطب لابی نعیم، ج ۲ ص ۱۰۲ والخطیب فی الموضع ج ۲ ص ۸۱)

وفی سندہ ضعف یسیر کمافی الصحیحۃ جلد ۴ صفحہ ۲۰۳ ۔ثم رأیت فی المجمع جلد ۱ صفحہ ۳۱۸، باب نوم بعد الصبح عن عبد اللہ بن عمران رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ انہ مر علی رجل بعد صلاۃ الصبح وھو نائم فحرکہ برجلہ وقال اماعلمت ان اللہ تعالیٰ یطلع فی ھذہ الساعۃ الی خلقہ فیدخل ثلۃ منھم الجنۃ برحمتہ"۔

ترجمہ:"حضرت عبد اللہ بن عمران رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ فجر کی نماز کے بعد ایک سوتے ہوئے شخص کے پاس سے گزرے تو پاؤں سے حرکت دی اور فرمایا: کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت اپنی مخلوق کی طرف نظر رحمت فرماتا ہے اور اپنی رحمت سے ایک جماعت کو جنت میں داخل فرماتا ہے۔"[1]

قال عیسیٰ علیہ السلام لأصحابہ فیکم خصلتین من الجھل الضحک من غیر عجب والصبحۃ من غیر سھر۔

"یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: تم میں نادانی کی دو خصلتیں ہیں۔ بغیر تعجب کے ہنسنا اور صبح کو سونا"۔[2]

علامہ ابن قیم لکھتے ہیں:

ونوم النھار ردی یورث الامراض الرطوبۃ والنوازل ویفسد اللون ویورث الطحال ویرخی العصب یکسل ویضعف الشھوۃ الا فی الصیف وقت الھاجرۃ وأرداہ نوم أول النھار وأردأمنہ النوم آخرہ بعد العصر ورأی عبد اللہ بن عباس ابناً لہ نائماً نومۃ الصبحۃ۔ فقال لہ قم أتنام فی الساعۃ التی تقسم فیھا الأرزاق ونوم الصبحۃ یمنع الرزق لأن ذالک الوقت تطلب فیہ الخلیقۃ أرزاقھا وھو وقت قسمۃ الأرزاق فنومہ حرمان الا لعارض أو ضرورۃ، وھو مضرّ جداً بالبدن لارخائہ البدن وافسادہ للفضلات التی ینبغی تحلیلھا بالریاضۃ، فیحدث تکسراً وعیاً وضعفاً وان کان قبل التبرز والحرکۃ والریاضۃ واشتغل المعدۃ بشیء فذالک الداء العضال المولدۃ نوع من الأدوات انتھی۔

صبح کا سونا بے کار ہے، کئی امراض و بیماریوں کا سبب ہے۔ اس سے۔ اس سے رنگ خراب ہوتا ہے۔ تلی کی بیماری اور پٹھوں کی سستی کا سبب ہے، سستی آتی ہے اور شہوت کم ہوتی ہے، ہاں گرمیوں میں ظہر کو سویا کرے دن کے پہلے حصے میں سونا خراب ہے اور اس سے بھی زیادہ خراب ہے اور اس سے بھی زیادہ خراب دن کے آخری حصے میں عصر کے بعد سونا ہے، اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے صبح کے وقت اپنے بیٹے کو سوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اٹھو کیا تم ایسے وقت میں سوتے ہو کہ جس میں رزق تقسیم ہوتا ہے؟" فجر کی نیند رزق کو روک دیتی ہے کیونکہ اس وقت مخلوق اپنا رزق تلاش کرتی ہے۔ وہ رزق کی تقسیم کا وقت ہے اور اس وقت سونا رزق سے محروم ہونا ہے ہاں اگر کوئی عذر اور ضرورت ہو تو سونا جائز ہے۔ صبح کا سونا بدن کے لئے شدید نقصان دہ ہے، اس سے بدن سست ہوتا ہے، جن فضلاتِ جسمانی کو محنت سے تحلیل ہونا چاہیئے وہ برباد ہو جاتے ہیں، ان میں ٹوٹ

---

[1] (الطبرانی فی الکبیر وفیہ من لایعرف وفی البدایۃ والنھایۃ ج ۲ ص ۸۴)

[2] (لدین الخالص ج ۲ ص ۲۳۷)

پھوٹ، عاجزی اور کمزوری پیدا ہوتی ہے، اور اگر قضائے حاجت کرنے، ملنے جُلنے اور محنت سے پہلے ہو اور معدہ بھی کسی چیز میں مشغول ہو تو پھر تو وہ کئی علتوں کو جنم دینے والی سخت بیماری بن جاتا ہے۔[1]

عالمگیری میں ہے:

یکرہ النوم فی اول النہار۔۔۔ ویقوم من مقامہ قبل الصبح فان الارض تشکی الی اللہ من غسل الزانی و دم حرام یسفک علیہا و نومۃ بعد الصبح۔

یعنی دن کی ابتدا میں سونا مکروہ ہے، اور صبح سے پہلے بستر سے اٹھے کیونکہ زمین اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرتی ہے زناکار کے غسل، ناحق خون بہانے اور فجر کے بعد سونے والے کی۔"[2]

تعلیم المتعلم اور شرعۃ تفہیم المتفہم میں ہے:

و کذا نوم الصبحۃ یمنع الرزق أی حصولہ قیل ان الغنم لا ینام وقت السحر و الصبح و لذلک حصل البرکۃ فیہ حتی یوجد فی آبادی اکثر الانسان اکثر من عشرۃ اغنام مع انہ یولد واحد ویؤکل کثیر و اما الکلب فلا ینام فی اللیل الا وقت السحر و الصبح فلذالک لا یوجد فی المنازل الا واحد و اثنان مع انہ یولد أربعۃ أو ستۃ أو تسعۃ و لا یؤکل۔

یعنی "صبح کے بعد سونے سے رزق کے حصول میں کمی آتی ہے: کہا جاتا ہے کہ بھیڑ بکریاں سحری اور صبح کے وقت نہیں سوتیں، اسی وجہ سے ان میں برکت ہے۔ لہٰذا ہر علاقے میں بھیڑ بکریوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے حالانکہ ایک بچہ دیتی ہے اور ان کا گوشت بھی زیادہ کھایا جاتا ہے، اور کتے چونکہ رات کو جاگتے ہیں اور سحری اور صبح کے وقت سوتے ہیں اس وجہ سے گھروں میں ایک یا دو پائے جاتے ہیں، حالانکہ کتے چار، چھ اور نو تک بچے دیتے ہیں، اور ان کا گوشت بھی نہیں کھایا جاتا۔"[3]

اور قطب الارشاد میں ہے:

ویکرہ النوم بعد صلوۃ الصبح أشد کراھۃ سیما للعالم ففی شرح السنۃ قال علقمۃ بن قیس بلغنا ان الارض تعج الی اللہ تعالیٰ من نومۃ العالم بعد صلوۃ الصبح و فی روایۃ البیھقی ان الصبحۃ تمنع الرزق۔

یعنی فجر کی نماز کے بعد سونا سخت مکروہ ہے خاص کر علماء کے لئے۔ شرح السنۃ میں ہے: علقمہ بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس عالم کی نیند کی شکایت کرتی ہے جو صبح کے بعد سوتا ہے اور بیہقی میں ہے کہ فجر کی نیند رزق کو روکتی ہے۔"[4]

---

[1] (زادالمعاد ج۳ص ۸۲۲ وحیدی کتب خانہ پشاور)

[2] (ج۵ ص ۳۷۶ متفرقات طبع نورانی کتب خانہ پشاور)

[3] (ص ۱۳۲، ۱۳۳۔ یمنع الرزق ص ۱۳۵)

[4] (قطب الارشاد، ص ۲۵۹)

اور احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ان النوم فی ھذا الوقت مکروہ جداً، فان غلبہ النوم فلیقم فی مصلاہ قائما مستقبل القبلۃ فان لم یذھب النوم بالقیام یخطط خطوات نحو القبلۃ ویتأخر بالخطوات کذالک۔ اھ۔

یعنی "اس وقت سونا سخت مکروہ ہے اگر کسی کو نیند آجائے تو قبلہ رو ہو کر جائے نماز پر کھڑا ہو جائے۔ اگر نیند ختم نہ ہوئی تو چند قدم قبلہ کی طرف چلے اور پیچھے آئے۔"[1]

تفسیر کبیر میں ہے:

قال شفیق البلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: ثلاثۃ من النوم یبغضھا اللہ تعالیٰ: النوم بعد صلاۃ الفجر و قبل صلاۃ العتمۃ و النوم فی الصلاۃ و النوم عند مجلس الذکر۔ اھ

"شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تین اوقات میں سونا اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے: فجر کے بعد، عشاء سے پہلے، اور نماز اور مجلسِ ذکر میں۔"[2]

قبیل المسئلۃ السادسۃ فی بیان فضل العلم۔ (مزید تفصیل کے لئے انوار القدسیہ ج ۱ ص ۱۱۰ ملاحظہ ہو۔)

اللھم اغفر لقارئہٖ ولکاتبہٖ ولسامعہٖ ولناظرہٖ ولحافظہٖ ولمصححہٖ ولناشرہ وجمیع المؤمنین والمؤمنات والمسلمین والمسلمات الاحیاء منھم والاموات من الذّنوب الصّغائر والکبائر کلّھا بحقّ لا الٰہ الّا اللہ محمّد رّسول اللہ وبحقّ الانبیاء والمرسلین والاولیآء الکاملین خصوصًا صاحب الوقت قیّوم الزّمان قطب الارشاد نائب مناب الرّسول الامین ﷺ سیّدی مرشدی اخندزادہ سیف الرّحمٰن نوّر اللہ مرقدہ و جعل الجنّۃ مثواہ ورفع اللہ تعالیٰ درجاتہٖ فی اعلیٰ علیین واوصلہ اللہ تعالیٰ الیٰ اقصی الغایات ونھایۃ النھایات والیٰ اقصیٰ مایتمناہ وافاض اللہ علیہ وعلینا وعلیٰ سائر المسلمین من فیوضاتہٖ وبرکاتہٖ وتوجھاتہٖ وتصرفاتہٖ الکریمۃ بعد الوصال۔ اآمین بجاہ حبیبہ ﷺ وبکرمک یا اکرم الاکرمین وبرحمتک یا ارحم الرّاحمین وصلّی اللہ علی خیر خلقہٖ محمّدٍ وّ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین الطّیّبین الطّاھرین وسلّم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

---

[1] (ج ۵ ص ۲۵۸ احیاء العلوم (نورانی کتب خانہ پشاور)

[2] (مختصراً ج ۱ ص ۲۵۸، المصری)

(۵) باب نمبر پانچ: نفل نماز باجماعت علی سبیل تداعی ادا کرنے کے بیان میں

قرآنِ پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷)

ترجمہ: جو کچھ یہ رسول ﷺ تمہیں دیں لے لو اور جس سے منع کر دیں اسے چھوڑ دو۔

ایک مسلمان کیلئے عبادات واحکام اور مسائل و معاملات میں رسول ﷺ اور آپ کے اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال واعمال ہی بہترین نمونۂ عمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو وہی عمل بطورِ عبادت پسند ہے جو اس کے محبوبِ کریم ﷺ کے طریقہ مبارکہ کے مطابق اور تابع ہو اور ایسا عمل ہی قبولیت کے لائق ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران ۳۱)

ترجمہ: (اے محبوب ﷺ) فرما دیجئے اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ (بھی) تمہیں دوست رکھے گا۔

اسی طرح قرآن حکیم میں اعمال کو ضائع کرنے سے منع کیا گیا ہے یعنی عبادات اور نیک اعمال کو ناپسندیدہ اور ممنوع طریقے سے ادا کر کے انہیں برباد نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور حضور علیہ السلام کی سنت کے مطابق اور تابع رہتے ہوئے امور بندگی کو بجالانا چاہیئے۔

رب تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ (محمد ۳۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کرو۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منه فھو رد"۔

ترجمہ: جس نے ہمارے دین میں ایسی نئی بات نکالی جو اس میں سے نہ ہو وہ چیز مردود ہے۔[1]

عبادت اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کے احکام پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے حضور ﷺ کی سنت کو چھوڑ کر اپنی من مانی اختیار کرنا ہی وہ ناپسندیدہ عمل ہے جسے بدعت کہتے ہیں۔ آج کل اکثر مساجد میں نفل نمازوں کا باجماعت اہتمام پورے زور

[1] (متفق علیہ، مشکوٰۃ: ص: ۲۷)

وشور سے کیا جانا بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ شب معراج، شب برات، اور لیلۃ القدر جیسی خاص راتوں میں "صلوٰۃ التسبیح" جیسی اہم انفرادی نماز کو اعلانات و اشتہارات کے ذریعے لوگوں کو بلا بلا کر باجماعت ادا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ فقہاء کرام نے نوافل کی جماعت اور اس کے لئے اعلان و اشتہار بازی کو "مکروہ تحریمی" قرار دیا ہے بغیر دعوت و اعلان کے دو یا تین شخص امام کے ساتھ اگر نوافل باجماعت پڑھ لیں تو جائز ہے۔

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے کبھی تعلیم کیلئے اور کبھی تبرکاً ایسی نماز نفل صحابی کے گھر میں ادا فرمائی ہے۔

جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

"ان جدته مليكة رضی الله تعالٰی عنها دعت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم بطعام صنعته فاكل منه، ثم قال: قوموا فاصلی لكم قال انس بن مالك رضی الله تعالٰی عنه فقمت الی حصير لنا قد اسود من طول مالبس فنضحته بماء فقام عليه رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وصففت انا واليتيم وراءه والعجوز من ورائنا فصلی لنا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ركعتين ثم۔۔۔۔انصرف"۔

ترجمہ: ان کی دادی حضرت ملیکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کھانا پکا کر دعوت کی۔ کھانا کھانے کے بعد آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: چلو میں تم کو نماز پڑھاؤں۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں: میں ایک چٹائی لیکر آیا جو کثرت استعمال کیوجہ سے سیاہ ہو چکی تھی، میں نے اس کو پانی سے دھویا، پھر اس چٹائی پر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کھڑے ہوئے اور میں اور (ایک) یتیم آپ کے پیچھے صف باندھ کر کھڑے ہوئے اور بڑھیا (ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا) ہمارے پیچھے تھیں۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہم کو دو رکعت نماز پڑھانے کے بعد تشریف لے گئے۔[1]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اس یتیم لڑکے کا نام ضمیر بن سعد الحمیری تھا اور بڑھیا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیم تھیں۔

صحیح بخاری و مسلم کی دیگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بعض اوقات فرض نماز کی جماعت بھی گھر میں کروائی ہے۔

اسی طرح تنہا یا باجماعت (دو یا تین مقتدیوں کے ساتھ) نوافل بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے گھر ہی میں ادا فرمائے ہیں۔

حدیث پاک میں نوافل اور سنتیں گھر میں ادا کرنے کا حکم آیا ہے:

"عن ابن عمر رضی الله تعالٰی عنهما، عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم قال: صلوا فی بيوتكم ولا تتخذوها قبورا"۔

---

[1] (صحیح مسلم: ج: ۱: ص: ۲۳۴)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے گھروں میں (نفل) نماز پڑھو اور ان کو قبرستان نہ بناؤ۔[1]

سنن موکدہ، غیر موکدہ اور نوافل گھر میں پڑھنا سنت بھی ہے اور باعث اجر وثواب بھی۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"فصلوا ایها الناس فی بیوتکم فان افضل الصلوٰۃ صلوٰۃ المرء فی بیته الا المکتوبة"۔

ترجمہ: اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو! بے شک آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرے، سوائے فرائض کے۔[2]

ایک اور حدیث شریف میں ہے:

"عن زید بن ثابت قال:قال رسول اللہ ﷺ۔صلٰوۃ المرء فی بیته افضل من صلٰوۃ فی مسجدی ھذا الا المکتوبة"۔

ترجمہ: حضرت بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بندے کیلئے (نفل) نماز اپنے گھر میں ادا کرنا میری اس مسجد میں ادا کرنے سے بھی افضل ہے، سوائے فرائض کے۔[3]

شیخ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"نوافل کو تنہائی اور پوشیدگی میں ادا کرنے کی اہمیت وفضیلت بتانے کیلئے حضورِ اکرم ﷺ نے بطورِ مبالغہ یوں ارشاد فرمایا ہے، اور آنحضرت ﷺ کی مسجد میں ایک نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے جو اس کے علاوہ دیگر مساجد میں ادا کی جائیں علاوہ مسجد الحرام کے۔ نفل اخلاص وللٰہیت کیلئے ہیں لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان میں نمائش کا پہلو نہ ہو اور لوگوں کی نظر سے چھپ کر ادا کئے جائیں اور فرائض کی بنیاد فروغِ دین اور شعائرِ اسلامی کے اظہار پر ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں علی الاعلان ادا کیا جائے"۔[4]

---

[1] (صحیح مسلم:ج:۱:ص:۲۶۵)

[2] (صحیح بخاری:ج:۱:ص:۱۰۱:مطبع کراچی)

[3] (رواہ ابوداود والترمذی مشکوۃ:ص:۱۱۵:فتاویٰ رضویہ:ص:۴۱۱)

[4] (مشکوۃ:ص:۱۱۵)

یہ ارشاد چونکہ تراویح کی چند شب ادائیگی کے موقع پر فرمایا گیا تھا، اس لئے بعض صحابۂ کرام، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک تراویح کی نماز بھی گھر میں پوشیدہ ادا کرنا افضل ہے۔ البتہ ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جمہور ائمہ کے نزدیک فضیلت باجماعت تراویح مسجد میں ادا کرنے میں ہی ہے۔[1]

مسئلہ: ایسے ہی یہ بات بھی لائقِ توجہ ہے کہ جن لوگوں کی سابقہ فرض نمازیں قضا ہو چکی ہوں ان کا نوافل میں مشغول ہونا درست نہیں۔ ایسے حضرات کو چاہئے کہ پہلے اپنی پچھلی فرض نمازیں ادا کریں، پھر نفلی نمازیں پڑھیں، کیونکہ فقہائے کرام فرماتے ہیں:

"نفل بغیر فرض کے دھوکہ ہے، اس کے قبول کی امید تو مفقود ہے جبکہ فرض کے ترک کا عذاب گردن پر موجود ہے"۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اے عزیز فرض خاص سلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ ونذرانہ، قرض ادا نہ کیا جائے اور اوپر اوپر سے بیکار تحفے بھیجے جائیں، تو کیا وہ قابلِ قبول ہونگے؟ خصوصًا اس شہنشاہ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہانوں سے بے نیاز ہے"۔

مزید نقل کرتے ہیں:

"جب خلیفۂ رسول اللہ ﷺ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نزع کا وقت ہوا تو آپ نے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر فرمایا: اے عمر! اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ کے کچھ کام دن میں ہیں کہ انہیں رات میں کرو تو قبول نہ فرمائے گا اور کچھ کام رات میں ہیں اگر انہیں دن میں کرو تو قبول نہیں ہوں گے اور خبردار رہو کہ کوئی نفل قبول نہیں ہوتا جب تک فرض ادا نہ کر لیا جائے"۔[2]

حضور پرنور سیدنا غوث الاعظم، مولائے اکرم حضرت شیخ محی الملۃ والدین ابو محمد عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب مستطاب فتوح الغیب شریف میں کیا کیا جگر شگاف مثالیں ایسے شخص کیلئے ارشاد فرمائی ہیں جو فرض چھوڑ کر نفل بجا لائے فرماتے ہیں:

"اس کی مثال ایسے ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ اپنی خدمت کیلئے بلائے، یہ وہاں تو حاضر نہ ہو اور بادشاہ کے غلام کی خدمت گاری میں لگا رہے"۔

---

[1] (اشعۃ اللمعات: حصہ: ۱: ص: ۵۴۶)

[2] (فتاوی رضویہ: ج: ۴: ص: ۴۳۷، ۴۳۶)

پھر حضرت امیر المؤمنین سیدنا مولیٰ علی المرتضی کرم اللہ وجہہ سے اس کی مثال نقل فرمائی کہ جناب ارشاد فرماتے ہیں:

"ایسے شخص کا حال اس عورت کی طرح ہے جسے حمل رہا، جب بچہ ہونے کے دن قریب آئے اسقاط ہو گیا اب نہ وہ حاملہ ہے نہ بچے والی"۔

حضرت علی المرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا فرمان بھی "فتوح الغیب" میں نقل کرتے ہیں:

"فان اشتغل بالسنن و النوافل قبل الفرائض لم یقبل منہ و اھین"۔

ترجمہ: یعنی اگر فرائض چھوڑ کر سنن و نوافل میں مشغول ہو گا تو وہ قبول نہیں ہوں گے الٹا وہ خوار کیا جائے گا۔

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

"جو چیز لازم و ضروری ہے اسے چھوڑ دینا اور غیر ضروری کا اہتمام کرنا عقل و شعور سے دور ہے، کیونکہ عقل مند شخص کی نظر میں تکلیف دہ چیز کو دور کرنا بہ نسبت نفع بخش چیز کے حصول کے زیادہ ضروری ہے بلکہ حقیقی نفع اسی صورت میں ممکن ہے"۔[1]

اسی سلسلہ میں حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر صدیقی سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت شیخ خواص کا فرمان ہے: "اللہ تعالیٰ نوافل کو اس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک کہ فرض ادا نہ کئے جائیں"

اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے بارے میں فرماتا ہے:

"تمہاری مثال اس بُرے بندے کی ہے جو قرض ادا کرنے سے پہلے ہدیہ پیش کرتا ہے"۔[2]

صلوٰۃ التسبیح کی فضیلت

صلوٰۃ التسبیح ایک نفلی عبادت ہے، جس کی فضیلت اور اجر و ثواب کا بیان حدیث شریف میں ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ: "يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ أَلَا أُعْطِيكَ، أَلَا أَمْنَحُكَ، أَلَا أَحْبُوكَ، أَلَا أَفْعَلُ لَكَ عَشْرَ خِصَالٍ، إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذَلِكَ غَفَرَ اللہُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَقَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ وَخَطَأَهُ وَعَمْدَهُ وَصَغِيرَهُ وَكَبِيرَهُ وَسِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ عَشْرُ خِصَالٍ: أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ، فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ قُلْتَ وَأَنْتَ قَائِمٌ، سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلہِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللہُ وَاللہُ أَكْبَرُ، خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً، ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُولُ، وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَهْوِي سَاجِدًا فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ

---

[1](فتاوی رضویہ: ج:۴: ص:۴۳۷)
[2](عوارف المعارف: مترجم: ص:۴۷۵)

السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا، فَذَلِکَ خَمْسَةٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ، تَفْعَلُ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ، إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ، فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً، فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي عُمُرِكَ مَرَّةً"۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا! اے عباس: اے چچا جان! کیا میں آپ کو عطا نہ کروں؟ کیا میں آپ کو نہ نوازوں؟ کیا میں آپ پر نوازشات نہ کروں؟ کیا میں آپ کو ایسی دس چیزوں سے آگاہ نہ کروں کہ جب آپ ان کو سر انجام دیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے اگلے پچھلے، نئے پرانے، دانستہ نادانستہ، چھوٹے بڑے، خفیہ اور اعلانیہ تمام گناہ معاف فرمادے۔ وہ دس امور یہ ہیں: کہ آپ چار رکعت نماز پڑھیں، جس کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی سورۃ پڑھیں، قراءت کے بعد پہلی رکعت کے قیام میں پندرہ بار۔۔۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھیں، پھر رکوع کریں اور دس بار ایسا ہی پڑھیں، پھر رکوع سے سر اٹھائیں اور دس بار یہی پڑھیں، پھر سجدے میں جھک جائیں اور حالتِ سجدہ میں ایسے ہی پڑھیں، یوں ایک رکعت میں پچھتر (۷۵) بار پڑھا جائے گا۔ چاروں رکعتوں میں اس طرح کریں۔ اگر ہو سکے تو یہ نماز ہر روز ایک بار پڑھیں اور اگر نہ ہو سکے تو ہر ہفتہ میں ایک بار اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینہ میں ایک بار اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو اپنی عمر میں ایک بار پڑھو۔[1]

جامع ترمذی میں درج ذیل الفاظ اس روایت میں زائد ہیں:

"لو کانت ذنوبک مثل رمل عالج غفرھا اللہ لک"۔

ترجمہ: اگر تمہارے گناہ ریت کے ذرّات جتنے بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ تمہارے ان گناہوں کو بخش دے گا۔ اسی طرح ترمذی میں "فی کل سنۃ" (ہر سال میں ایک مرتبہ) کے الفاظ بھی وارد ہیں۔

صلوٰۃ التسبیح کا طریقہ

امام ترمذی نے حضرت سیدنا عبد اللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صلوٰۃ التسبیح کی ادائیگی کا درج ذیل طریقہ روایت کیا ہے:

قال۔ یکبر ثم یقول سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک، ثم یقول خمس عشرۃ مرۃ۔۔۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ثم یتعوذ ویقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وفاتحۃ الکتاب وسورۃ، ثم یقول عشر مراۃ۔۔۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلَٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ۔

[1] (سنن ابن ماجہ: ج: ۱: ص: ۴۴۳: رقم: ۱۳۸۷: الجامع الترمذی عن ابی رافع: ج: ۱: ص: ۱۰۹: ابو داؤد: البیہقی: مشکوۃ: ص: ۱۱۷)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھ کر پندرہ بار سُبْحَانَ اللهِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ اللّٰهُ أَكْبَرُ پڑھے۔ پھر تعوذ اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورۃ فاتحہ پڑھے اور کوئی سورۃ تلاوت کرے۔ اس کے بعد دس بار تسبیح (تیسرا کلمہ) پڑھے۔ ایسے ہی آخر تک چار رکعتیں مکمل کرے۔[1]

ابن ابی رزمہ کہتے ہیں:

میں نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا اگر نمازی سے اس نماز میں سہو (غلطی) ہو جائے تو کیا وہ سجدہ سہو میں دس دس بار تسبیح پڑھے؟

"قال لا انما ھی ثلثمائۃ تسبیحۃ"۔

تو انہوں نے فرمایا: نہیں یہ نماز بس تین سو تسبیحات پر مشتمل ہے۔[2]

عظیم حنفی فقیہہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

"وھذہ الصفۃ التی ذکرھا ابن المبارک ھی التی ذکر فی مختصر البحر و ھی الموافقۃ لمذھبنا لعدم الاحتیاج فیھا الی جلسۃ الاستراحۃ اذھی مکروھۃ عندنا"۔

ترجمہ: حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد فرمودہ طریقہ وہی ہے جو مختصر البحر الرائق میں نقل کیا گیا ہے اور یہ ہمارے مذہب حنفی کے مطابق ہے کیونکہ اس میں جلسۂ استراحت کی حاجت باقی نہیں رہتی جو کہ ہمارے (یعنی احناف کے) نزدیک مکروہ ہے۔[3]

ترمذی شریف کے حاشیہ میں ہے:

"نمازی کو چاہئے کہ کبھی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کے مطابق عمل کرے اور کبھی عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فرمان پر عمل کرے اور اس نماز کو زوال کے بعد ظہر سے پہلے ادا کرے اور اس کی رکعتوں میں کبھی بالترتیب سورۃ زلزال، العادیات، سورۃ النصر اور سورۃ اخلاص پڑھے۔ اور کبھی سورۃ التکاثر، کافرون اور اخلاص تلاوت کرے۔ اور دعا تشہد کے بعد سلام پھیرنے سے پہلے پڑھے پھر سلام پھیر کر اپنی حاجات طلب کرے۔ ہمارے بیان کردہ یہ امور سنت سے ثابت ہیں"۔

احیاء العلوم میں ہے اگر **لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** کے الفاظ کا اضافہ کرے تو اچھا ہے۔

---

[1] (ترمذی:ص:۱۰۹)

[2](ترمذی:ج:۱:ص:۱۱۰)

[3](حلبی کبیر:ص:۴۳۲:مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس نماز کو جمعہ کے دن زوال کے بعد ادا کرتے تھے۔ متقدمین اور متاخرین کا اس حدیث کی صحت کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابن خزیمہ اور امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ محدثین کی ایک جماعت نے اسے حسن کہا ہے، امام عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں، یہ حدیث حسن درجہ کی ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں درج کر کے برا کیا ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی ہے، کہ وہ صلوٰۃ التسبیح کے آخر میں سلام پھیرنے سے پہلے یہ دعا پڑھتے تھے:

"اللّٰھم انی اسئلک توفیق اھل الھدی واعمال اھل الیقین ومناصحۃ اھل التوبۃ وعزم اھل الصبر حذر اھل الخشیۃ وطلب اھل الرغبۃ وتعبد اھل الوارع وعرفان اھل العلم حتیٰ اخافک۔ اللّٰھم انی اسئلک مخافۃ تحجزنی عن معاصیک حتی اعمل بطاعتک عملا استحق بہ الرضا وحتی اناصحک فی التوبۃ خوفا منک وحتی اخلص لک النصیحۃ حبّالک وحتی التوکل علیک فی الامور کلھا وحسن ظن بک سبحان خالق النور"۔[1]

مسئلہ: صلوٰۃ التسبیح دن کے وقت ادا کرنا مسنون اور باعث اجر وثواب ہے۔ آدھی رات کے وقت مسجد میں لاؤڈ اسپیکر کھول کر اعلانیہ اس نماز کو ادا کرنا نوافل کے روح کے منافی ہے۔ اور اگر اس سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچے تو سخت ناجائز اور ممنوع ہے۔

امام اہل سنت مولانا احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ فرماتے ہیں: "جہاں کوئی نماز پڑھتا ہو یا سوتا ہو کہ باآواز پڑھنے سے اس کی نماز یا نیند میں خلل آئے گا وہاں قرآن مجید و وظیفہ ایسی آواز سے پڑھنا منع ہے (حتیٰ کہ) مسجد میں جب اکیلا تھا اور باآواز پڑھ رہا تھا جس وقت کوئی شخص نماز کے لئے آئے فوراً آہستہ ہو جائے" **واللہ تعالیٰ اعلم**۔[2]

مسئلہ: شبینہ کہ ایک یا چند حافظ ملکر کرتے ہیں مکروہ ہے، اکابر نے ایک ایک رات میں برسوں ختم فرمایا ہے مگر وہ خالص اپنے لئے نہ کہ جماعت میں ہر قسم کے لوگ ہوں خصوصًا اکثر بلکہ شاید تمام وہی ہوں جو اسے بوجھ سمجھیں اور شرما شرمی میں شریک ہوں۔

حدیث صحیح میں ہے:

"اذاام احدکم فلیخفف"۔ (**واللہ تعالیٰ اعلم**) ترجمہ: جب تم میں سے کوئی امامت کروائے تو ہلکی نماز پڑھائے۔[3]

---

[1](حاشیۃ ترمذی: ص: ۱۱۰: اشعۃ اللمعات: ج: ۱: ص: ۵۵۱)

[2](فتاویٰ رضویہ جلد سوم: ص: ۲۱۹)

[3](فتاویٰ رضویہ جلد سوم: ص: ۵۰۳)

نوافل کی جماعت مکروہ ہے

نفل کے معنی اضافی اور زائد کے ہیں اصطلاحِ شرع میں فرائض وواجبات اور سنن موکدہ کے علاوہ دیگر عبادات کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ اذان اور جماعت چونکہ فرائض کے ساتھ خاص ہیں۔ اس لئے غیر فرض کو اعلان اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا شریعتِ اسلامیہ میں ناپسندیدہ عمل ہے۔ تراویح اور رمضان میں وتر کی جماعت اپنے مخصوص احکام کے باعث اس سے مستثنیٰ ہے۔

صلوٰۃ التسبیح اور دیگر تمام نفلی عبادات بجائے اعلان واشتہار کے تنہا خفیہ اور گھروں میں ادا کی جانی چاہئیں تاکہ ان کے اصل مقصود یعنی قربِ الٰہی کے حصول کی صورت میسر آسکے۔

ہمارے ائمہ احناف اور فقہائے عظام نے نوافل کی جماعت اور اس کیلئے اعلان واشتہار بازی کو "مکروہ تحریمی" قرار دیا ہے۔ بغیر دعوتِ اعلان کے دو یا تین افراد امام کے ساتھ اگر نوافل باجماعت پڑھ لیں تو جائز ہے۔

آیئے فقہائے کرام اور ائمہ ملت کے ارشادات کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لیتے ہیں:

الامام الحافظ المجتهد الربانی محمد بن حسن الشيبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"قلت وتری فی کسوف القمر صلٰوۃ؟ قال نعم الصلٰوۃ فيه حسنة۔ قلت فهل يصلون جماعة کما يصلون فی کسوف الشمس؟ قال۔ لا۔ قلت فهل تکره الصلٰوۃ فی التطوع جماعة ما خلا قيام رمضان وصلٰوۃ کسوف الشمس؟ قال۔ نعم۔ ولا ينبغی ان يصلی فی کسوف الشمس جماعة الا الامام الذی يصلی الجمعة فاما ان يصلی الناس فی مساجدهم جماعة فانی لا احب ذلک، وليصلوا وحدانا"۔

ترجمہ: میں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: کیا آپ کے نزدیک چاند گرہن کی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں۔ ایسے میں نماز پڑھنا اچھا ہے۔ میں نے پوچھا: کیا اسے سورج گرہن کی طرح جماعت سے پڑھا جائے؟ تو امام صاحب نے فرمایا نہیں۔ میں نے پوچھا: کیا آپ تراویح اور کسوف شمس (سورج گرہن) کے علاوہ نفل نمازوں کی جماعت کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ تو امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہاں اور مناسب نہیں کہ سورج گرہن کی نماز سوائے امام جمعہ کے کوئی اور پڑھائے مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اس نماز کو اپنی مساجد میں جماعت سے پڑھیں اور اگر ایسا ہو تو چاہئے کہ الگ الگ ادا کریں۔[1]

---

[1] (باب الصلٰوۃ الکسوف: ج: ۱: ص: ۴۴۳: مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ وحیدر آباد دکن: الهند)

اسی طرح نفل با جماعت ادا کرنے کے بارے میں مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: ”مذہبِ حنفی میں نفل نماز جماعت کے ساتھ اہتمام کر کے اور لوگوں کو دعوت دے کر پڑھنا مکروہ ہے“۔[1]

البنایۃ فی شرح الھدایۃ:

صاحب البنایۃ لکھتے ہیں:

صلٰوۃ النفل بالجماعۃ مکروھۃ ماخلا قیام رمضان و صلٰوۃ الکسوف۔

ترجمہ: نفل جماعت کے ساتھ رمضان شریف کے علاوہ اور صلٰوۃ کسوف کے علاوہ باقی سب مکروہ ہیں۔

ردالمحتار علی الدر المختار: حاشیہ ابن عابدین:

”ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعۃ خارج رمضان۔ ای یکرہ ذلک لو علی سبیل التداعی و ان کان علی سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ“۔

ترجمہ: یعنی وتر اور نفل کی جماعت رمضان شریف کے علاوہ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے اور اگر ہمیشگی کے ساتھ ہو تو بدعت مکروہ ہے۔

وفی الاشباہ عن البزازیۃ:

”یکرہ الاقتداء فی صلٰوۃ رغائب۔ ھی التی فی رجب فی اول لیلتی جمعۃ منہ۔ وبراءۃ۔ ھی لیلۃ النصف من شعبان۔ وقدر الظاھر ان المراد بھا لیلۃ السابع والعشرین من رمضان“۔

ترجمہ: اور اشباہ نے بزازیہ سے نقل کیا ہے کہ صلٰوۃ الرغائب وبراءۃ وقدر میں اقتدا مکروہ ہے یعنی ان کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے۔[2]

۱۷۲۳: ”ولا یصلی تطوعًا بجماعۃ الا قیام رمضان لما روی عن رسول اللہ ﷺ ان قال: صلٰوۃ المرء فی بیتہ افضل من صلٰوتہ فی المسجد الا المکتوبۃ (مشکوٰۃ: ص: ۱۱۴) ولو جاز اداء النافلۃ بالجماعۃ لکان اداء ھا فی المسجد افضل کما فی المکتوبۃ ولان الجماعۃ لاظھار الشعائر فیختص بالمکتوبات“۔

۱۷۲۴: ”وحکی عن الشیخ الامام الاجل شمس الائمۃ السرخسی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما اذا اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ و اذا اقتدی ثلاثۃ بواحد ذکر ھو رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ ان فیہ اختلاف المشائخ قال بعضھم یکرہ و قال بعضھم لا یکرہ و اذا اقتدی اربعۃ بواحد یکرہ بلا خلاف“۔

---

[1] (وقار الفتاویٰ: ج: ۲: ص: ۲۲۶)

[2] (المحیط البرھانی: ج: ۲ ص: ۲۶۴: ۲۵۰) تالیف الامام برھان الدین ابی المعالی محمود بن صدر الشریعۃ ابن مازہ البخاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ: ۵۵۱ھ ۶۱۶ھ

ترجمہ: نماز نفل جماعت کے ساتھ ادا نہ کئے جائیں سوائے رمضان کے (مراد اس سے تراویح ہے نہ کہ دوسرے نوافل) اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بندے کیلئے (نفل) نماز اپنے گھر میں ادا کرنا میری اس مسجد میں ادا کرنے سے بھی افضل ہے سوائے فرائض کے۔ اگر نفل کی جماعت جائز ہوتی تو اس کا ادا کرنا مسجد میں افضل ہوتا۔ جیسے کہ فرائض میں۔ اس لئے کہ جماعت شعائر کے اظہار کیلئے ہے اور یہ شعائر اسلام خاص ہیں فرضوں کے ساتھ اور شمس الائمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ نفل با جماعت مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو۔ اگر ایک کے پیچھے ایک یا ایک کے پیچھے دو کا اقتداء ہو تو مکروہ نہیں اگر ایک کے پیچھے تین ہوں تو شمس الائمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں مشائخ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ مکروہ ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں ہے۔ اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو سب کے نزدیک مکروہ ہے بلا خلاف۔

"النفل بالجماعة بما شاؤ و ایکرہ"۔

ترجمہ: یعنی نفل نماز جماعت کے ساتھ جیسے بھی ہو مکروہ ہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس حدیث شریف کی شرح میں لکھتے ہیں نوافل کو تنہائی اور پوشیدگی میں ادا کرنے کی اہمیت و فضیلت بتانے کیلئے حضور اکرم ﷺ نے بطور مبالغہ یوں ارشاد فرمایا ہے اور حضور اکرم ﷺ کی مسجد میں ایک نماز پڑھنا ایک ہزار نماز کے برابر ہے۔ جو اس کے علاوہ دیگر مساجد میں ادا کی جائے علاوہ مسجد الحرام کے۔ اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نوافل کی مشروعیت چونکہ قربِ الٰہی کے حصول اور اظہارِ اخلاص وللّٰہیت کیلئے ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان میں نمائش کا پہلو نہ ہو۔ اور لوگوں کی نظر سے چھپ کر ادا کئے جائیں اور فرائض کی بنیاد فروغِ دین اور شعائرِ اسلامی کے اظہار پر ہے لہٰذا ضروری ہے کہ انہیں علی الاعلان ادا کیا جائے۔[1]

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ

صلٰوۃ النافلۃ فی المنزل افضل لقول علیہ الصلٰوۃ و السلام: "صلوا ایھا الناس فی بیوتکم فان افضل الصلٰوۃ صلٰوۃ المرء فی بیتہ الا المکتوبۃ" (رواہ البخاری و مسلم و یستثنی النافلۃ التی شرعت لھا الجماعۃ کالتراویح)۔

ترجمہ: نفل نماز گھر میں پڑھنا افضل ہے حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اے لوگو! اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ بیشک آدمی کی بہترین نماز وہ ہے جسے وہ اپنے گھر میں ادا کرے سوائے فرائض کے اور اس سے مستثنیٰ ہے وہ نوافل جس کیلئے جماعت شروع کی گی ہے۔ جیسے کہ تراویح۔[2]

---

[1] (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ شریف: ج: ۱ ص: ۵۸۴)

[2] (تالیف عبد الرحمٰن الجزیری: الجزء الاول: ص: ۳۳۸)

شرح الیاس میں ہے

شمس الائمہ فرماتے ہیں:

"التطوع بالجماعة انما یکرہ علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد واثنان بواحد لا یکرہ فان اقتدی ثلاث بواحد اختلف فیه وان اقتدی اربعة بواحد کرہ اتفاقًا"۔

ترجمہ: یہ مبارک فرماتے ہیں نفل جماعت اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے اگر ایک کے پیچھے ایک یا ایک کے پیچھے دو اقتدا کریں تو مکروہ نہیں ہے۔ اگر ایک کے پیچھے تین ہوں تو اس میں اختلاف ہے اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو اتفاقاً مکروہ ہے۔[1]

الفتاوی الوالوالجیہ میں ہے

الامام الفقیہ ابی الفتح ظہیر الدین عبد الرشید بن ابی حنیفہ ابن عبد الرزاق الوالوجی لکھتے ہیں:

"وصلٰوۃ التطوع بالجماعة لیست بمستحبة"۔

ترجمہ: نفل نماز باجماعت مستحب نہیں۔[2]

منیۃ المصلی مع التعلیق المجلی میں ہے:

"والجماعة فی النفل فی غیر رمضان مکروہ فالاحتیاط ترکھا"۔

رمضان شریف کے علاوہ نفل باجماعت مکروہ ہے احتیاط اس میں ہے کہ نفل باجماعت ادا نہ کئے جائیں۔[3]

المبسوط لشمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

شمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"والاصل فی التطوع اداءھا فرادی"۔

ترجمہ: یعنی اصل نفل نماز تنہا پڑھنا ہے۔[4]

"والاصل فی التطوعات ترک الجماعة فیھا ما خلا قیام رمضان لاتفاق الصحابة علیه وکسوف الشمس لورود الاثر به الا تری ان ما یؤدی بالجماعة من الصلٰوۃ یؤذن لھا ویقام ولا یؤذن للتطوعات ولا یقام فدل انھا لا تودی بالجماعة"۔

---

1 (شرح الیاس ص:۷۳:طبع بمطبع فتح الکریم الواقع فی البمبئی)

2 (الفتاوی الوالوالجیة:ج:۱:ص:۱۱۷)

3 (منیۃ المصلی مع التعلیق المجلی، للفقیہ المحدث العلامۃ وصی احمد السورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ:ص:۴۰۶:حاشیہ:۳)

4 (المبسوط للسرخسی، ج:۱:ص۷۵، باب صلٰوۃ الکسوف، مکتبہ دار الفکر)

نوافل کی جماعت مکروہ ہے

ترجمہ: نوافل کی اصل یہ ہے کہ اس میں جماعت کو ترک کیا جائے سوائے تراویح کی نماز کے کیونکہ اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا اتفاق ہے اور نماز کسوف (سورج گرہن) کیونکہ اس کے بارے میں اقوال صحابہ وارد ہوئے ہیں۔ آیا تم نہیں دیکھتے کہ نماز باجماعت کیلئے اذان اور اقامت کہی جاتی ہے اور حال یہ ہے کہ نفل کیلئے اذان اور اقامت نہیں کہی جاتی۔ تو یہ بات دلالت کرتی ہے اس پر کہ نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا نہ کی جائے۔[1]

شمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"ولنا ان الاصل فی النوافل الاخفاء فیجب صیانتھا عن الاشتھار ما امکن وفیما قالہ الخصم اشھار فلا یعمل بہ بخلاف الفرائض لان مبناھا علی الاعلان والاشھار وفی الجماعۃ اشھار فکان احق یوضح ما قلنا ان الجماعۃ لو کانت مستحبۃ فی حق النوافل لفعلہ المجتھدون القائمون باللیل لان کل صلٰوۃ جوزت علی وجد الانفراد وبالجماعۃ کانت الجماعۃ فیھا افضل ولم ینقل اداؤھا بالجماعۃ فی عصرہ ﷺ ولا فی زمن الصحابۃ رضوان اللہ تعالٰی علیھم اجمعین ولا فی زمن غیرھم من التابعین فالقول بھا مخالف للامۃ اجمع وھٰذا باطل"۔

ترجمہ: ہمارا موقف یہ ہے کہ نوافل کی بنیاد اخفا (پوشیدگی) پر ہے لہٰذا اس کو اظہار واشتہار سے ہر ممکن طور پر بچانا واجب ہے اور وہ جو قول مخالف اس بارے میں اظہار کا ہے اس پر عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں فرائض کی مخالفت ہے کیونکہ فرائض کی بنیاد اعلان واظہار پر ہے اور جماعت میں اظہار کا پہلو ہے اور فرائض اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ ہماری بات سے واضح ہوا کہ اگر جماعت کی نماز مستحب ہوتی تو شب زندہ دار مجتہدین اس کا اہتمام کرتے۔ کیونکہ ہر وہ نماز جس میں جماعت اور انفرادیت دونوں جائز ہوں تو اسے جماعت سے ادا کرنا زیادہ افضل ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی روایت نہیں جس سے ثابت ہوتا ہو کہ حضور ﷺ کے زمانہ مبارکہ میں اس نماز کو باجماعت ادا کیا گیا ہو نہ ہی صحابہ کرام اور ان کے علاوہ تابعین کے عہد میں ایسا ہوا ہو لہٰذا نوافل کی جماعت اجماعِ امت کے خلاف ہونے کے باعث باطل ہے۔[2]

الشیخ الاجل والامام الاکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبد الرشید البخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"ولو زاد علی العشرین بالجماعۃ یکرہ عندنا بناء علی ان صلٰوۃ التطوع بالجماعۃ مکروہ"۔

ترجمہ: اگر نماز تراویح باجماعت ادا کرنے کے ساتھ اگر بیس سے زیادہ ہو جائے تو یہ مکروہ ہے یہ بات بناء ہے اس پر کہ نفل نماز باجماعت مکروہ ہے۔[3]

---

[1] (المبسوط للسرخسی، ج: ۱: ص ۷۶، باب صلٰوۃ الکسوف، مکتبہ دار الفکر)

[2] (المبسوط للسرخسی، ج: ۲: ص ۱۴۴، کتاب التراویح، الفصل الاول فی عدد الرکعات، مکتبہ دار الفکر)

[3] (خلاصۃ الفتاوی: ج: ۱: ص ۶۳، الفصل الثالث فی التراویح)

”ولا یصلی التطوع بجماعة الا فی شهر رمضان وعن شمس الائمة السرخسی رحمة اللہ تعالٰی علیه ان التطوع بالجماعة انما یکره اذا کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحدًا و اثنان بواحد یکره و اذا اقتدی ثلثة بواحد اختلف فیه و ان اقتدی اربعة بواحد کره اتفاقا الاقتداء فی الوتر خارج رمضان یکره و ذکر القدوری لا یکره و اصل ھٰذا ان التطوع بالجماعة اذا کان علی سبیل التداعی یکره فی الاصل للصدر الشهید رحمة اللہ تعالٰی علیه اما اذا صلوا بجماعة بغیر اذان و اقامة فی ناحیة المسجد لا یکره وقال شمس الائمة الحلوانی رحمة اللہ تعالٰی علیه ان کان سوی الامام ثلاثة لا یکره بالاتفاق وفی الاربع اختلف المشائخ“۔

ترجمہ: نماز نفل سوائے رمضان (تراویح) کے باجماعت ادانہ کیا جائے۔ امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے منقول ہے کہ نوافل کی جماعت اگر اعلان واشتہار سے ہو تو مکروہ ہے البتہ ایک یا دو مقتدی اگر ایک شخص کے پیچھے پڑھیں تو مکروہ نہیں اور اگر تین افراد ایک کی اقتدا کریں تو اس میں اختلاف ہے اور اگر چار افراد ایک امام کے پیچھے پڑھیں تو بالاتفاق مکروہ ہے۔[1]

رمضان المبارک کے علاوہ وتر کی جماعت بھی مکروہ ہے

امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ مکروہ نہیں اس کی اصل یہ ہے کہ نوافل کی جماعت اگر تداعی اعلان واشتہار سے ہو تو مکروہ ہے۔ ”کتاب الاصل لصدر الشہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ“ میں ہے البتہ اگر بغیر اذان واقامت اعلان واشتہار کے مسجد کے کونے میں جماعت سے پڑھے تو مکروہ نہیں۔

امام شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں اگر امام کے علاوہ تین افراد ہوں تو بالاتفاق مکروہ نہیں اور چار میں مشائخ کا اختلاف ہے۔

کتاب الاصل المعروف بالمبسوط

الحافظ المجتہد الربانی ابی عبد اللہ محمد بن الحسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

”قلت: وتری فی کسوف القمر صلٰوة؟ قال نعم الصلٰوة فیه حسنة قلت فهل یصلون جماعة کما یصلون فی کسوف الشمس؟ قال لا قلت فهل تکره الصلٰوة فی التطوع جماعة ما خلا قیام رمضان و صلٰوة کسوف الشمس؟ قال نعم ولا ینبغی ان یصلی فی کسوف الشمس جماعة الا الامام الذی یصلی الجمعة، فاما ان یصلی الناس فی مساجدهم جماعة فانی لا احب ذلک، ولیصلوا وحدانا“۔

ترجمہ: میں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا! کیا آپ کے نزدیک چاند گرہن کی نماز ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں! ایسے میں نماز پڑھنا اچھا ہے۔ میں نے پوچھا کیا اسے سورج گرہن کی نماز کی طرح جماعت سے پڑھا جائے؟

---

[1] (خلاصة الفتاوی: ج: ۱: ص ۱۵۳، الفصل الخامس عشرة فی الامامة والاقتداء)

توامام صاحب نے فرمایا: نہیں! میں نے پوچھا۔ کیا آپ تراویح اور کسوف شمس (سورج گرہن) کے علاوہ نفل نمازوں کی جماعت کو مکروہ سمجھتے ہیں؟ توامام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہاں! اور مناسب نہیں کہ سورج گرہن کی نماز سوائے امام جمعہ کے کوئی اور پڑھائے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ لوگ اس نماز کو اپنی مساجد میں جماعت سے پڑھیں اور اگر ایسا ہو تو چاہئے کہ الگ الگ ادا کریں۔[1]

الامام علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الملقب بملک العلماء فرائض ونوافل کے مابین فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ومنها ان الجماعة فی التطوع لیست بسنة الا فی قیام رمضان وفی الفرض واجبة او سنة مؤکدة لقول النبی ﷺ صلوٰة المرء فی بیته افضل من صلوٰته فی مسجده الا المکتوبة وروی ان النبی ﷺ کان یصلی رکعتی الفجر فی بیته ثم یخرج الی المسجد ولان الجماعة من شعائر الاسلام وذلک مختص بالفرائض او الواجبات دون التطوعات وانما عرفنا الجماعة سنة فی التراویح بفعل رسول اللہ ﷺ واجماع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنهم اجمعین"۔

ترجمہ: ایک اور فرق یہ ہے کہ نفل نماز سوائے رمضان المبارک کے دوسرے ایام میں باجماعت ادا کرنا جائز نہیں ہے جبکہ فرض نمازوں میں جماعت واجب ہے یا سنت مؤکدہ۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: فرض نمازوں کے سوا باقی تمام نمازیں مرد کیلئے گھر میں ادا کرنا مسجد میں ادا کرنے سے افضل ہے۔ نیز مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نماز فجر کی دو رکعات اپنے گھر میں ادا فرماتے تھے پھر آپ مسجد کی طرف نکلتے تھے علاوہ ازیں اس لئے بھی کہ جماعت شعائرِ اسلام میں سے ہے۔ لہٰذا وہ فرائض یا واجبات کے ساتھ مخصوص ہوگی نہ کہ نوافل کے ساتھ اور نماز تراویح کا باجماعت ادا کرنا مسنون ہے تو وہ اس لئے کہ اسے جماعت سے پڑھنے کا طریقہ ہمیں حضور اکرم ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اجماع سے معلوم ہوا ہے۔[2]

امام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی کی شرح کے حاشیہ میں ہے:

"ان نفس التراویح سنة واداؤها بجماعة مستحب قال فی البدائع اذا صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوها ثانیا یصلون فرادی لا بجماعة لان الثانیة تطوع مطلق والتطوع المطلق بجماعة مکروه"۔

---

[1] (المبسوط، ج:۱ ص:۴۴۳، باب الصلوٰة الکسوف)

[2] (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع تالیف، ج:۱ ص:۲۹۸، الناشر: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی)

ترجمہ: تراویح بذات خود سنت ہے اور اسے با جماعت ادا کرنا مستحب ہے۔ صاحب بدائع الصنائع کہتے ہیں: جب تراویح کی نماز ادا کر چکیں اور پھر دوبارہ پڑھنا چاہیں تو انفرادی طور پر ادا کریں نہ کہ با جماعت کیونکہ دوسری بار پڑھنا نفل مطلق ہے اور نوافل مطلق کو باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔[1]

امام عبد الرحمٰن بن شیخ محمد المدعو بشیخ زادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں لکھتے ہیں:

"(ویوتر) ای یصلی الوتر (بجماعۃ فی رمضان فقط) لانعقاد الاجماع علیہ کمافی الھدایۃ وفیہ اشارۃ الی انہ لا یوتر بجماعۃ فی غیر شھر رمضان لانہ نفل من وجہ والجماعۃ فی النفل فی غیر رمضان مکروہ"۔

ترجمہ: یعنی وتر کی نماز صرف رمضان میں باجماعت ادا کریں کیونکہ اس پر اجماع واقع ہو چکا ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ رمضان کے علاوہ وتر جماعت سے نہ پڑھیں کیونکہ یہ ایک اعتبار سے نفل ہے اور نفل کی جماعت رمضان (تراویح) کے علاوہ مکروہ ہے۔[2]

الفتاوی الغیاثیۃ

حجۃ الاسلام الامام الکبیر مولانا الشیخ داؤد ابن یوسف الخطیب علی مذھب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان ابن ثابت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما لکھتے ہیں:

"ان التطوع بجماعۃ خارج رمضان انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی والتجمع اما اذا اقتدی واحدًا او اثنان لایکرہ وفی الثالث اختلاف وفی الرابع یکرہ بلاخلاف"۔

ترجمہ: یعنی نفل نماز باجماعت رمضان شریف کے علاوہ ادا کرنا مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو یعنی ایک کے پیچھے دو اقتدا کریں تو کراہیت نہیں، تین میں اختلاف ہے اور اگر ایک کے پیچھے چار اقتدا کریں تو اتفاقی طور پر مکروہ ہے۔[3]

قطب الارشاد

مولانا قطب الارشاد الحاج فقیر اللہ بن عبد الرحمٰن الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"ان النفل بالجماعۃ علی سبیل التداعی مکروہ ماعدی التراویح وصلوٰۃ الکسوف والاستسقاء فعلم ان کل من صلوٰۃ الرغائب لیلۃ اول جمعۃ من رجب وصلوٰۃ البراءۃ لیلۃ النصف من شعبان وصلوٰۃ القدر لیلۃ السابع والعشرین من رمضان بالجماعۃ بدعۃ مکروھۃ"۔

---

1 (حاشیۃ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ص:۱۷۸)

2 (فتاوی مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر: ج:۱: ص:۱۳۷۔دار الاشاعت العربیۃ)

3 (الفتاوی الغیاثیۃ، ص:۳۷)

ترجمہ: نفل جماعت کے ساتھ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے ماسوا نماز تراویح اور صلوٰۃ کسوف اور استسقاء کے۔ صلوٰۃ رغائب، صلوٰۃ براءۃ جماعت کے ساتھ ادا کرنا بدعت اور مکروہ ہے۔[1]

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح

فقیہ جلیل علامہ السید احمد طحطاوی الحنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"والجماعۃ فی النفل فی غیر التراویح مکروھۃ فالاحتیاط ترکھا فی الوتر خارج رمضان"۔

ترجمہ: تراویح کے علاوہ نوافل کی جماعت مکروہ ہے رمضان کے علاوہ وتر کی جماعت بھی احتیاطاً نہیں کرنی چاہئے۔[2]

الاشباہ والنظائر

علامہ امام زین الدین ابن نجیم حنفی مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"یکرہ الاقتداء فی صلٰوۃ الرغائب و صلٰوۃ البراءۃ و لیلۃ القدر الا اذا قال نذرت کذا رکعۃ بھذا الامام بالجماعۃ" (کذافی البزازیہ)۔

ترجمہ: رجب، شبِ برات اور لیلۃ القدر کی نفل نمازیں جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے سوائے اس کے کہ کسی امام کی اقتدا میں کچھ رکعتیں پڑھنے کی نذر مان کر کہے کہ میں اس امام کے پیچھے اتنی رکعت پڑھونگا۔ فتاوی بزازیہ میں ایسا ہی ہے۔[3]

ذخیرۃ العقبٰی میں ہے

کتاب الصلوٰۃ میں فرماتے ہیں:

"ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی اما لو اقتدی واحد بواحد او اثنان بواحد لا یکرہ و اذا اقتدی ثلاثۃ بواحد اختلف فیہ و ان اقتدی اربعۃ بواحد کرہ اتفاقًا" (کذافی الکافی)۔

ترجمہ: نفل جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اگر ایک کے پیچھے ایک یا دو اقتدا کریں تو کراہیت نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بالاتفاق مکروہ ہے۔[4]

فتاویٰ عالمگیری جو کہ فقہ حنفی کی نہایت اہم کتاب ہے اس میں تحریر ہے کہ:

"التطوع بالجماعۃ اذا کان علی سبیل التداعی یکرہ"۔

---

1 (قطب الارشاد، ص:۲۷۸)

2 (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح: ص:۲۱۱)

3 (الاشباہ و النظائر: ص:۸٦)

4 (ذخیرۃ العقبی فی شرح صدر الشریعۃ العظمی: ص ۹۵، المطبع الرفیع المغربي المنشي نول کشور)

ترجمہ: نوافل کی جماعت اگر دعوت واعلان کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔[1]

فتاوی سراجیہ میں ہے:

"یکرہ التطوع بالجماعۃ ماخلا التراویح وصلٰوۃ الکسوف"۔

ترجمہ: نفل نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے بخلاف نماز تراویح اور سورج گرہن کی نماز کے کہ اسے باجماعت ادا کرنا مکروہ نہیں۔[2]

علامہ امام ابراہیم حلبی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقمطراز ہیں:

"واعلم: ان النفل بالجماعة علی سبیل التداعی مکروہ علی ما تقدم ما عدا التراویح وصلٰوۃ الکسوف والاستسقاء فعلم ان کلا من صلٰوۃ الرغائب لیلة اول جمعة من رجب وصلٰوۃ البراءۃ لیلة النصف من شعبان وصلٰوۃ القدر لیلة السابع والعشرین من رمضان بالجماعة بدعة مکروھة قال حافظ الدین البزازی: ان شرعا فی نفل فافسداہ واقتدی احدھما بالاخر فی القضاء لا یجوز لاختلاف السبب وکذا اقتدی الناذر بالناذر لا یجوز وعن ھٰذا کرہ الاقتداء فی صلٰوۃ الرغائب وصلٰوۃ البراءۃ ولیلة القدر ولو بعد النذر الا اذا قال نذرت کذا رکعة بھٰذا الامام بالجماعة لعدم امکان الخروج عن العھدۃ الا بالجماعة ولا ینبغی ان یتکلف لالتزام مالم یکن فی الصدر الاول کل ھٰذا التکلف لاقامة امر مکروہ وھو اداء النفل بالجماعة علی سبیل التداعی"۔

ترجمہ: جان لو! نفل کی جماعت اعلان واشتہار کے ساتھ مکروہ ہے جیسا کہ پہلے بیان ہوا ماسوائے تراویح نماز کسوف اور استسقاء کی نماز کے معلوم ہوا کہ صلٰوۃ الرغائب (رجب کے پہلے جمعہ کی رات کی نماز) اور صلٰوۃ البراءۃ نصف شعبان کی رات اور شبِ قدر یعنی ستائیس رمضان کی رات والی نمازوں کو جماعت سے ادا کرنا ناپسندیدہ بدعت ہے۔ حضرت حافظ الدین البزازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اگر دو افراد نفل شروع کریں اور وہ فاسد ہو جائیں پھر دونوں نوافل کی ادائیگی کیلئے ایک دوسرے کی اقتدا کریں تو یہ اسباب (فساد) کے مختلف ہونے کیوجہ سے جائز نہیں۔ ایسے ہی دو نذر (منت) ماننے والوں کی جماعت جائز نہیں۔ (**علیٰ ھٰذا القیاس**) اسی کلیہ کے تحت رجب شعبان اور لیلۃ القدر (رمضان) کی نمازیں باجماعت جائز نہیں ہیں اگرچہ نذر (منت) ہی کیوں نہ مانی گئی ہو، سوائے اس کے کہ کسی نے یوں کہا:

میں نذر مانتا ہوں کہ فلاں امام کے پیچھے باجماعت اتنی رکعتیں پڑھونگا یہ اس لئے کہ وہ بغیر جماعت میں شمولیت کے ذمہ داری سے عہدہ برا نہیں ہو سکتا۔ یہ مناسب نہیں کہ ایک ایسے عمل کے لئے اتنا اہتمام والتزام کیا جائے جو ابتداء اسلام میں موجود نہیں تھا۔ یہ سارا اہتمام ایک مکروہ عمل کیلئے ہوتا ہے اور وہ ہے نوافل کو اعلان واشتہار کے ساتھ باجماعت ادا کرنا۔

---

[1] (فتاوی عالمگیری: ج: ۱ : ص: ۸۳ مکتبہ ماجدیہ، عید گاہ طوغی روڈ، کوئٹہ)

[2] (فتاوی سراجیہ، کتاب الصلوٰۃ، ص ۱۵، باب الصلوٰۃ بالجماعۃ)

امام حلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مسئلہ کی نذاکت کے پیشِ نظر انتہائی اہم اور فیصلہ کن بات ارشاد فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فلو ترک امثال ھٰذہ الصلٰوت تارک لیعلم الناس انہ لیس من الشعائر احسن۔ انتھی"۔

ترجمہ: اگر کوئی (ذمہ دار) شخص ایسی نفل نمازوں کو بطورِ تعلیم ترک کرے تاکہ لوگ جان لیں کہ یہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہیں تو یہ بہت اچھا ہے۔[1]

میں خاتم المفسرین حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"جماعت در نفل مکروہ است۔۔۔ وسوائے رمضان وتر بجماعت مکروہ است"۔

ترجمہ: نماز نفل کی جماعت مکروہ ہے۔۔۔ رمضان کے علاوہ وتر بھی جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے۔[2]

علامہ بحر العلوم انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"والاصل فی النوافل ان لا یصلی بجماعۃ"۔

ترجمہ: نوافل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انہیں باجماعت ادا نہ کیا جائے۔[3]

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

ہمارے آئمہ کرام کے نزدیک نوافل کی جماعت بالتداعی مکروہ ہے۔[4]

الشیخ محمد انور الکشمیری الدیوبندی لکھتے ہیں:

"قال الفقھاء ان الجماعۃ فی النوافل مکروھۃ الا فی رمضان ولم یفھم مرادھم بعض الاغبیاء فحملہ علی جواز الجماعۃ فی النفل المطلق فی رمضان مع ان مرادھم التراویح لا غیر"۔

ترجمہ: فقہائے کرام نے فرمایا کہ نفل باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے سوائے رمضان کے لیکن بعض بے عقل لوگوں نے اس بات کو محمول کیا ہے اس پر نفل باجماعت مطلق رمضان میں جائز ہے حالانکہ مراد اس سے تراویح ہے نہ کہ غیر۔[5]

الفتاوی السعیدیۃ فی الفروع الحنفیۃ میں ہے:

"ان التطوع بالجماعۃ انما یکرہ اذا کان علی سبیل التداعی۔"

ترجمہ: نفل نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا مکروہ ہے اگر تداعی کے ساتھ ہو۔

---

1 (حلبی کبیر: ص: ۴۳۳: ۴۳۲:)

2 (مالابدمنہ: ص: ۶۹:)

3 (رسائل الارکان: ص: ۱۴۲:)

4 (فتاوی رضویہ: ج: ۳: ص: ۴۸۰:)

5 (فیض الباری، ج: ۲: ص: ۴۳۲)

اسی طرح نماز تہجد کے بارے میں فرماتے ہیں:

جماعت در نماز تہجد بتداعی مکروہ است۔ وبغیر تداعی کہ اتفاقاً یک دو کس یا سہ کس اقتدائے تہجد نمائید مکروہ نیست۔

التداعی بان یقتدی اربعۃ واحدٍ۔

ترجمہ: نماز تہجد کے جماعت تداعی کے ساتھ مکروہ ہے اگر بغیر تداعی کا ہو ایک آدمی یا دو یا تین کی اقتدا میں تو مکروہ نہیں۔ تداعی ایک کے پیچھے چار کہلاتا ہے۔[1]

حضرت علامہ مخدوم عبد الواحد سیوستانی سندھی لکھتے ہیں:

"**الظاھر ان الصلوٰۃ بالجماعۃ فی النوافل مکروھۃ**"۔

ترجمہ: ظاہر یہ کہ نفل با جماعت مکروہ ہے۔[2]

حضرت مجدد منور الف ثانی الشیخ احمد سرہندی قدس سرہ مکتوب لکھتے ہیں:

(بسید امین سارنکپوری صدور یافتہ در منع از ادائے صلوٰۃ نوافل با جماعت مانند نماز عاشورہ وشبِ قدر وشبِ برأت وغیرھا ومایناسب ذلک)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"**الحمد للہ الذی شرّفنا بمتابعۃ سید المرسلین وجنّبنا عن ارتکاب المبتدعات فی الدین والصلوٰۃ والسلام علیٰ من قمع بنیان الضلالۃ ورفع اعلام الھدایۃ وعلیٰ آلہ الابرار وصحبہ الاخیار!** باید دانست کہ اکثر مردم از خواص وعوام درین زمان در ادائے نوافل اہتمام تمام دارند ودر مکتوبات مساہلات مینمایند ومراعات سنن ومستحبات را درآنہا کمتر میکنند نوافل را عزیز میدارند وفرائض را ذلیل وخوار کم است کہ فرائض را در اوقاتِ مستحبہ ادا نمایند ودر تکثیر جماعتِ مسنونہ بلکہ در نفس جماعۃ تقیُّدے ندارند وبتکاسل وتساہل اداء نفس فرائض را غنیمت می شمارند وروزِ عاشورا وشبِ برأت وشبِ بست ہفتم ماہِ رجب واولِ شبِ جمعہ از ماہِ مذکور کہ آن را لیلۃ الرغائب نام نہادہ اند کمال اہتمام را مرعی داشتہ بجمعیت تمام نوافل را بجماعت میگذارند وآنرا نیک ومستحسن مے پندارند ونمیدانند کہ این از تسویلاتِ شیطان است کہ سیئات را بصورتِ حسنات مینماید شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی در حاشیۂ شرح وقایہ

---

[1] (الفتاوی السعیدیۃ فی الفروع الحنفیۃ: ص: ۱۷، مکتبہ قاسمیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

[2] (فتاوی واحدی المعروف بیاض واحدی: ص: ۱۸۵)

میفرماید کہ تطوع بجماعت وترکِ فرض بجماعت از حبائل شیطانست بدانکہ نوافل را بجمعیتِ تمام گذاردن از بدعتہائے مذمومہ ومکروہ است از ان بدعتہا است کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا درشانِ آن فرمودہ است ''من احدث فی دیننا ہٰذا فھو رد'' بدانکہ اداء نوافل بجماعت در بعضی روایات فقہیہ مطلقاً مکروہ است ودر بعضے دیگر کراہت مشروط بتداعی وتجمع است پس اگر بے تداعی یکدو کس در ناحیہ مسجد نفل را بجماعت گذارند روا باشد بے کراہت ودر سہ کس اختلافِ مشائخ است ودر چہار کس باتفاق مکروہ است در بعضی روایات ودر بعضے دیگر اصح آنست کہ مکروہ است ''فی الفتاوی السراجیة: کرہ التطوع بالجماعة بخلاف التراویح وصلٰوة الکسوف''۔

''وفی الفتاوی الغیاثیة: قال الشیخ الامام السرخسی رحمہ اللہ سبحانہ التطوع بجماعة خارج رمضان انما یکرہ اذا کان علٰی سبیل التداعی اما اذا اقتدی واحد او اثنان لا یکرہ وفی الثلٰث اختلاف وفی الاربع یکرہ بلا خلاف وذکر فی الخلاصة التطوع بالجماعة اذا کان علٰی سبیل التداعی یکرہ اما اذا صلّوا بجماعة بغیر اذان واقامة فی ناحیة المسجد لا یکرہ'' ''وقال شمس الائمة الحلوانی: اذا کان سوی الامام ثلٰثة لا یکرہ بالاتفاق وفی الاربع اختلاف والاصح انہ مکروہ'' ''وفی الفتاوی الشافیة: ولا یصلی التطوع بالجماعة الا فی شہر رمضان وذلک انما یکرہ اذا کان علٰی سبیل التداعی یعنی باذان واقامة اما لو اقتدی واحد او اثنان لا علٰی سبیل التداعی فلا یکرہ واذا اقتدی ثلٰثة اختلف المشائخ رحمہم اللہ تعالٰی وان اقتدی اربعة کرہ اتفاقاً'' وامثال این روایات بسیار است وکتبِ فقہیہ بآن مملواند واگر روایتے پیدا شود کہ از ذکر عدد ساکت باشد ومطلقاً مجوّز باشد اداء نفل بجماعت آنرا حمل باید کرد بر مقیّد کہ در روایاتِ دیگر واقع شدہ است دار مطلق مقید مراد باید داشت وجواز مقصور بر اثنین یا ثلث باید نمود چہ علماء حنفیہ اگرچہ در اصول مطلق را بر اطلاق میگزارند وبر مقید حمل نمیکنند اما در روایاتِ حمل مطلق بر مقید جائز داشتہ اند بلکہ لازم دانستہ واگر بر طریقِ فرضِ محال نکنیم وبر اطلاق بگذاریم ہر آئینہ این مطلق معارض خواہد بود مر آن مقید را اگر در قوت برابر باشد ومساوات در قوت ممنوع است چہ روایات کراہت باوجود کثرت مختار ومفتی بہا اند بخلاف روایت اباحت ولو سلم مساواتہما گوئیم کہ بر تقدیر تعارض ادلّہ کراہت وادلہ اباحت ترجیح جانب کراہت راست کہ رعایت احتیاط در آنست چنانچہ مقرر اہلِ اصول فقہ است پس جماعة کہ در روزِ عاشورا وشبِ برأت ولیلة الرغائب نماز بجماعت میگذارند دویست وسیصد سیصد کس کم وبیش کہ در مسجدہا جمع میشوند وآن نماز را واجتماع وجماعت را مستحسن می پندار مرتکبانِ امر مکروہ اند

باتفاق فقہاء ومکروہ را مستحسن دانستن از اعظم جنایاتست چہ حرام رامباح دانستن منجرّ بکفر است ومکروہ را حسن پنداشتن یکمرتبہ از آن پایان است شناعت این فعل را نیک ملاحظہ باید نمود ودست آویز ایشان در باب رفع کراہت عدم تداعی است آرے عدم تداعی بمقتضائے بعضی روایات دفع کراہت میکند اما مخصوص بواحد واثنین است وآنہم بشرطے است کہ در ناحیۂ مسجد متحقق شود وبدونہا خرط القتاد باآنکہ تداعی عبارت از اعلام یک دیگر است از برائے ادائے نماز نفل واین معی در این جماعات متحقق است چہ قبیلہ قبیلہ در روزِ عاشورہ وغیرہ یک دیگر راا علام میکنند ومیخوانند کہ در مسجد فلان شیخ یافلان عالم میباید رفت ونماز بجمعیت مے باید گذارد واین فعل رااعتیاد نمودہ اند این قسم اعلام از اذان واقامت ہم ابلغ است پس تداعی ہم ثابت شد واگر تداعی را مخصوص باذان واقامت داریم چنانچہ در بعضے روایات واقع شدہ است وحقیقتِ اذان واقامت خواہم پس جواب ہمانست کہ بالا گذشت کہ مخصوص است بواحد واثنین باشرطِ دیگر کہ بالامذکور شد باید دانست کہ بنائے ادائے نوافل براخفاو تستر است کہ مظنہ ریا وسمعہ است وجماعت منافی آنست ودر ادائے فرائض اظہار واعلان مطلوب است چہ از شائبہ ریا وسمعہ مبرا است پس باجماعت مناسب باشدا انکہ گوییٔم کثرت اجتماع محل حدوث فتنہ است لہٰذا از برائے ادائے نماز جمعہ حضور سلطان یانائب او شرط کردہ اند تااز حدوث فتنہ امن متحقق شود ودرین جماعات مکروہات ہم احتمال ایقاظ فتنہ قوی است پس این احتماع مشروع نباشد ومنکر باشد ودر حدیث نبویست علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا ''الفتنۃ نائمۃ لعن اللہ من ایقظہا پس ولاۃِ اسلام وقضاۃ واہلِ احتساب رالازم است کہ منع این اجماع نمایند ودرین باب زجر را بابلغ وجوہ مرعی دارند تااستیصال این بدعت کہ منجر بفتنہ است متحقق شود واللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل''۔

ترجمہ: اس بیان میں کہ عاشورا اور شبِ برات میں نماز نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا نہ کرنا چاہئے۔ اور اس کے مناسب بیان میں سید امین سہارنپوری کی طرف صادر فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''الحمد للہ الذی شرّفنا بمتابعۃ سید المرسلین وجنبنا عن ارتکاب المبتدعات فی الدین والصلوٰۃ والسلام علٰی من قمع بنیان الضلالۃ ورفع اعلام الھدایۃ وعلٰی اٰلہ الابرار وصحبہ الاخیار!

نوافل کی جماعت مکروہ ہے

اللہ تعالیٰ کی حمد ہے جس نے ہم کو سید المرسلین ﷺ کی متابعت سے مشرف فرمایا اور دین کی بدعتوں سے بچایا۔ اور آنحضرت ﷺ پر جنہوں نے گمراہی کی بنیاد کو اکھیڑا اور ہدایت کے جھنڈوں کو بلند کیا اور ان کی آل ابرار اور اصحاب اخیار پر صلوٰۃ وسلام ہو۔

جاننا چاہئے کہ اکثر خاص وعام لوگ اس زمانہ میں نوافل کے ادا کرنے میں بڑا اہتمام کرتے ہیں اور مکتوبات یعنی فرضی نمازوں میں سستی کرتے ہیں اور ان میں سنتوں اور مستحبوں کی رعایت کم کرتے ہیں۔ نوافل کو عزیز جانتے ہیں اور فرائض کو ذلیل وخوار۔ فرائض کو اوقاتِ مستحبہ میں بمشکل ادا کرتے ہیں اور جماعت مسنونہ کی تکثیر بلکہ نفسِ جماعت کی کوئی تقید نہیں رکھتے۔ نفسِ فرائض کو غفلت وسستی سے ادا کرنا غنیمت سمجھتے ہیں اور روزِ عاشور اور شب برات اور ماہِ رجب کی ستائیسویں رات اور ماہِ رجب کے اول جمعہ کی رات کو جس کا نام انہوں نے لیلۃ الرغائب رکھا ہے، بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اور نوافل کو بڑی جمعیت کے ساتھ جماعت سے ادا کرتے ہیں اور اس کو نیک ومستحسن خیال کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ شیطان کے تسویلات یعنی مکر وفریب میں جو سیئات کو حسنات کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا عصام الدین ہروی شرح وقایہ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ:

نوافل کو جماعت سے ادا کرنا اور فرض کی جماعت کو ترک کرنا شیطان کا مکر وفریب ہے۔ جاننا چاہئے کہ نوافل کو جماعت تمام کے ساتھ ادا کرنا، ان مکروہ اور مذمومہ بدعتوں میں سے ہے جن کے حق میں حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا ہے: "من احدث فی دیننا ھٰذا فھو رد" (جس نے ہمارے اس دین میں نئی بات نکالی وہ رد ہے)۔

جاننا چاہئے کہ نوافل کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا فقہ کی بعض روایات میں مطلق طور پر مکروہ ہے۔ اور بعض روایات میں کراہت تداعی اور تجمیع (یعنی بلانے اور جمعیت) پر مشروط ہے۔ پس اگر بغیر تداعی کے ایک دو آدمی مسجد کے گوشہ میں نفل کو جماعت سے ادا کریں تو بغیر کراہت کے روا ہے اور تین آدمیوں میں مشائخ کا اختلاف ہے اور بعض روایات میں چار آدمیوں کی جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں اور بعض روایات میں اصح یہ ہے کہ مکروہ ہے۔

فتاویٰ سراجیہ میں ہے کہ:

"تراویح اور کسوف کی نماز کے سوا اور نوافل کو جماعت سے ادا کرنا مکروہ ہے"۔

اور فتاویٰ غیاثیہ میں ہے کہ شیخ امام سرخسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

"رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا کرنا جبکہ تداعی کے طریق پر ہو، مکروہ ہے لیکن جب ایک یا دو اقتدا کریں تو مکروہ نہیں اور تین میں اختلاف ہے اور چار میں بلا اختلاف کراہت ہے"۔

اور خلاصہ میں ہے کہ: ”نفلوں کی جماعت جب تداعی کے طریق پر ہو تو مکروہ ہے لیکن جب اذان واقامت کے بگیر گوشہ مسجد میں ادا کئے جائیں تو مکروہ نہیں“۔

اور شمس الائمہ حلوانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ:

”جب امام کے سوا تین آدمی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے اور چار میں اختلاف ہے اور اصح یہی ہے کہ مکروہ ہے“۔

اور فتاویٰ شافیہ میں ہے کہ:

”ماہِ رمضان کے سوا نوافل کو جماعت سے ادا نہ کریں اور نوافل کو تداعی کے طور پر یعنی اذان واقامت سے ادا کرنا مکروہ ہے لیکن اگر ایک یا دو اقتدا کر لیں جو تداعی کے طور پر نہ ہو تو مکروہ نہیں اور اگر تین اقتدا کریں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے اور اگر چار اقتدا کریں تو بالاتفاق مکروہ ہے“۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی روایتیں ہیں اور فقہ کی کتابیں ان سے بھری ہوئی ہیں اور اگر کوئی ایسی روایت پیدا ہو جائے جو عدد کے ذکر سے ساکت ہو اور اس سے مطلق طور پر نفل کو جماعت سے ادا کرنا جائز ہوتا ہو تو اس کو مقید پر محمول کرنا چاہئے جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہئے اور جواز کو دو یا تین پر منحصر کرنا چاہئے کیونکہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو مقید پر حمل نہیں کرتے لیکن روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا معارض ہو گا اگرچہ قوت میں برابر ہوں اور مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایتیں باوجود کثرت کے مختار اور مفتٰی بہا ہیں برخلاف اباحت کی روائیتوں کے اور اگر مساوات کو مان بھی لیں تو ہم کہتے ہیں کہ کراہت واباحت کے دلائل متعارض ہونے کی صورت میں کراہت کی جانب کو ترجیح ہے کیونکہ احتیاط کی رعایت اسی میں ہے جیسے کہ اصول فقہ کے جاننے والوں کے نزدیک مقرر ہے۔

پس وہ نماز جو روزِ عاشورا اور شبِ برات اور لیلۃ الرغائب میں جماعت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور دو دو سو یا تین تین سو یا اس سے زیادہ آدمی مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو مستحسن خیال کرتے ہیں۔ ایسے لوگ فقہاء کے اتفاق سے امرِ مکروہ کے مرتکب ہیں اور مکروہ کو مستحسن جاننا بڑا بھاری گناہ ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک پہنچا دیتا ہے اور مکروہ کو احسن سمجھنا ایک درجہ اس سے کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملاحظہ کرنا چاہئے اور کراہیت کے دفع کرنے میں ان کے پاس سند عدم تداعی ہے۔ ہاں عدم تداعی بعض روایات میں کراہیت کو دفع کرتی ہے لیکن ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ گوشہ مسجد میں ہو۔ وبدونها خرط القتاد۔ اس کے علاوہ بے فائدہ رنج ہے۔

تداعی سے مراد ہے نماز نفل کے ادا کرنے کیلئے ایک دوسرے کو خبر دینا اور یہ معنی اس جماعت میں مستحقق ہیں کیونکہ قبیلہ قبیلہ عاشورا کے دن ایک دوسرے کو خبر کرتے اور بتلاتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں جانا چاہئے اور نماز کو

جماعت سے ادا کرنا چاہئے اور اس فعل کو معتبر جانتے ہیں۔ اس قسم کا اعلام اذان واقامت سے بھی ابلغ ہے پس تداعی بھی ثابت ہوگئی اگر تداعی کو اذان واقامت پر ہی مخصوص رکھیں جیسے کہ بعض روایات میں واقع ہے اور اس سے اذان واقامت کی حقیقت مراد لیں تو پھر بھی جواب وہی ہے جو اوپر گذر چکا کہ ایک یا دو کے ساتھ مخصوص ہے یا دوسری شرط کے ساتھ جو اوپر مذکور ہو چکی۔

جاننا چاہئے کہ ادائے نوافل کی بنیاد اخفاو تستر یعنی پوشیدگی پر ہے تا کہ سمعہ وریا کا گمان نہ گذرے اور جماعت اس کی منافی ہے اور فرائض کے ادا کرنے میں اظہار واعلان مطلوب ہے کیونکہ ریا وسمعہ کی آمیزش سے پاک ہے۔ پس ان کا جماعت کے ساتھ ادا کرنا مناسب ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ کثرت اجتماع فتنہ پیدا ہونے کا محل ہے یہی وجہ ہے کہ نماز جمعہ کے ادا کرنے کیلئے سلطان یا اس کے نائب کا حاضر ہونا شرط ہے تا کہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن رہے اور ان مکروہہ جماعت میں بھی فتنہ پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے پس یہ اجتماع بھی مشروع نہ ہوگا۔ بلکہ منکر ہوگا۔

حدیثِ نبوی ﷺ میں ہے:

"الفتنۃ نائمۃ لعن اللہ من ایقظھا"۔

فتنہ سویا ہوتا ہے جو اس کو جگاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

پس اسلام کے والیوں اور قاضیوں اور محتسبوں کو لازم ہے کہ اس اجتماع سے منع کریں اور اس بارے میں بہت ہی زجر وتنبیہ کریں تا کہ یہ بدعت جس سے فتنہ برپا ہو، جڑ سے اکھڑ جائے۔ "**واللہ یحق الحق وھو یھدی السبیل**" اللہ تعالیٰ حق ثابت کرتا ہے اور وہی سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے۔[1]

مکتوب نمبر:۱۳۱: میں امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد الفاروقی السرھندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

افسوس ہزار افسوس بعضے از بدعتہا کہ در سلاسل دیگر اصلاً موجود نیست درین طریقۂ عالیہ احداث نمودہ اند نماز تہجد را بجماعت می گزارند از اطراف وجوانب درآن وقت مردم از برائے نمازِ تہجد جمع می گردند وبجمعیت تمام ادا می نمایند واین عمل مکروہ است بکراہیت تحریمہ۔

جمعے از فقہاء کہ تداعی شرط کراہت داشتہ اند جواز جماعت نفل را مقید بناحیۂ مسجد ساختہ زیادہ از سہ کس را باتفاق مکروہ گفتہ اند۔

---

[1] (مکتوبات امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ: مکتوب: ۲۸۸: حصہ: ۵)

نوافل کی جماعت مکروہ ہے

ترجمہ: ”افسوس ہزار افسوس کہ جن بدعتوں کا دوسرے سلسلوں میں نام ونشان تک پایا نہیں جاتا وہ اس طریقہ عالیہ میں پیدا کر دی ہیں۔ نماز تہجد کو جماعت سے ادا کرتے ہیں اور گردونواح سے اس وقت لوگ تہجد کے واسطے جمع ہو جاتے ہیں اور بڑی جمعیت سے ادا کرتے ہیں اور یہ عمل مکروہ ہے بکراہت تحریمیہ“۔

بعض فقہاء نے جن کے نزدیک تداعی (یعنی ایک دوسرے کو بلانا م کراہت کی شرط ہے اور نفل کی جماعت کو مسجد کے ایک کونے میں جائز قرار دیا ہے۔ تین آدمیوں سے زیادہ کی جماعت کو بالاتفاق مکروہ کہا ہے)۔[1]

بعض اوقات لوگ باجماعت نفل نماز پوری رات ادا کرتے ہیں یا شبینہ کرتے ہیں پھر بدن میں سستی آنے کیوجہ سے فجر کی نماز ان سے قضاء ہو جاتی ہے تو ایسے لوگوں کے بارے میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

منقول است کہ روزی امیر المومنین، حضرت فاروق۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز بامداد راب جماعت گذارند، بعد از فراغ از صلوۃ، در قوم نگاہ کردند شخصی را از اصحاب خود در آن وقت نیافتند فرمودند کہ: فلانی بہ جماعت حاضر نشد۔ حاضران عرض کردند کہ او اکثر شب بیدار می باشد۔ یحتمل کہ در این وقت خوابش بردہ باشد۔ فرمودند کہ: اگر تمام شب خواب می کرد و نماز بامداد راب جماعت می گزارد، بہتر می بود۔

”منقول ہے کہ ایک دن امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صبح کی نماز جماعت سے ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر آدمیوں پر نگاہ کی۔ اپنے یاروں میں سے ایک شخص کو اس وقت موجود نہ دیکھا۔ فرمایا کہ فلاں شخص جماعت میں حاضر نہیں ہوا۔ حاضرین نے عرض کی کہ وہ رات کو اکثر جاگتا رہتا ہے۔ شاید اس وقت سو گیا ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تمام رات سویا رہتا اور صبح کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرتا تو اس کیلئے بہتر ہوتا“ پس مستحب کی رعایت کرنا اور مکروہ سے بچنا اگرچہ تنزیہی ہو ذکر اور فکر اور مراقبہ اور توجہ سے کئی درجے بہتر ہے پھر مکروہ تحریمی کا کیا ذکر ہے۔ ہاں اگر رعایت اور اجتناب کے ساتھ یہ امور جمع ہوں تو ”فقد فاز فوزًا عظیمًا“ بڑی کامیابی ہے۔ ”وبدونہ خرط القتاد“ ورنہ بے فائدہ رنج ہے۔[2]

---

[1] (مکتوب نمبر: ۱۳۱، مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، حصہ سوئم، ص ۱۰، مکتبۃ القدس، کانسی روڈ، کوئٹہ)

[2] (مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر: ۲۹، حصہ اول، ص۷۷)

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

"ویکرہ الاجتماع علی احیاء لیلۃ من ھٰذہ اللیالی فی المساجد۔ لانہ لم یفعلہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولا صحابۃ رضی اللہ تعالٰی عنھم فانکرہ اکثر العلماء من اھل الحجاز منھم اعطاء و ابن ابی ملیکۃ و فقھاء اھل المدینۃ و الصحاب مالک وغیرھم و قالوا ذلک کلہ بدعۃ و لم ینقل عن البنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و لا عن اصحابہ رضی اللہ تعالٰی عنھم احیاء لیلتی العیدین جماعۃ"۔

ترجمہ: شعبان کی نصف رات میں یا صلوٰۃ برات یا قدر مساجد میں ان نمازوں کی باجماعت ادا کرنا مکروہ ہے۔ اس لئے کہ نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم نے نہیں کیا اور اکثر علمائے اہلِ حجاز کے جن میں سے عطا ابن ابی ملیکہ اور مدینہ کے فقہاء ان سب کا یہ قول ہے کہ یہ تمام کے تمام بدعت ہیں۔ اور نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم سے ان راتوں میں جماعت ادا کرنا منقول نہیں۔[1]

مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی محمد وقار الدین قادری رضوی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

"مذہبِ حنفی میں نفل نماز جماعت کے ساتھ اہتمام کرکے اور لوگوں کو دعوت دے کر پڑھانا مکروہ ہے"۔[2]

اور اسی طرح کی روایات بہت ہیں اور فقہی کتابیں ایسی روایات سے پُر ہیں۔ اور اگر کوئی ایسی روایت ملے جس میں تعداد کا ذکر نہ ہو اور مطلقاً جواز ظاہر کرے تو اس بارے میں مقید روایات پر محمول کرنا چاہئے اور مطلق سے مقید مراد لینا چاہئے اور جواز کو دو یا تین افراد میں ہی منحصر جاننا چاہئے۔ اس لئے کہ علمائے حنفیہ اگرچہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر ہی رکھنے کے قائل ہیں اور مقید پر عمل نہیں کرتے لیکن روایات میں انہوں نے مطلق کو مقید پر حمل کرنا جائز بلکہ لازم قرار دیا ہے اور اگر بطریق فرض محال حمل نہ کریں اور مطلق ہی رہنے دیں تو ایسی صورت مین یہ مطلق اس مقید کے قابل اور منافی ہو جائے گا، اگر قوت میں برابر ہو اور قوت میں مساوات ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایات کثرت کے باوجود مختار اور مفتی بہا ہیں بخلاف اباحت کی روایات کے۔ اور اگر دونوں کی مساوات تسلیم کرلی جائے تو ہم کہیں گے کہ کراہت اور اباحت کی دلیلوں کے تعارض کی صورت میں جانبِ کراہت کو ترجیح حاصل ہے۔

(۱): جیسا کہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

"لان الفعل اذا تردد بین السّنیۃ و الکراھۃ کان ترکہ اولٰی"۔

(۲): الاخیار فی بیان الصلٰوۃ علی السکون و الوقار۔[3]

---

[1] (مراقی الفلاح شرح نور الایضاح: ص: ۵۹)

[2] (وقار الفتاوی: ج: ۲: ص: ۲۲۶:)

[3] (فتاویٰ رضویہ: ص: ۶۸۴)

محمد مرید محی الدین الحنفی لکھتے ہیں:

''درمیانِ سنت وبدعت تردید آید ترک آن سنت لازم است''۔

ترجمہ: اگر سنت وبدعت کے درمیان میں تردید آجائے تو سنت کا ترک کرنا لازم ہے۔

بدلیل ان الفقہاء قالوا: ''اذا تردد فی شئ بین کونہ سنۃ وبدعۃ فترکہ لازم''۔

ترجمہ: اس دلیل کے ساتھ کہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ جب تردد آجائے کسی چیز میں کہ یہ سنت ہے یا بدعت تو سنت کو چھوڑنا لازم ہے۔[1]

(۳): اسی طرح امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

''گویم اگر تعارض در جواز وعدمِ جواز وحل وحرمت واقع شود ترجیح جانبِ عدمِ جواز را است وجانبِ حرمت را''۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں اگر تعارض آجائے جواز اور عدمِ جواز میں حل اور حرمت میں ترجیح جو ہے عدمِ جواز کی طرف ہے اور حرمت کی طرف ہے۔[2]

(۴): در المختار میں ہے:

''اذا تردد الحکم بین السنۃ والبدعۃ کان ترک السنۃ اولیٰ''۔

ترجمہ: جب کسی حکم میں سنت اور بدعت کے درمیان تردد واقع ہو جائے تو اس سنت کو ترک کرنا بہتر ہے۔[3]

(۵): در المختار میں ہے:

''ترک المکروہ مقدم علی فعل السنۃ''۔

ترجمہ: مکروہ کو ترک کرنا سنت فعل پر مقدم ہے۔ یعنی جب بعض علماء نے کسی چیز کو مکروہ کہا ہو اور بعض نے اس کو سنت کہا ہو تو عمل اس پر کرنا چاہئے کہ جنہوں نے مکروہ کہا ہے یہ اس پر مقدم ہے جنہوں نے اس کو سنت کہا ہے۔[4]

(۶): حاشیہ ابن عابدین میں ہے:

''اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ اولیٰ''۔

---

1 (تالیف مسکین، ص: ۳۹)

2 (مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر: ۳۱۲، ص ۱۲۶، حصہ پنجم، مکتبۃ القدس، کانسی روڈ، کوئٹہ)

3 (در المختار: ج: ۱: ص: ۴۵۰:)

4 (در المختار: ج: ۱: ص: ۱۰۰: باب ادراک الفریضۃ)

ترجمہ: جب تردد آجائے سنت اور بدعت کے درمیان میں تو سنت کا چھوڑنا اولیٰ ہے۔[1]

(۷): رد المحتار علی در المختار میں ہے:

"اذا تردد الحکم بین سنة و بدعة کان ترک السنة راجحًا علی فعل البدعة"۔

ترجمہ: جب تردد آجائے سنت اور بدعت کے درمیان میں تو سنت کو چھوڑنا راجح ہے، بدعت کے کرنے سے۔[2]

کیونکہ اس میں احتیاط کی رعایت ہے جیسا کہ اصول فقہ والوں کے ہاں یہ امر طے شدہ ہے۔

صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی صاحب اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

نماز نفل جماعت کے ساتھ علی سبیل التداعی مکروہ ہے۔ اور تداعی کے یہ معنی ہیں کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں اور اگر تین مقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ بھی مکروہ ہے۔[3]

در مختار میں ہے:

"ولا یصلی الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان ای یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحدة کما فی الدرر و فی الاشباہ عن البزازیة۔ یکرہ الاقتداء فی صلٰوۃ رغائب و براءۃ و قدر۔

ترجمہ: در مختار میں ہے یعنی وتر اور نفل جماعت کے ساتھ رمضان کے علاوہ نہیں پڑھی جائے گی۔ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔ تداعی کا معنی یہ ہے کہ تین سے زیادہ مقتدی ہوں اور اشباہ میں بزازیہ سے نقل کی ہے کہ اقتداء صلٰوۃ رغائب و براءۃ و قدر میں بھی مکروہ ہے۔[4]

رد المحتار میں ہے:

وَالنَّفَلُ بِالْجَمَاعَةِ غَيْرُ مُسْتَحَبٍّ لِأَنَّهُ لَمْ تَفْعَلْهُ الصَّحَابَةُ فِي غَيْرِ رَمَضَانَ۔

نفل جماعت کے ساتھ غیر مستحب ہے اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے رمضان کے علاوہ نہیں ادا کی۔[5]

---

[1] (حاشیہ ابن عابدین: ج:۲: ص:۴۹۳)

[2] (رد المحتار علی در المختار: ج:۱: ص:۴۷۵)

[3] (فتاوی امجدیہ: ج:۱: ص:۲۴۳)

[4] (الدر المختار، ج ۱، ص ۹۹، باب الوتر و النوافل، مکتبہ ایچ ایم سعید کمپنی، اردو بازار، کراچی)

[5] (رد المحتار، ج ۱، ص ۵۲۴، مکتبہ حقانیہ، محلہ جنگی، پشاور)

نوافل کی جماعت مکروہ ہے

فتاوی فیض الرسول میں لکھا ہے:

"نفل جماعت کے ساتھ بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ ہے۔ تداعی کا معنی ہے ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اس سے کثرت جماعت لازم آتی ہے جس کی تحدید یوں فرمائی گئی ہے کہ امام کے ساتھ ایک دو شخص تک بالاتفاق بلا کراہت جائز اور تین میں اختلاف اور چار مقتدی ہوں تو بالاتفاق مکروہ ہے"۔[1]

فتاوی فریدیہ میں لکھا ہے:

"قال فی البدائع اذا صلوا التراویح ثم ارادوا ان یصلوھا ثانیًا یصلون فرادی لا بجماعة لان الثانیة تطوع مطلق والتطوع المطلق بجامعة مکروہ"۔

ترجمہ: علامہ کاسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بدائع الصنائع میں فرمایا ہے کہ اگر لوگوں نے ایک مرتبہ نماز تراویح پڑھ لی ہے اور اب وہ دوبارہ پڑھنا چاہیں تو انفرادی طور پر ادا کریں باجماعت نہ پڑھیں کیونکہ دوسری مرتبہ وہ جو پڑھ رہے ہیں وہ مطلق تطوع اور نفل ہے اور مطلق تطوع کا باجماعت پڑھنا مکروہ ہے۔ اور نفل مطلق کی جماعت مکروہ ہے۔[2]

فقیہ ملت حضرت علامہ مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: تراویح وکسوف واستسقاء کے سوا جماعت نوافل میں ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب معلوم ومشہور اور عامۃ الکتب مذہب میں مذکور ومسطور ہے کہ بلا تداعی مضائقہ نہیں اور تداعی کے ساتھ مکروہ ہے تداعی ایک دوسرے کو بلانا جمع کرنا اور اس سے کثرت جماعت لازم آتی ہے پھر چند سطر بعد فرماتے ہیں بالجملہ دو مقتدیوں میں بالاجماع جائز اور پانچ میں بالاتفاق مکروہ اور تین چار میں اختلاف نقل ومشائخ اور اصح یہ ہے کہ تین میں کراہت نہیں چار میں ہے تو مذہبِ مختار یہ نکلا کہ امام کے سوا چار یا زائد ہوں تو کراہت ہے ورنہ نہیں۔

لہٰذا درر وغرر پر در مختار میں فرمایا:

"یکرہ ذٰلک لو علی سبیل التداعی بان یقتدی اربعة بواحد"۔

ترجمہ: در مختار میں ہے کہ تداعی کے ساتھ مکروہ ہے یعنی ایک کے پیچھے چار۔[3]

فقیہ اعظم ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے کہ نفل باجماعت مکروہ تنزیہی ہے۔[4]

---

1 (فتاوی فیض الرسول ج ۱ ص: ۳۴۲)

2 (فتاویٰ فریدیہ، ص: ۱۲۵)

3 (فتاوی فقیہ مِلّت: ج: ۱: ص: ۲۰۲)

4 (فتاوی نوریہ: ج: ۱: ص: ۶۷۱)

نوافل کی جماعت مکروہ ہے

عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی اشرفی تحریر فرماتے ہیں:

"ماہِ رمضان میں وتر و تراویح کا باجماعت ادا کرنا بغیر کراہت صحیح و جائز ہے اس کے سوا کسی اور نفل نماز یا تہجد اتفاقیہ طور پر گاہ بگاہ جماعت کے ساتھ ادا کر لی جائے تو بغیر کراہت صحیح و جائز ہے اور تداعی و مواظبت کے ساتھ کسی نفل نماز یا تہجد کی نماز با جماعت ادا کرنا مکروہ ہے تداعی کا معنی یہ ہے کہ بعض نمازی بعض دوسرے نمازی کو نفل نماز یا تہجد کی جماعت کیلئے بلائے یا یہ نماز ہی بکثرت باجماعت ادا کرے۔ کتب فقیہ کی عبارتیں مختلف ہیں۔ بعض سے مکروہ تحریمی مستفیض ہوتا ہے اور بعض سے مکروہ تنزیہی۔[1]

مولوی مفتی رشید احمد لکھتے ہیں:

"ان التنفل بجماعة مكروه خارج رمضان"۔

ترجمہ: یعنی نفل جماعت کے ساتھ رمضان شریف کے علاوہ مکروہ ہے۔[2]

تصنیف مولوی خیر محمد جالندھری لکھتے ہیں نفل نماز اور صلوٰۃ تسبیح اکیلے اکیلے پڑھا کریں جماعت کرانا مکروہ ہے۔

"ولا يصلى الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان اى يكره ذلك لو على سبيل التداعى"۔

ترجمہ: یعنی وتر اور نفل نماز باجماعت ادا کرنا رمضان شریف کے علاوہ اگر تداعی کے ساتھ ہو تو مکروہ ہے۔[3]

جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی نصف صدی کے فتاوی کے مجموعہ میں ہے کہ رمضان مبارک کے علاوہ دیگر مہینوں میں نفل نماز کیلئے باقاعدہ جماعت کا اہتمام ہمارے مسلک (احناف) کے قواعد سے موافق نہیں۔[4]

رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں کہ نوافل کی جماعت سوا ان جگہوں سے جو حدیث مبارکہ سے ثابت ہیں باقی مکروہ تحریمی ہے۔ فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی کے ساتھ ہو۔ تداعی سے مراد چار مقتدی لیا گیا ہے۔ صلوٰۃ کسوف تراویح اور استسقاء ان سے مستثنیٰ ہیں۔[5]

افادات مولوی مفتی عزیز الرحمن عثمانی لکھتے ہیں کہ:

"قال فى الدر المختار ولا يصلى الوتر ولا التطوع بجماعة خارج رمضان اى يكره ذلك لو على سبيل التداعى بان يقتدى اربعة بواحد"۔

---

[1] (حبیب الفتاوی: ج: ۱: ص: ۴۰۷)

[2] (احسن الفتاوی: ج: ۳: ص: ۵۲۲)

[3] (خیر الفتاوی: ج: ۲: ص: ۴۸۳)

[4] (فتاوی حقانیہ: ج: ۳: ص: ۲۸۱)

[5] (فتاوی رشیدیہ: ج: ص: ۵۶۳)

نوافل کی جماعت مکروہ ہے

ترجمہ: ماہِ رمضان مبارک میں تداعی کے ساتھ جماعت وتر اور تراویح جائز اور مشروع و مسنون ہیں اور باقی نوافل سوائے تراویح کے رمضان شریف میں بھی تداعی کے ساتھ مکروہ ہیں۔ اتفاقاً کبھی ہو تو کراہت تنزیہی ہے اور اگر مواظبت اس پر کی جاوے تو کراہت تحریمی ہے۔ تداعی کے ساتھ ہو یا بلا تداعی۔

"ثم ان کان ذلک احیانا کما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان مباحًا غیر مکروہ۔ ای تحریمی ان کان علی سبیل المواظبۃ کان بدعۃ مکروھۃ لانہ خلاف المتوارث"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تداعی اور غیر تداعی برابر ہیں۔ لفظ بدعت کراہت تحریمیہ پر دال ہے۔[1]

حافظ قاری مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری لکھتے ہیں کہ:

"نوافل کی جماعت سوائے ان مواقع کے کہ حدیث سے ثابت ہے مکروہ تحریمی ہے فقہ میں لکھا ہے کہ اگر تداعی ہو اور مراد تداعی سے چار آدمی مقتدی کا ہونا ہے پس جماعت صلوٰۃ کسوف تراویح اور استسقاء کی درست اور باقی سب مکروہ ہے"۔[2]

تصنیف مولوی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ:

نفل جماعت کیلئے لاؤڈ سپیکر وغیرہ کا اہتمام کرنا اور لوگوں کو شرکت کی دعوت دینا تداعی ہے اور تداعی کے ساتھ نوافل کی جماعت مکروہ تحریمی ہے۔[3]

حنفیہ کے نزدیک نوافل کی جماعت مکروہ ہے جبکہ مقتدی تین یا زیادہ ہوں یہی حکم صلوٰۃ التسبیح کا ہے اس کی جماعت بدعت حسنہ نہیں بلکہ بدعت سیئہ ہے۔ شریعت نے عبادت کو جس انداز میں مشروع کیا ہے اس کو اسی طریقہ سے ادا کرنا مطلوب ہے۔ شریعت نے نماز پنجگانہ اور جمعہ و عیدین وغیرہ کو باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا ہے لیکن نوافل کو انفرادی عبادت تجویز کیا ہے اس لئے کسی نفل نماز کا (خواہ صلوٰۃ التسبیح ہو یا کوئی اور) جماعت سے ادا کرنا منشائے شریعت کے خلاف ہے۔ اس لئے حضرات فقہاء نے نفل نماز کی جماعت کو (جبکہ مقتدی دو سے زیادہ ہوں) مکروہ لکھا ہے اور خاص راتوں میں اجتماعی نماز ادا کرنے کو بدعت قرار دیا ہے اس لئے صلوٰۃ التسبیح کا جماعت سے ادا کرنا صحیح نہیں اور آپ نے جو مصلحت لکھی ہے وہ لائق التفات نہیں جس کو صلوٰۃ التسبیح پڑھنے کا شوق ہو اس کو ان کلمات کا یاد کرلینا اور ترتیب کا سیکھ لینا کیا مشکل ہے؟[4]

---

[1] (فتاوی دار العلوم دیوبند: ج:۴:ص:۲۲۲)

[2] (فتاوی رحیمیہ: ج:۵:ص:۲۱۸)

[3] (فتاوی عثمانی: ج:۱:ص:۴۴۴)

[4] (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ج:۳:ص:۷۹)

اجتماعی ہیئت سے نوافل میں مشغول رہنا مکروہ اور بدعت ہے:

اسی طرح فتاوی محمودیہ میں ہے کہ اگر امام کے علاوہ چار شخص یا زیادہ مقتدی ہوں تو یہ فعل مکروہ ہے اگر امام کے علاوہ صرف دو تین آدمی مقتدی ہوں تو مکروہ نہیں۔[1]

"قال شمس الائمة الحلوائی ان اقتدی به ثلاثة لا یکون تداعیا فلا یکره اتفاقا و ان اقتدی به اربعة فالاصح الکراهته۔آه"۔

ترجمہ: شمس الائمہ الحلوانی نے فرمایا دو تین میں تداعی بھی نہیں ہے اور کراہت بھی نہیں اور اصح قول یہ ہے کہ ایک کے پیچھے چار کا اقتدا مکروہ ہے۔[2]

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے:

نفل با جماعت نہ پڑھنی چاہئے کہ صحیح یہی ہے کہ جماعت نفل تداعی مکروہ ہے اور تفسیر تداعی کی یہ ہے کہ چار مقتدی جماعت میں ہوں یہ باتفاق مکروہ ہے اور تین مقتدی ہوں تو اس میں اختلاف ہے اور ایک یا دو مقتدی ہوں تو کراہت نہیں۔

(کذافی الشامی)

پس وہ لوگ جو عاشورہ کے دن اور شبِ برات اور ستائیسویں رجب کی رات میں نماز با جماعت ادا کرتے ہیں۔ کم و بیش دو دو سو اور تین تین سو افراد مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور اس نماز اور اجتماع اور جماعت کو نیک خیال کرتے ہیں۔ باتفاق فقہاء مکروہ امر کے مرتکب ہوتے ہیں اور مکروہ چیز کو اچھا جاننا بڑے گناہوں میں سے ہے کیونکہ حرام کو مباح جاننا کفر تک کھینچ کر لے جاتا ہے اور مکروہ چیز کو اچھا گمان کرنا اس سے صرف ایک درجہ کم ہے۔ اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ذہن میں رکھنا نوافل کی جماعت جائز کہنے والوں کی دلیل عدمِ تداعی ہے۔ہاں بعض روایات کے مطابق عدمِ تداعی کراہت کو دور کر دیتی ہے لیکن وہ بھی ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ ہے اور اس میں بھی یہ شرط ہے کہ مسجد کے کسی کونے میں ہو اور اس شرط کے نہ ہونے کی صورت میں جواز کی کوئی صورت نہیں۔

علاوہ ازیں تداعی کا معنی یہ ہے کہ نفل نماز کی ادائیگی کیلئے ایک دوسرے کو بلانا اور آگاہ کرنا اور یہ معنی اس طرح کی جماعتوں میں پایا جاتا ہے کیونکہ قبیلوں کے قبیلے عاشورہ کے دن ایک دوسرے کو بتاتے پھرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ فلاں شیخ یا فلاں عالم کی مسجد میں چلنا چاہئے اور نفل نماز با جماعت ادا کرنی چاہئے۔ ان لوگوں نے اس فعل کو عادت بنا رکھا ہے۔ اس

---

[1] (فی طحطاوی علی مراقی الفلاح:ص:۱۶۶)

[2] (فتاوی محمودیه:ج:۱۱:ص:۵۰)

طرح بتاتے پھرنا اذان اور اقامت سے بھی بڑھ کر ہے پس اس صورت میں تداعی بھی ثابت ہے اور اگر ہم تداعی کو اذان اور اقامت کے ساتھ ہی مخصوص رکھیں جیسا کہ بعض روایات میں واقع ہوا ہے اور حقیقۃً اذان اور اقامت ہی مراد لیں تو پھر اس کا جواب وہ ہے جو اوپر گزرا۔ کہ ایسی نماز مذکورہ شرط کے ساتھ ایک یا دو مقتدیوں کے ساتھ خاص ہے۔

جاننا چاہیئے کہ نوافل کے ادا کرنے کی بنیاد اخفا اور پوشیدگی پر ہے کیونکہ نفل عبادت ریا اور نمائش کا مقام ہے اور جماعت اخفا اور پوشیدگی کے منافی ہے اور ادائے فرائض میں اظہار اور اعلان مطلوب ہے کیونکہ فرائض ریا یا نمائش کے شبہ سے مبرا ہیں پس انہیں با جماعت ہی ادا کرنا مناسب ہے۔

علاوہ ازیں ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ کثرتِ اجتماع فتنے کے پیدا ہونے کا امکان ہے اسی لئے نماز جمعہ کی ادائیگی کیلئے بادشاہِ وقت یا اس کے نائب کی موجودگی کو شرط قرار دیا گیا ہے تا کہ فتنہ کے پیدا ہونے سے امن رہے اور ان مکروہ جماعتوں میں اس فتنے کو بیدار کرنے کا قوی امکان واحتمال ہے۔ لہٰذا اس طرح کا اجتماع شرعاً جائز نہیں بلکہ ممنوع ہے اور حدیثِ نبوی ﷺ میں وارد ہے: "الفتنة نائمة لعن اللہ من ایقظها" یعنی فتنہ سویا ہوتا ہے اس شخص پر اللہ کی لعنت پڑتی ہے جو اسے جگائے۔

پس اسلام کے والیوں اور ملت کے قاضیوں اور لوگوں کا محاسبہ کرنے والوں پر لازم ہے کہ اس طرح کے اجتماع سے لوگوں کو روکیں اور اس بارے میں لوگوں کو سخت ڈانٹ ڈپٹ کرتے رہیں تا کہ اس بدعت کی بیخ کنی ہو سکے جو فتنے میں مبتلا کرنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حق کو ثابت کرتا ہے۔ اور وہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔

لہٰذا رمضان المبارک وغیرہ میں مردوں، عورتوں کو نماز تسبیح وغیرہ با جماعت پڑھنے پڑھانے کے مکروہ ناپسندیدہ عمل سے بچنا چاہیئے۔ نماز تسبیح کیلئے مساجد میں اعلان کرنا، عورتوں کا جمع ہونا اور نماز میں لاؤڈ سپیکر کا استعمال کرنا، ایسے خود ساختہ غلط رواجات سے اجتناب کرنا چاہیئے (حیرت کی بات ہے کہ بعض خواتین پانچ وقت نماز بھی نہیں پڑھتیں لیکن میک اپ کر کے نماز تسبیح کی جماعت میں شامل ہوتی ہیں حالانکہ پنجگانہ نماز اور پردہ وحیاء زیادہ ضروری ہے اور نماز تسبیح وغیرہ با جماعت مکروہ ہے)۔
نوافل کی جماعت کی تشہیر کے بجائے نفل گھروں میں علیحدہ اور تنہائی میں پڑھنا افضل اور پسندیدہ امر ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "آدمی کا لوگوں کے سامنے نفل پڑھنے کی بہ نسبت ایسی جگہ نفل پڑھنا جہاں لوگ اسے نہ دیکھیں پچیس درجے زیادہ ثواب ہے"۔[1] واللہ ورسولہ اعلم۔[2]

---

[1] (جامع صغیر: ج:۲: ص:۴۷)

[2] (فتاویٰ دار العلوم دیوبند، ج ۱، ص ۲۵۵)

(۶)باب نمبر چھ: سفر میں سنتوں کو ادا کرنے کے بیان میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سئل حفظہ اللہ، عن التطوع فی السفر، هل الاتیان بالسنة افضل ام ترکها؟

وههنا فی الکراتشی جماعة لاهل الحدیث وکثیر من الجماعة التبلیغیة یقولون ان التطوع فی السفر بدعة فهل هم مصیبون فی ذلک ام لا؟

بینوا توجروا!

اخوکم فی اللہ: دکتور محمد افضل سیفی

ج: التطوع فی السفر جائز بل مندوب عند الجمهور۔

وقد ثبت من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باحادیث صحاح وحسان انه صلی الرکعتین قبل الفجر والرکعتین بعد الظهر وما ترک الرکعتین اذا زاغت الشمس والرکعتین بعد المغرب والرکعتین بعد العشاء فی السفر۔

وکذا ثبت عن عمر، وعلی، وعبد اللہ بن مسعود، وجابر بن عبد اللہ وانس بن مالک وابن عباس وابو ذر رضی اللہ عنهم اجمعین انهم کانوا یسافرون، فیتطوعون قبل المکتوبة وبعدها۔

وکذا ثبت عن القاسم بن محمد والاسود بن یزید والحارث بن سوید وعطاء بن ابی رباح وطاوس والشعبی ومکحول والحسن البصری والنخعی وعروة بن الزبیر وعمرو بن میمون وجابر بن زید وابو وائل انهم کانوا یتطوعون فی السفر۔

وهو قول مالک والشافعی واحمد بن حنبل واسحق وابی ثور وابی حنیفة۔

فابین لکم اولا: الروایات المرفوعة فی ذلک الباب۔

وثانیا: اذکر اقوال الصحابة رضوان اللہ تعالی علیهم اجمعین۔

وثالثا: اذکر اقوال التابعین وتبع التابعین رحمهم اللہ۔

ورابعا: اورد اقوال المحدثین والفقهاء من المذاهب الاربعة المعروفة لکی تتضح هذه المسئلة وضوحا بینا۔

الاول: قد ثبت رکعتی الفجر من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی السفر [1]

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِسْكِينٍ الْيَمَانِيُّ، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ حَسَّانٍ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ وَهُوَ ابْنُ بِلَالٍ، عَنْ شُرَحْبِيلَ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَاخَ رَاحِلَتَهُ، ثُمَّ نَزَلَ فَصَلَّى عَشْرَ رَكَعَاتٍ، وَأَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ، صَلَّى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، ثُمَّ صَلَّى بِنَا الصُّبْحَ». قَالَ أَبُو بَكْرٍ: هَذَا الْخَبَرُ يُصَرِّحُ بِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فِي السَّفَرِ، وَالْأَخْبَارُ الَّتِي رَوَيْنَاهَا فِي كِتَابِ «الْكَبِيرِ» فِي نَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، وَأَنَّهُ صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، ثُمَّ صَلَّى الصُّبْحَ۔ [2]

---

[1] (صحیح ابن خزیمة ج۵، ص ۲۰، رقم ۱۱۹۶)

[2] (مصنف ابن ابی شیبة، ج ۱، ص ۳۴۲، رقم ۳۹۲۹)

حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ قَابُوسَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: «أَمَّا مَا لَمْ يَدَعْ صَحِيحًا وَلَا مَرِيضًا فِي سَفَرٍ، وَلَا حَضَرٍ غَائِبًا وَلَا شَاهِدًا، تَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ۔[1]

روایۃ عمرو بن امیۃ الضمری رضی اللہ عنہ

حَدَّثَنَا عَبَّاسٌ الْعَنْبَرِيُّ، ح وَحَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ وَهَذَا لَفْظُ عَبَّاسٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيدَ حَدَّثَهُمْ، عَنْ حَيْوَةَ بْنِ شُرَيْحٍ، عَنْ عَيَّاشِ بْنِ عَبَّاسٍ يَعْنِي الْقِتْبَانِيَّ، أَنَّ كُلَيْبَ بْنَ صُبْحٍ، حَدَّثَهُمْ أَنَّ الزِّبْرِقَانَ حَدَّثَهُ، عَنْ عَمِّهِ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ الضَّمْرِيِّ، قَالَ: كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ فَنَامَ عَنِ الصُّبْحِ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: «تَنَحَّوْا عَنْ هَذَا الْمَكَانِ»، قَالَ: «ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ، ثُمَّ تَوَضَّئُوا وَصَلَّوْا رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، ثُمَّ أَمَرَ بِلَالًا فَأَقَامَ الصَّلَاةَ فَصَلَّى بِهِمْ صَلَاةَ الصُّبْحِ واقر الالبانی بصحۃ الحدیث۔[2]

روایۃ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ عَطَاءٍ، أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الْحَسَنِ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي سَفَرٍ فَنَامَ عَنِ الصُّبْحِ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَاسْتَيْقَظَ فَأَمَرَ فَأُذِّنَ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ انْتَظَرَ حَتَّى اسْتَقَلَّتْ، ثُمَّ أَمَرَ فَقَامَ فَصَلَّى واقر شعیب الارتؤوط: بصحۃ الحدیث۔[3]

روایۃ بلال رضی اللہ عنہ

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحِيمِ، وَالْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ، قَالَا: نا عَبْدُ الصَّمَدِ بْنُ النُّعْمَانِ، قَالَ: نا أَبُو جَعْفَرٍ الرَّازِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ بِلَالٍ: «أَنَّهُمْ نَامُوا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا حِينَ قَامُوا فَأَذَّنَ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَقَامَ بِلَالٌ فَصَلَّى بِهِمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةً بَعْدَ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ۔[4]

روایۃ ابن عباس رضی اللہ عنہما

حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ، حَدَّثَنَا عَبِيدَةُ بْنُ حُمَيْدٍ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي زِيَادٍ، عَنْ تَمِيمِ بْنِ سَلَمَةَ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَعْرَسَ مِنَ اللَّيْلِ فَرَقَدَ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ إِلَّا بِالشَّمْسِ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ". قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَمَا يَسُرُّنِي بِهِ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا - يَعْنِي الرُّخْصَةَ۔[5]

---

1 (سنن ابی داود، ج ۱، ص ۵۷ ۱، رقم ۴۴۴)

2 (مسند احمد بن حنبل، ج ۴، ص ۴۴۴، رقم ۲۰۰۰۵)

3 (والحدیث اخرجہ: الدار قطنی فی سننہ، ج ۱، ص ۸۳۷، رقم ۳)

4 (مسند البزار، ج ۴، ص ۱۹۹، رقم ۱۳۶۱)

5 (مسند ابی یعلی الموصلی، ج ۵، ص ۴۳۰، رقم ۳۲۲۱)

روایۃ ابی مریم، رضی اللہ عنہ

۱۰۲۔ حَدَّثَنَا طَالِبُ بْنُ قُرَّةَ الْأَذَنِيُّ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عِيسَى الطَّبَّاعُ، ثنا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ أبيه قَالَ: «كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ، فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فَنَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» فَأَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ وَتَوَضَّأُوا وَصَلُّوا رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَقَامَ بِلَالٌ فَصَلَّى بِنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ حَدَّثَنَا بِمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ۔

۱۰۲۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِسْحَاقَ بْنِ رَاهَوَيْهِ، ثنا أَبِي، وَحَدَّثَنَا الْحُسَيْنُ بْنُ إِسْحَاقَ التُّسْتَرِيُّ، ثنا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَا: ثنا جَرِيرٌ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ أبيه قَالَ: «نَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِ الصُّبْحِ، فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ حَتَّى طَلَعَتِ الشَّمْسُ، فَاسْتَيْقَظَ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَأَذَّنَ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ أَمَرَ فَصَلَّى الْفَجْرَ۔[1]

وکذا ذکر البخاری تعلیقا فی، باب من تطوع فی السفر فی غیر دبر الصلوات وقبلھا (رکع النبی ﷺ رکعتی الفجر فی السفر)۔[2]

وقال ابو السعادات ابن الاثیر: فی روایۃ ذکرھا رزین، قال: "کان رسول اللہ ﷺ لا یدع رکعتی الفجر فی السفر، وکان یصلی علی الدابۃ حیثما توجھت بہ فی سفر القصر"۔[3]

الثانی: قد ثبت الرکعتین قبل الظھر من النبی ﷺ فی السفر

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِي بُسْرَةَ الْغِفَارِيِّ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: «صَحِبْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا، فَمَا رَأَيْتُهُ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ۔

والحدیث ضعفہ الالبانی فی ضعیف ابی داود وضعیف ترمذی وکذا ضعفہ شعیب الارنؤوط فی تعلیقہ علی مسند احمد وقال: اسنادہ ضعیف لجھالۃ ابی بسرۃ لکن لعداوتھما مع السنۃ النبویۃ فقد ظلما وتعصبا فی ذالک لان الحدیث غریب کما قال الترمذی لکن الغربۃ لا تنافی الصحۃ ورجال السند رجال الصحیحین سوی ابی بسرۃ الغفاری، وابو بسرۃ ذکرہ العجلی وابن حبان فی الثقات۔ (انظر: تحقیق الرواۃ)[4]

الراوی الاول: قتیبۃ بن سعید بن جمیل بن طریف الثقفی، ابو رجاء البلخی البغلانی، یقال اسمہ یحیی، وقیل علی المولد: ۱۴۹ھ او ۱۵۰ن بقرقشندۃ، الطبقۃ: ۱۰: من کبار اتباع التابعین الوفاۃ: ۲۴۰ھ۔

روی لہ: (البخاری، مسلم، ابو داود، الترمذی، النسائی، ابن ماجہ) فھو من رجال البخاری ومسلم۔

---

1 (المعجم الکبیر، ج ۱۹، ص ۲۷۴، والحدیث اخرجہ ابن ابی عاصم فی الآحاد والمثانی، ج ۴، ص ۱۵۳، رقم ۱۳۵۱)

2 (انظر: صحیح البخاری، ج ۱، ص ۳۷۲)

3 (جامع الاصول من احادیث الرسول ج ۵، ص ۳۳۸۰)

4 (سنن ابی داود، ج ۱، ص ۳۹۰، رقم ۱۲۲۲)

الراوی الثالث:صفوان بن سلیم المدنی، ابو عبداللہ وقیل ابو الحارث القرشی الزھری مولاھم، الفقیہ، المولد: ۶۰ھ، الطبقۃ: ۴:طبقۃ تلی الوسطی من التابعین الوفاۃ: ۱۳۲ھ۔

روی لہ:(البخاری، مسلم، ابو داود، الترمذی، النسائی، ابن ماجہ)فھو من رجال البخاری ومسلم۔

الراوی الرابع:ابو بسرۃ الغفاری المدنی الطبقۃ: ۴:طبقۃ تلی الوسطی من التابعین۔

روی لہ:(ابو داود، الترمذی)[1]

۵۵۰۔حدثنا قتیبۃ بن سعد حدثنا اللیث بن سعد عن صفوان بن سلیم عن ابی بسرۃ الغفاری عن البراء بن عازب قال:صحبت رسول اللہ ﷺ ثمانیۃ عشر سفرا فما رأیتہ ترک الرکعتین اذا زاغت الشمس قبل الظھر۔

وفی الباب عن ابن عمر قال ابو عیسی حدیث البراء حدیث غریب۔

قال وسألت محمدا عنہ فلم یعرفہ الا من حدیث اللیث بن سعد ولم یعرف اسم ابی بسرۃ الغفاری ورآہ حسنا۔

وروی عن ابن عمر ان النبی ﷺ کان لا یتطوع فی السفر قبل الصلاۃ ولا بعدھا۔

وروی عنہ عن النبی ﷺ انہ کان یتطوع فی السفر۔

ثم اختلف اھل العلم بعد النبی ﷺ۔

فرأی بعض اصحاب النبی ﷺ ان یتطوع الرجل فی السفر وبہ یقول احمد واسحاق۔

ولم تر طائفۃ من اھل العلم ان یصلی قبلھا ولا بعدھا۔

ومعنی من لم یتطوع فی السفر قبول الرخصۃ ومن تطوع فلہ فی ذلک فضل کثیر وھو قول اکثر اھل العلم یختارون التطوع فی السفر۔[2]

واخرج ابو نعیم

حدثنا احمد بن القاسم بن الریان ثنا محمد بن غالب ثنا قبیصۃ ثنا سفیان الثوری عن اسامۃ بن زید عن الحسن بن مسلم عن طاوس عن ابن عباس انہ سئل عن التطوع فی السفر فقال سن رسول اللہ ﷺ فی الحضر الظھر اربعا وفی السفر رکعتین فکنا نصلی قبلھا وبعدھا فی الحضر ونصلی فی السفر۔[3]

الثالث:وقد ثبت الرکعتین بعد الظھر من النبی ﷺ فی السفر۔

حدثنا علی بن حجر حدثنا حفص بن غیاث عن الحجاج عن عطیۃ عن ابن عمر قال:صلیت مع النبی ﷺ الظھر فی السفر رکعتین وبعدھا رکعتین۔[4]

---

[1] (ذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات: ۵/۵۷۳،وذکرہ العجلی فی ثقاتہ، قال: مدنی، تابعی، ثقۃ، انظر: تھذیب الکمال للمزی، ج۳۳، ص۷۵، والحدیث ذکری الترمذی فی سننہ سنن الترمذی، ج۲، ص۴۳۵)

[2] (والحدیث ذکرہ: احمد بن حنبل فی سننہ، ج۴، ص۲۹۲، رقم۱۸۶۰۶، وابن خزیمۃ فی صحیحہ، ج۲، ص۲۴۴، رقم۱۲۵۳، والحاکم فی المستدرک، ج۱، ص۴۶۰، رقم۱۱۸۷۔ھذا حدیث صحیح علی شرط الشیخین، ولم یخرجاہ)

[3] (حلیۃ الاولیاء ج۷، ص۱۱۸)

[4] (سنن الترمذی، ج۲، ص۴۳۷، رقم۵۵۱)

قال ابو عیسی هذا حدیث حسن۔ وقد رواه ابن ابی لیلی عن عطیة و نافع عن ابن عمر۔
و الحدیث و ان جعله ابن خزیمة من الاعجوبة فی صحیحه لکن حسنه الترمذی، و لیس فی سنده من اتفق علی ضعفه۔

انظر: تحقیق الرواۃ۔

الراوی الاول: علی بن حجر بن ایاس السعدی، ابو الحسن المروزی (نزیل بغداد ثم مرو) الطبقة: ۹: من صغار اتباع التابعین الوفاة: ۲۴۴ھ۔

روی له: (البخاری، مسلم، الترمذی، النسائی) فهو من رجال البخاری و مسلم۔

الراوی الثانی: حفص بن غیاث بن طلق بن معاویة بن مالک بن الحارث النخعی، ابو عمر الکوفی (قاضیها، وولی القضاء ببغداد ایضا الطبقة: ۸: من الوسطی من اتباع التابعین الوفاة: ۱۹۴ او ۱۹۵ھ۔

روی له: (البخاری، مسلم، ابو داود، الترمذی، النسائی، ابن ماجه) فهو من رجال البخاری و مسلم۔

الراوی الثالث: حجاج بن ارطاة بن ثور بن هبیرة بن شراحیل بن کعب بن سلامان بن عامر بن حارثة بن سعد بن مالک النخعی ابو ارطاة الکوفی القاضی الطبقة: ۷: من کبار اتباع التابعین الوفاة: ۱۴۵ھ بخراسان، وقیل: الری۔

روی له: (البخاری فی الادب المفرد، مسلم، ابو داود، الترمذی، النسائی، ابن ماجه) فهو من رجال البخاری و مسلم۔ وروی له البخاری فی الادب المفرد۔ و مع ذالک فهو لیس بمتفرد فی ذالک بل فراس فی روایة حسن بن صالح عنه عن عطیة العوفی عند احمد و کذا ابن ابی لیلی فی روایة علی بن هاشم عنه عن عطیة عند الترمذی متابعان له، فی حدیث مطول۔

الراوی الرابع: عطیة بن سعد بن جنادة العوفی الجدلی القیسی الکوفی، ابو الحسن الطبقة: ۳: من الوسطی من التابعین الوفاة: ۱۱۱ھ۔

روی له: (البخاری فی الادب المفرد، ابو داود، الترمذی، ابن ماجه) فعطیة و ان ضعفه احمد بن حنبل و هشیم و سفیان وقال ابو زرعة فی حقه: لیین الحدیث۔ لکن: قال یحیی بن معین فی حقه: حدیث عطیة صالح۔

و کذا ذکره الامام العجلی فی کتاب الثقات وقاف: عطیة العوفی کوفی تابعی ثقة۔[1]

ناعبد الرحمن قال قرئ علی العباس بن محمد الدوری قال قیل لیحیی بن معین کیف حدیث عطیة؟ قال صالح۔

کذا فی میزان الاعتدال (ج۳، ص ۸۰) وتهذیب الکمال (ج ۲۰، ص ۱۴۷) وفی الثقات للعجلسی (ج ۲، ص ۱۲۵۵، ۱۴۰) عطیة العوفی کوفی تابعی ثقة ولیس بالقوی۔

فعطیة مع ضعفه یکتب حدیثه۔

کما قال ابن عدی فی الکامل فی الضعفاء (ج ۵، ص ۳۶۹)

۱۵۳۰۔ ولعطیة عن ابی سعید الخدری احادیث عداد عن غیر ابی سعید و هو مع ضعفه یکتب حدیثه۔

[1] (انظر: الجرح و التعدیل، ج۶، ص ۳۸۳)

وقال ابو عیسی هذا حدیث حسن۔

مع ان عطية العوفی لیس بمتفرد فی تلک الروایة بل نافع فی روایة ابن ابی لیلی عنه عن ابن عمر متابع له۔ فی حدیث مطول۔ ونافع ابو عبدالله المدنی (قیل ان اصله من المغرب وقیل من نیسابور وقیل غیر ذلک) مولی عبدالله بن عمر بن الخطاب القرشی الطبقة: ۳: من الوسطی من التابعين الوفاة: ۱۱۷ھ او بعد ذلک۔

روی له: روی له: (البخاری، مسلم، ابو داود، الترمذی، النسائی، ابن ماجه)

رتبته عند ابن حجر: ثقة ثبت فقيه مشهور۔

رتبته عند الذهبی: من ائمة التابعين واعلامهم۔

الرابع: وقد ثبت الركعتين بعد المغرب من النبی ﷺ فی السفر

۵۶۳۴۔ حدثنا يحيى بن آدم، حدثنا حسن، يعنی ابن صالح، عن فراس، عن عطية العوفی، عن ابن عمر قال: صليت مع رسول الله ﷺ فی الحضر والسفر فصلى الظهر فی الحضر اربعا وبعدها ركعتين، وصلى العصر اربعا وليس بعدها شیء، وصلى المغرب ثلاثا وبعدها ركعتين، والعشاء ركعتين وبعدها ركعتين۔[1]

والحديث اخرجه: البغوی فی شرح السنة (ج ۱، ص ۲۴۸) والطحاوی فی شرح معانی الآثار (ج ۱، ص ۴۱۸، رقم ۲۲۳۶) ومحمد بن نصر المروزی فی قيام الليل (ج ۱، ص ۵۵، رقم ۴۵) والطرسوسی فی مسنده (ج ۱، ص ۲، رقم ۱) وابن الاعرابی فی معجمه (ج ۲، ص ۸۵، رقم ۵۸۴) والترمذی فی سننه (ج ۲، ص ۴۵۰، رقم ۵۵۵) باختصار۔ وقال هذا حديث حسن۔

انظر: تحقيق الرواة۔

فرجال السند منهم يحيى بن آدم وفراس فهما من رجال الصحيحين واما حسن، ابن صالح فروی عنه البخاری فی الادب المفرد ومسلم فی صحيحه واما عطية العوفی فقد ذكر ترجمته فی مبحث الركعتين بعد الظهر مع انه ليس بمتفرد فی ذالک بل نافع فی رواية محمد، عنه عن ابن عمر عند ابن الاعرابی وكذا فی رواية ابن ابی ليلى عنه عن ابن عمر عند الترمذی متابع له۔

الخامس: وقد ثبت الركعتين بعد العشاء من النبی ﷺ فی السفر

حدثنا عبد الله حدثنی ابی ثنا يحيى بن آدم ثنا حسن يعنی بن صالح عن فراس عن عطية العوفی عن بن عمر قال: صليت مع رسول الله ﷺ فی الحضر والسفر فصلى الظهر فی الحضر اربعا وبعدها ركعتين وصلى العصر اربعا وليس بعدها شیء وصلى المغرب ثلاثا وبعدها ركعتين وصلى العشاء اربعا وصلى فی السفر الظهر ركعتين وبعدها ركعتين والعصر ركعتين وليس بعدها شیء والمغرب ثلاثا وبعدها ركعتين والعشاء ركعتين وبعدها ركعتين۔[2]

والحديث مع ذكر سنده ومسنده ذكر انفا۔

---

[1] (مسند احمد، ج ۲، ص ۹۰)

[2] (مسند احمد، ج ۲، ص ۹۰، رقم ۵۶۳۴)

هذه من السنن الرواتب اما غير الرواتب من التطوع ليلا ونهارا فقد ثبت منه عليه السلام فی السفر۔

۱۔صلاة الضحى من التطوعات النهارية فقد ثبتت منه عليه السلام۔

حدثنا ابو الوليد حدثنا شعبة عن عمرو عن ابن ابی ليلى ما اخبرنا احد انه رأى النبیﷺ يصلی الضحى غير ام هانی فانها ذكرت: انه يوم فتح مكة اغتسل فی بيتها ثم صلى ثمانی ركعات قالت لم اره صلى صلاة اخف منها غير انه يتم الركوع والسجود۔[1]

وقال ابن حجر فی شرحه فی فتح الباری

قوله ما اخبرنا احد انه رأى النبیﷺ صلى الضحى غير ام هانی هذا لا يدل على نفی الوقوع لان عبد الرحمن بن ابی ليلى انما نفى ذلك عن نفسه واما قول بن بطال لا حجة فی قول بن ابی ليلى وترد عليه الاحاديث الواردة فی انه صلى الضحى وامر بها ثم ذكر منها جملة فلا يرد على بن ابی ليلى شیء منها وسياتی الكلام على صلاة الضحى فی باب مفرد فی ابواب التطوع والمقصود هنا انهﷺ صلاها يوم فتح مكة وقد تقدم فی حديث بن عباس انه كان حينئذ يقصر الصلاة المكتوبة وكان حكمه حكم المسافر۔[2]

۲۔وثبت قيام الليل من النبیﷺ فی السفر۔

۶۳۵۔قال ابو يعلى، حدثنا الازرق بن علی، ثنا حسان بن ابراهيم، ثنا يوسف، عن ابی اسحاق، عن حارثة بن مضرب، عن علی، رضی الله عنه قال: "لما اصبح رسول اللهﷺ ببدر من الغد احيا تلك الليلة كلها، وهو مسافر۔[3]

۳۔وثبت التطوع فی السفر على الراحلة من النبیﷺ۔

۲۷۳۷۔حدثنا محمد بن صالح، قال: ثنا محمد بن يحيى بن الضريس، قال: ثنا محمد بن فضيل، عن عبد الملك بن ابی سليمان، عن سعيد بن جبير، عن ابن عمر، انه قال: "نزلت هذه الآية فاينما تولوا فثم وجه الله الآية، ان تصلی حيثما توجهت بك راحلتك فی السفر تطوعا، كان رسول اللهﷺ اذا رجع من مكة يصلی على راحلته تطوعا، يومی ايماء نحو المدينة۔[4]

والصلاة على الراحلة الى ای جهة شاء مسئلة مستقلة لا نطول الكتاب بذكرها۔

۱۔حدثنا عبد الوهاب بن يسى بن ابی حية نا ابی ثنا اسحاق بن ابی اسرائيل ثنا ربعی بن الجارود الهذلی ثنا عمرو بن ابی الحجاج حدثنی الجارود بن ابی سبرة حدثنی انس بن مالك: ان رسول اللهﷺ كان اذا سافر فاراد ان يتطوع للصلاة استقبل بناقته القبلة فكبر۔[5]

۴۔وقد ثبت الركعتين عند توديع المنازل من النبیﷺ فی السفر۔

---

1 (صحيح البخاری، ج۴، ص ۱۵۶۲، رقم ۴۰۴۱)

2 (فتح الباری ج ۲، ص ۵۷۹، رقم ۱۰۵۲)

3 (المطالب العالية للحافظ ابن حجر العسقلانی، ج ۲، ص ۲۹۹)

4 (الاوسط لابن المنذر، ج۸، ص ۳۵۲)

5 (سنن الدارقطنی، ج ۱، ص ۳۹۵)

حدثنا محمد بن ابی صفوان الثقفی، نا عبد السلام بن هاشم، نا عثمان بن سعد الکاتب، و کان لہ مروءۃ و عقل، عن انس بن مالک قال: ''کان النبی ﷺ لا ینزل منزلا الا ودعہ برکعتین۔[1]

و قد ثبت من الصحابۃ انھم کانوا یسافرون فیتطوعون قبل المکتوبۃ و بعدھا

الاول: عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کان یتطوع فی السفر۔

حدثنا شریک عن جابر عن سالم ان النبی ﷺ و عمر کانا یتطوعان فی السفر۔[2]

الثانی: علی المرتضی رضی اللہ عنہ کان یتطوع فی السفر۔

حدثنا اسماعیل، قال: ثنا ابو بکر، قال: ثنا وکیع، عن اسرائیل، عن ابی اسحاق، عن عاصم، ان علیا کان یتطوع فی السفر۔[3]

و اما ما رواہ عبد الرزاق فی مصنفہ (ج ۲، ص ۵۵۷، رقم ۴۴۴۴) عن اسرائیل بن یونس عن ثویر بن ابی فاختۃ ان علیا کان لا یتطوع فی السفر قبلھا و لا بعدھا ففی سندہ (ثویر بن ابی فاختۃ) فھو ضعیف، واہ، حتی رمی بالرفض والکذب۔

انظر: اقوال الائمۃ فیہ:

۱۔ قال محمد بن عثمان بن ابی صفوان الثقفی، عن ابیہ: قال سفیان الثوری: کان ثویر من ارکان الکذب۔

۲۔ وقال عباس الدوری، عن یحیی بن معین: لیس بشیء۔

۳۔ وقال معاویۃ بن صالح و ابو بکر بن ابی خیثمۃ، عن یحیی: ضعیف۔

۴۔ وقال ابراھیم بن یعقوب الجوزجانی: ضعیف الحدیث۔

۵۔ وقال ابو زرعۃ: لیس بذاک القوی۔

۶۔ وقال ابو حاتم: ضعیف، مقارب لھلال بن خباب، و حکیم بن جبیر۔

۷۔ وقال النسائی: لیس بثقۃ۔

۸۔ وقال الدارقطنی: متروک۔

۹۔ وقال ابو احمد بن عدی: قد نسب الی الرفض، ضعفہ جماعۃ۔ و اثر الضعف بین علی روایاتہ و ھو الی الضعف اقرب منہ الی غیرہ۔ قال الحافظ فی تھذیب التھذیب ۲/۳۶:

۱۰۔ وقال البخاری فی التاریخ الاوسط: کان ابن عیینۃ یغمزہ۔

۱۱۔ وحکی الساجی فی الضعفاء، عن ایوب السختیانی: لم یکن مستقیم الشأن۔

۱۲۔ وقال ابو احمد الحاکم: لیس بالقوی عندھم۔

---

[1] (صحیح ابن خزیمۃ، ج ۵، ص ۱۸، رقم ۱۱۹۵)

[2] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۱، ص ۳۳۵، رقم ۳۸۴۸، و اخرجہ ابن نصر المروزی فی قیام اللیل (ج ۱، ص ۳۱۶، رقم ۲۵۵) بسندہ عن سالم عن ابیہ)

[3] (الاوسط لابن المنذر، ج ۸، ص ۳۳۶، رقم ۲۷۲۵)

۱۳۔وقال یعقوب بن سفیان: لین الحدیث۔

۱۴۔وقال علی بن الجنید: متروک۔

۱۵۔وقال ابن حبان: کان یقلب الاسانید حتی یجیء فی روایته اشیاء کانها موضوعة۔

۱۶۔وحکی ابن الجوزی فی الضعفاء، عن الجوزجانی انه قال: لیس بثقة۔ وذکره العقیلی وابن الجارود وابو العرب الصقلی وغیرهم فی الضعفاء۔

الثالث: عبدالله ابن عباس رضی الله عنه کان یتطوع فی السفر۔

حدثنا حفص عن لیث عن مجاهد عن ابن عباس انه کان یتطوع فی السفر۔[1]

الرابع: عبدالله ابن مسعود رضی الله عنه کان یتطوع فی السفر۔

۲۷۲۸۔ حدثنا علی بن الحسن، قال: ثنا عبد الله، عن سفیان، عن حماد، عن ابراهیم، قال: کان عمر، وعبد الله یتطوعان فی السفر۔[2]

الخامس: انس بن مالک رضی الله عنه کان یتطوع فی السفر۔

حدثنا محمد بن عبد الله الحضرمی ثنا عثمان بن ابی شیبة ثنا حفص بن غیاث عن ابی الیمان قال: رأیت انس بن مالک یتطوع فی السفر۔

وزاد ابن المنذر یتطوع فی السفر قبل الصلاۃ وبعدها۔[3]

حدثنا علی ابن عبد العزیز، قال: ثنا حجاج، قال: ثنا حفص بن غیاث، قال: ثنا داود ابو الیمان، قال: رأیت انس بن مالک یتطوع فی السفر قبل الصلاۃ وبعدها۔[4]

السادس: ام المؤمنین عائشة رضی الله عنها کانت تتطوع فی السفر۔

حدثنا وکیع عن یزید عن بن سیرین ان ام المؤمنین کانت تتطوع فی السفر۔[5]

السابع: جابر بن عبد الله رضی الله عنه کان یتطوع فی السفر۔

۲۷۲۲۔ حدثنی ابراهیم بن عبد الله، قال: اخبرنا یزید بن هارون، قال: اخبرنا حمید، عن محمد بن قیس، قال: دخلت علی جابر بن عبد الله وهو یتطوع فی السفر۔[6]

الثامن: ابو ذر الغفاری رضی الله عنه کان یتطوع فی السفر۔[7]

---

1 (مصنف ابن ابی شیبة، ج ۱، ص ۳۳۴، رقم ۳۸۳۳، وکذا اخرجه ابن المنذر فی الاوسط، ج ۸، ص ۳۳۵، رقم ۲۷۲۴)

2 (الاوسط لابن المنذر، ج ۸، ص ۳۳۹، واخرجه عبد الرزاق فی مصنفه، ج ۲، ص ۵۵۹، رقم ۴۴۵۴)

3 (المعجم الکبیر للطبرانی، ج ۱، ص ۲۴۵، رقم ۶۹۰)

4 (انظر: الاوسط لابن المنذر، ج ۸، ص ۳۳۴، رقم ۲۷۲۳، وکذا اخرج الدولابی فی الکنی والاسماء، ج ۲، ص ۳۴۵، رقم ۱۶۰۷)

5 (مصنف ابن ابی شیبة، ج ۱، ص ۳۳۴، رقم ۳۸۳۷)

6 (الاوسط لابن المنذر، ج ۸، ص ۳۳۳)

7 (واخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه، ج ۱، ص ۳۳۴، رقم ۳۸۳۴)

حدثنا اسماعیل، قال: ثنا ابو بکر، قال: ثنا حفص بن غیاث، عن لیث، عن مجاهد، ان ابا ذر، و عمر، کانا یتطوعان فی السفر۔[1]

حدثنا اسماعیل، قال: ثنا ابو بکر، قال: ثنا حفص بن غیاث، عن لیث، عن مجاهد، ان ابا ذر، و عمر، کانا یتطوعان فی السفر۔[2]

و قال الحسن البصری رحمه الله کان اصحاب رسول الله ﷺ یتطوعون فی السفر۔

حدثنا یحیی بن محمد، قال: ثنا احمد بن یونس، قال: ثنا زائدة، عن هشام، عن الحسن، قال: کان اصحاب رسول الله ﷺ یسفرون، فیتطوعون قبل المکتوبة و بعدها۔[3]

هذا رأی الصحابة رضوان الله تعالیٰ علیهم اجمعین فی التطوع فی السفر الذین قال الله تعالیٰ فی حقهم: (و السابقون الاولون من المهاجرین و الانصار و الذین اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم و رضوا عنه و اعد لهم جنات تجری تحتها الانهار خالدین فیها ابدا ذالک الفوز العظیم۔ التوبة/۱۰۰۔

و قد ثبت من التابعین و تبعهم انهم کانوا یتطوعون فی السفر

الاول: القاسم بن محمد رحمه الله کان یتطوع فی السفر۔

عبد الرزاق عن معمر عن ایوب قال رأیت انا القاسم بن محمد یتطوع فی السفر۔[4]

الثانی: طاوس رحمه الله کان یتطوع فی السفر۔

عبد الرزاق عن بن جریج و معمر عن بن طاؤوس عن ابیه انه کان یتطوع فی السفر کما یتطوع فی الحضر و کان یجمع بین الصلاتین۔[5]

حدثنا ربیع المؤذن، قال: ثنا اسد، قال: ثنا حاتم بن اسماعیل، قال: ثنا اسامة بن زید، قال: سألت طاؤسا عن التطوع فی السفر۔

فقال: و ما یمنعک؟ فقال الحسن بن مسلم: انا احدثک، انا سألت طاوسا عن هذا فقال: قال ابن عباس رضی الله عنهما: قد فرض لرسول الله ﷺ الصلاة فی الحضر اربعا، و فی السفر رکعتین، فکما یتطوع هاهنا قبلها و من بعدها، فکذلک یصلی فی السفر قبلها و بعدها۔[6]

الثالث: الشعبی رحمه الله کان یتطوع فی السفر۔

---

1 (الاوسط لابن المنذر، ج۸، ص۳۳۸، رقم۲۷۲۷)

2 (الاوسط لابن المنذر، ج۸، ص۲۲۸ رقم۲۷۲۷)

3 (الاوسط لابن المنذر، ج۸، ص۳۴۰، رقم۲۷۲۹)

4 (مصنف عبد الرزاق، ج۲، ص۵۵۹، رقم۴۴۵۸)

5 (مصنف عبد الرزاق، ج۲، ص۵۵۹، رقم۴۴۵۳)

6 (وفی شرح معانی الآثار، ج۲، ص۲۴۶)

عبدالرزاق عن اسرائیل عن عیسی بن ابی عزة قال رأیت عامرا الشعبی یتطوع فی السفر قبلها و بعدها۔[1]

الرابع: مکحول رحمہ اللہ کان یتطوع فی السفر۔

عبدالرزاق عن محمد بن راشد قال رایت مکحولا یتطوع فی السفر قبلها و بعدها۔[2]

الخامس: عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کان یتطوع فی السفر۔

عبدالرزاق عن ابن جریج عن عطاء قلت اذا سافرت فقصرت الصلاة اصلی قبلها ان شئت او بعدها قال نعم آخذ بالرخصة و السنة فاقصر ثم احب زیادة الخیر فاتطوع۔[3]

السادس: سفیان الثوری رحمہ اللہ کان یتطوع فی السفر۔

قال عبدالرزاق و رأیت انا الثوری یتطوع قبلها و بعدها، (فی السفر)۔[4]

السابع: ایوب رحمہ اللہ کان یتطوع فی السفر۔

۴۴۵۱۔ عبد الرزاق عن معمر قال سافرت مع ایوب فکان لا یتطوع فی الظهر و العصر بشیء لا یزید علی رکعتین رکعتین غیر انه کان یصلی قبل الفجر رکعتین و بعد المغرب رکعتین و کان یصلی رکعات بعد العشاء و کان یوتر قبل ان ینام۔[5]

الثامن: الاسود بن یزید رحمہ اللہ کان یتطوع فی السفر۔

حدثنا حفص عن حجاج عن عبد الرحمن بن الاسود ان اباه کان یتطوع فی السفر و ان عبد اللہ کان یتطوع فی السفر۔[6]

التاسع: ابراهیم النخعی رحمہ اللہ کان یتطوع فی السفر۔

حدثنا هشیم عن یونس عن الحسن و عن مغیرة عن ابراهیم انهما لم یکونا یریان بأسا بالتطوع فی السفر قبل الصلاة و لا بعدها۔[7]

العاشر: الحسن البصری رحمہ اللہ کان یتطوع فی السفر۔

حدثنا وکیع عن الربعی عن الحسن قال وافقنا اصحاب محمد فکانوا یصلون قبل الفریضة و بعدها یعنی فی السفر۔[8]

الحادی عشر: عروة بن الزبیر رحمہ اللہ کان یتطوع فی السفر۔

---

1 (مصنف عبدالرزاق، ج ۲، ص ۵۵۹، رقم ۴۴۵۵)

2 (مصنف عبدالرزاق، ج ۲، ص ۵۶۰، رقم ۴۴۵۶)

3 (مصنف عبدالرزاق، ج ۲، ص ۵۵۹، رقم ۴۴۵۲)

4 (مصنف عبدالرزاق، ج ۲، ص ۵۶۰، رقم ۴۴۵۷)

5 (مصنف عبدالرزاق، ج ۲، ص ۵۵۸)

6 (مصنف ابن ابی شیبة، ج ۱، ص ۳۳۴، رقم ۳۸۳۲)

7 (مصنف ابن ابی شیبة، ج ۱، ص ۳۳۴، رقم ۳۸۲۸)

8 (مصنف ابن ابی شیبة، ج ۱، ص ۳۳۵، رقم ۳۸۴۴)

حدثنا حاتم بن اسماعیل عن ھشام بن عروۃ قال وکان ابی یصلی علی اثر المکتوبۃ فی السفر۔[1]

الثانی عشر: عمرو بن میمون وابو وائل رحمھما اللہ کانا یتطوع فی السفر۔

حدثنا غندر عن شعبۃ عن اشعث قال صحبت ابی والاسود بن یزید وعمرو بن میمون وابا وائل فکانوا یصلون رکعتین ثم یصلون بعدھا رکعتین، (فی السفر)۔[2]

الثالث عشر: الھارث بن سوید وجابر بن زید رحمھما اللہ کانا یتطوعان فی السر۔

وممن روی عنہ انہ کان یتطوع فی السفر القاسم بن محمد، والاسود بن یزید، والحارث بن سوید، وعطاء بن ابی رباح، وطاوس، والشعبی، ومکحول، والحسن البصری، والنخعی، وعروۃ بن الزبیر، وعمرو بن میمون، وجابر بن زید، وابو وائل، وھو قول مالک، والشافعی، واحمد بن حنبل، واسحاق، وابی ثور، واصحاب الرأی۔[3]

التطوع فی السفر علی رأی الفقھاء والمحدثین

۱۔ العرف الشذی للکشمیری الحنفی من العلماء الدیوبندیۃ:

وفي البحر: عَمَلُ محمد بن الحسن أنه كان لا يصلي الرواتب إذا كان في حال السير، وكان يصليها في حال النزول۔[4]

۲۔ اختلف فی السنن فقیل الافضل ھو الترک ترخصا، وقیل الفعل تقربا۔

وقال الھندوانی الفعل حال النزول والترک حال السیر، وقیل یصلی سنۃ الفجر خاصۃ، وقیل سنۃ المغرب ایضا، کذا فی المحیط۔[5]

۳۔ واختلفوا فی ترک السنن فی السفر فقیل: الافضل ھو الترک ترخیصا وقیل الفعل تقربا وقال الھندوانی: الفعل حال النزول والترک حال السیر، وقیل یصلی سنۃ الفجر خاصۃ، وقیل سنۃ المغرب ایضا، وفی التجنیس والمختار انہ ان کان حال امن وقرار یاتی بھا لانھا شرعت مکملات والمسافر الیہ محتاج، وان کان حال خوف لا یاتی بھا لانہ ترک بعذر۔[6]

۴۔ اختلفوا فی ترک السنن فقیل: الافضل ھو الترک ترخصا وقیل الفعل تقربا وقیل الفعل نزولا والترک سیرا والمختار الفعل امنا والترک خوفا لانھا شرعت لاکمال الفرض والمسافر محتاج الیہ وتستثنی منہ سنۃ الفجر عند البعض وقیل: سنۃ المغرب۔[7]

---

1. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۱، ص ۳۳۵، رقم ۳۸۴۳)
2. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۱، ص ۳۳۵، رقم ۳۸۴۶)
3. (الاوسط لابن المنذر، ج۸، ص ۴۰۳)
4. (العرف الشذی للکشمیری، ج ۲، ص ۸۸)
5. (درر الحکام شرح غرر الاحکام، ج ۲، ص ۱۰۳)
6. (البحر الرائق شرح کنز الدقائق ج۵، ص ۸۸)
7. (مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، ج ۲، ص ۱۷)

۵۔ وجوز بعض الحنفية للمسافر ترک السنن، والمختار عندهم انه لا یاتی بها فی حال الخوف، ویاتی بها فی حال القرار والامن۔

وعند الحنابلة يخير المسافر بين فعل الرواتب، وتركها الا فی سنة الفجر والوتر فيحافظ عليهما سفرا وحضرا۔[1]

۶۔(ویاتی المسافر بالسنن) ای الرواتب، قوله: (هو المختار) وقيل الافضل الترک ترخيصا، وقيل الفعل تقربا۔ وقال الهندوانی: الفعل حال النزول، والترک حال السير۔ وقيل يصلی سنة الفجر خاصة، وقيل سنة المغرب ايضا۔ بحر۔

قال فی شرح المنية: والاعدل ماقاله الهندوانی۔[2]

۷۔ فی هذا الباب مسائل عديدة منها:

اداء التطوع فی السفر: قيل: لا يتطوع المسافر اصلا، ومنع البعض من ادائها فی السفر، منهم ابن تيمية، اقول: قد ثبت اداء الرواتب فی السفر عنه عليه الصلاة والسلام احيانا لكن الاكثر اداء القبلية لا البعدية، وقيل: ان الثابت منه عليه الصلاة والسلام مطلق النافلة ليلا ونهارا، وقيل: ثبت النافلة المطلقة ليلا لا نهارا، واقوال اخر فی هذه المسألة، وفی البحر: عمل محمد به الحسن انه كان لا يصلی الرواتب اذا كان فی حال السير، وكان يصليها فی حال النزول۔[3]

۸۔ وقال الترمذی اختلف اهل العلم بعد النبی فرأى بعض اصحاب النبی ان يتطوع الرجل فی السفر وبه يقول احمد واسحاق ولم تر طائفة من اهل العلم ان يصلی قبلها ولا بعدها ومعنى من لم يتطوع فی السفر قبول الرخصة ومن تطوع فله فی ذلک فضل كثير وقول اكثر اهل العلم يختارون التطوع فی السفر وقال السرخسی فی (المبسوط) والمرغينانی لا قصر فی السنن وتكلموا فی الافضل قيل الترک ترخصا وقيل الفعل تقربا وقال الهندوانی الفعل افضل فی حال النزول والترک فی حال السير قال هشام رأيت محمدا كثيرا لا يتطوع فی السفر قبل الظهر ولا بعدها (ای فی حال السير) ولا يدع ركعتی الفجر والمغرب وما رأيته يتطوع قبل العصر ولا قبل العشاء ويصلی العشاء ثم يوتر۔[4]

۹۔ قال العينی فيحمل حديث النفی على الغالب من احواله وما رواه الترمذی على انه فعله فی بعض الاوقات لبيان الاستحباب انتهى والاوجه ان يحمل حديث النفی على حالة السير وحديث الثبوت على حالة القرار كما هو المختار من مذهبنا۔[5]

---

[1] (الموسوعة الفقهية، ۲، ص ۸۹۴۰، من وزارة الاوقاف والشؤون الاسلامية بالكويت)

[2] (حاشية رد المحتار، ج۲، ص ۱۴۱)

[3] (العرف الشذی للكشميری، ج ۲، ص ۸۸، من العلماء الديوبندية)

[4] (عمدة القاری شرح صحيح البخاری للعينی، ج ۱۱، ص ۱۹۱)

[5] (شرح سنن ابن ماجه، ج ۱، ص ۷۵)

۱۰۔وقد اتفق العلماء علی استحباب النوافل المطلقة فی السفر واختلفوا فی استحباب النوافل الراتبة فترکها بن عمر وآخرون واستحبها الشافعي واصحابه والجمهور ودلیله الاحادیث العامة فی ندب الرواتب وحدیث صلاته ﷺ الضحی یوم الفتح بمکة ورکعتی الصبح حین ناموا واحادیث اخر صحیحة ولعل النبی ﷺ کان یصلی الرواتب فی رحله ولا یراه بن عمر فان النافلة فی البیت افضل ولعله ترکها فی بعض الاوقات تنبیها علی جواز ترکها۔[1]

قال الترمذي: اختلف أهل العلم بعد النبي - صلى الله عليه وسلم -، فرأى بعض أصحاب النبي - صلى الله عليه وسلم - أن يتطوع الرجل في السفر، وبه يقول أحمد وإسحاق، ولم تر طائفة أن يصلي قبلها ولا بعدها، ومعنى من لم يتطوع في السفر قبول الرخصة، ومن تطوع فله في لک فضل كثير، وهو قول أكثر أهل العلم يختارون التطوع في السفر - انتهى. قلت: والراجح عندي أن لا يترک في السفر الوتر وسنة الفجر. وأما غيرهما من الرواتب القبلية والبعدية فهي إلى خيرته، إن شاء فعلها وحصل ثوابها، وإن شاء تركها ولا شيء عليه، أعني أنها لا تبقى في حقه متأكدة كسنة صلاة الإقامة، والله أعلم. (متفق علیه)[2]

۱۱۔فصل: صلاة التطوع فی السفر:

فصل: ولا باس بالتطوع نازلا وسائرا علی الراحلة لما روی ابن عمر ان رسول الله ﷺ کان یسبح علی ظهر راحلته هیث کان وجهه یومئ براسه۔وکان ابن عمر یفعله وروی نحو ذلک جابر وانس متفق علیهن وروت ام هانی بنت ابی طالب: ان النبی ﷺ یوم فتح مکة اغتسل فی بیتها فصل ثمانی رکعات۔متفق علیه وعن علی رضی الله عنه: ان النبی ﷺ کان یتطوع فی السفر۔رواه سعید ویصلی رکعتی الفجر والوتر لان ابن عمر روی: ان النبی ﷺ کان یوتر علی بعیره ولما نام النبی ﷺ عن صلاة الفجر حتی طلعت الشمس صلی رکعتی الفجر قبلها۔متفق علیهما۔

فاما سائر السنن والتطوعات قبل الفرائض وبعدها فقال احمد: ارجو ان لا یکون بالتطوع فی السفر باس وروی عن الحسن قال: کان اصحاب رسول الله ﷺ یسافرون فیتطوعون قبل المکتوبة وبعدها۔

وروی ذلک عن عمر وعلی وابن مسعود وجابر وانس وابن عباس وابی ذر وجماعة من التابعین کثیر وهو قول مالک والشافعی واسحاق وابی ثور وابن المنزر۔۔۔ووجه الاول ما روی عن ابن عباس قال: فرض رسول الله ﷺ صلاة الحضر فکنا نصلی قبلها وبعدها وکنا نصلی فی السفر قبلها وبعدها۔رواه ابن ماجه وعن ابی بصرة الغفاری عن البراء بن عازب قال: صحب رسول الله ﷺ ثمانیة عشر سفرا فما رأیته ترک رکعتین اذا زاغت الشمس قبل الظهر۔رواه ابو داود وحدیث الحسن عن اصحاب رسول الله ﷺ قد ذکرناه فهذا یدل علی انه لا باس بفعلها وحدیث ابن عمر یدل علی انه لا باس بترکها فیجمع بین الاحادیث والله اعلم۔[3]

---

[1] (عون المعبود، ج۴، ص ۶۴)

[2] (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۴، ص ۳۹۵ باب صلاة السفر الفصل الأول)

[3] (المغنی، ج ۲، ص ۱۴۰)

۱۲۔قیل لاحمد: التطوع فی السفر؟قال: ارجو ان لا باس، واطلق ابو المعالی التخییر فی النوافل والسنن، ونقل ابن ھانی: یتطوع افضل، وجزم به فی الفصول، والمستوعب، وغیرھما، واختارہ شیخنا فی غیر الرواتب، ونقله بعضھم اجماع۔[1]

۱۳۔فائدۃ: یوتر فی السفر، ویصلی سنۃ الفجر ایضا، ویخیر فی غیرھا، ھذا المذھب، وقال الشیخ تقی الدین: یسن ترک التطوع بغیر الوتر، وسنۃ الفجر قیل للامام احمد: التطوع فی السفر؟قال: ارجو انه لا باس به، واطلق ابو المعالی التخییر فی النوافل والسنن الراتبۃ۔

قلت: ھو فعل کثیر من السلف، ونقل ابن ھانی: یتطوع افضل وجزم به فی الفصول، والمستوعب، والرعایۃ، وغیرھم واختارہ الشیخ تقی الدین فی غیر الروات، ونقله بعضھم اجماعا قال فی الفائق: لا باس بتنفل المسافر۔[2]

۱۴۔الخامسۃ: یوتر ویرکع سنۃ الفجر فی السفر ویخیر فی غیرھما۔ وعند الشیخ تقی الدین: یسن ترک غیرھما۔ واطلق ابو المعالی التخییر فی النوافل والسنن۔ ونقل ابن ھانی: یتطوع افضل، ویجزم به فی الفصول والمستوعب، واختارہ الشیخ تقی الدین فی غیر الرواتب، ونقله بعضھم اجماعا۔[3]

۱۵۔وسئل الامام احمد رحمه اللہ عن التطوع فی السفر؟فقال ارجو ان لا یکون بالتطوع فی السفر باس وروی عن الحسن قال کان اصحاب رسول اللہ ﷺ یسافرون فیتطوعون قبل المکتوبۃ وبعدھا وروی ھذا عن (ص۴۵۷) عمر وعلی وابن مسعود وجابر وانس وابن عباس وابی ذر۔[4]

۱۶۔یفارق التطوع فی السفر اذا کان المرء راکبا فیصلی المکتوبۃ بالارض لا یجزئه غیرھا والنافلۃ راکبا متوجھا حیث شاء۔[5]

۱۷۔وفرق رسول اللہ ﷺ فی التطوع فی السفر فصلی حیث توجھت به راحلته راکبا۔[6]

۱۸۔(باب من تطوع فی السفر فی غیر دبر الصلاۃ)

ھذا مشعر بان نفی التطوع فی السفر محمول علی ما بعد الصلاۃ خاصۃ فلما یتناول ما قبلھا ولا ما لا تعلق له بھا من النوافل المطلقۃ کالتھجد والوتر والضحی وغیر ذلک، والفرق بین ما قبلھا وما بعدھا ان التطوع قبلھا لا یظن انه منھا لانه ینفصل عنھا بالاقامۃ وانتظار الامام غالبا ونحو ذلک، بخلاف ما بعدھا فانه فی الغالب یتصل بھا فقد یظن انه منھا۔

---

[1] (الفروع لابن مفلح، ج۳، ص۱۲)
[2] (الانصاف، ج۳، ص۳۹۹)
[3] (المبدع شرح المقنع، ج۲، ص۳۳۲)
[4] (زاد المعاد، ج۱، ص۴۵۶)
[5] (الرسالۃ للشافعی، ج۱، ص۳۲۱)
[6] (الام للشافعی، ج۵، ص۱۲۰)

(فائدة)

نقل النووی تبعا لغیرہ ان العلماء اختلفوا فی التنفل فی السفر علی ثلاثة اقوال: المنع مطلقا، والجواز مطلقا، والفرق بین الرواتب والمطلقة، وهو مذهب ابن عمر کما اخرجه ابن ابی شیبة باسناد صحیح عن مجاهد قال صحبت ابن عمر من المدینة الی مکة، وکان یصلی تطوعا علی دابته حیثما توجهت به، فاذا کانت الفریضة نزل فصلی واغفلوا قولا رابعا وهو الفرق بین اللیل والنهار فی المطلقة، وخامسا وهو ما فرغنا من تقریرہ۔

قوله: (ورکع النبی ﷺ فی السفر رکعتی الفجر)

قلت: ورد ذلک فی حدیث ابی قتادة عند مسلم فی قصة النوم عن صلاة الصبح ففیه ثم صلی رکعتین قبل الصبح ثم صلی الصبح کما کان یصلی وله من حدیث ابی هریرة فی هذه القصة ایضا ثم دعا بماء فتوضأ ثم صلی سجدتین ای رکعتین ثم اقیمت الصلاة فصلی صلاة الغداة الحدیث۔ ولابن خزیمة والدار قطنی من طریق سعید بن المسیب عن بلال فی هذه القصة فامر بلالا فاذن، ثم توضا فصلوا رکعتین، ثم صلوا الغداة ونحوه للدار قطنی من طریق الحسن عن عمران بن حصین، قال صاحب الهدی: لم یحفظ عن النبی ﷺ انه صلی سنة الصلاة قبلها ولا بعدها فی السفر الا ما کان من سنة الفجر۔ قلت: ویرد علی اطلاقه ما رواه ابو داود والترمذی من حدیث البراء بن عازب قال سافرت مع النبی ﷺ ثمانیة عشر سفرا فلم اره ترک رکعتین اذا زاغت الشمس قبل الظهر وکانه لم یثبت عنده، لکن الترمذی استغربه ونقل عن البخاری انه راه حسنا، وقد حمله بعض العلماء علی سنة الزوال لا علی الراتبة قبل الظهر، والله اعلم۔[1]

۱۹ ۔صلاة التطوع فی السفر: ذهب الجمهور من العلماء الی عدم کراهة النفل لمن یقصر الصلاة فی السفر لا فرق بین السنن الراتبة وغیرها۔ فعند البخاری مسلم ان النبی ﷺ اغتسل فی بیت ام هانی یوم فتح مکة وصلی ثمانی رکعات۔

وعن ابن عمر انه ﷺ کان یسبح علی ظهر راحلته حیث کان وجهه یومیٔ برأسه۔

وقال الحسن: کان اصحاب رسول الله ﷺ یسافرون فیتطوعون قبل المکتوبة وبعدها الا من جوف اللیل، ورأی قوما یسبحون بعد الصلاة فقال: لو کنت مسبحا لاتممت صلاتی، یا ابن اخی صحبت رسول الله ﷺ فلم یرد علی رکعتین حتی قبضه الله تعالی، وصحبت ابا بکر فلم یزد علی رکعتین، وذکر عمر وعثمان وقال: (لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة) رواه البخاری۔

وجمع ابن قدامة بین ما ذکره الحسن وبین ما ذکره ابن عمر بان حدیث الحسن یدل علی انه لا باس بفعلها وحدیث ابن عمر یدل علی انه لا باس بترکها۔[2]

---

[1] (فتح الباری لابن حجر، ج ۴، ص ۷۶)

[2] (فقه السنة، ج ۱، ص ۲۸۸)

۲۰۔وقد سئل الامام احمد عن التطوع فی السفر فقال: ارجو ان لا یکون بالتطوع فی السفر باس۔قال: وروی عن الحسن انه قال: کان اصحاب رسول اللہ ﷺ یسافرون فیتطوعون قبل المکتوبة وبعدھا۔قال: وروی ھذا عن عمر وعلی وابن مسعود وجابر وانس وابن عباس وابی ذر۔[1]

۲۱۔وسئل الامام احمد رحمه الله عن التطوع فی السفر؟فقال ارجو ان لا یکون بالتطوع فی السفر بأس وروی عن الحسن قال کان اصحاب رسول اللہ ﷺ یسافرون فیتطوعون قبل المکتوبة وبعدھا وروی ھذا عن عمر وعلی وابن مسعود وجابر وانس وابن عباس وابی ذر۔[2]

۲۲۔وروی عنه عن النبی ﷺ انه کان یتطوع فی السفر اخرجه الترمذی فی ھذا الباب قال بعض العلماء ھذا محمول علی التذکر وماروی عنه انه ﷺ کان لا یتطوع فی السفر محمول علی النسیان، واللہ تعالی اعلم۔

وروی مالک فی الموطا بلاغا عن نافع ان عبد اللہ بن عمر کان یری ابنه عبید اللہ یتنفل فی السفر فلا ینکر ذلک علیه۔

قوله (فرأی بعض اصحاب النبی ﷺ ان یتطوع الرجل فی السفر وبه یقول احمد واسحاق۔

المراد من التطوع النوافل الراتبة واما النوافل المطلقة فقد اتفق العلماء علی استحبابھا (ومعنی من لم یتطوع فی السفر قبول الرخصة) یعنی ان من قال بعدم التطوع فی السفر مراده ان التطوع رخصة فی السفر فقبل الرخصة ولم یتطوع ولیس مراده ان التطوع فی السفر ممنوع (وھو قول اکثر اھل العلم یختارون التطوع فی السفر) قال النووی فی شرح مسلم قد اتفق العلماء علی استحباب النوافل المطلقة فی السفر واختلفوا فی استحباب النوافل الراتبة فترکھا ابن عمر وآخرون واستحبھا الشافعی والجمھور ودلیله الاحادیث العامة المطلقة فی ندب الرواتب وحدیث صلاته ﷺ الضحی یوم الفتح بمکة ورکعتی الصبح حین ناموا حتی تطلع الشمس واحادیث اخری صحیحة ذکرھا اصحاب السنن والقیاس علی النوافل المطلقة ولعل النبی ﷺ کان یصلی الرواتب فی رحله ولا یراہ ابن عمر فان النافلة فی البیت افضل ولعله ترکه فی بعض الاوقات تنبیھا علی جواز ترکھا واما ما یحتج به القائلون بترکھا من انھا لو شرعت لکان اتمام الفریضة اولی فجوابه ان الفریضة متحتمة، فلو شرعت تامة لتحتم اتمامھا واما النافلة فھی الی خیرة المکلف فالرفق به ان تکون مشروعة ویتخیر ان شاء فعلھا وحصل ثوابھا وان شاء ترکھا ولا شیء علیه۔

وکثیر من المحدثین بوبوا ابابا فی التطوع فی السفر۔[3]

۲۲۔۲۱۸۔ باب التطوع فی السفر قبل الصلاۃ وبعدھا۔[4]

۲۳۔باب التطوع فی السفر۔[5]

---

1 (نیل الاوطار، ج۳، ص۲۶۸)
2 (زادالمعاد، ج۱، ص۴۵۶)
3 (تحفةالاحوذی، ج۳، ص۹۶)
4 (مجمع الزوائد، ج۲، ص۳۷۱)
5 (المطالب العالیة للحافظ ابن حجر العسقلانی، ج۲، ص۲۹۸)

۲۵۔ذکر صلاۃ التطوع فی السفر قبل المکتوبۃ۔[1]

۲۶۔باب فی ذکر الاثر الذی روی فی ان الجمع بین الصلاتین من غیر عذر من الکبائر مع ما دلت علیہ اخبار المواقیت وما جاء فی التطوع فی السفر۔[2]

۲۷۔(باب صفۃ صلاۃ التطوع فی السفر و استقبال القبلۃ عند الصلاۃ علی الدابۃ)۔[3]

۲۸۔جماع ابواب صلاۃ التطوع فی السفر علی الدواب۔وفی (ج ۲، ص ۲۴۳) باب صلاۃ التطوع فی السفر قبل صلاۃ المکتوبۃ وجماع ابواب صلاۃ التطوع فی السفر۔[4]

۲۹۔(۷۵)باب التطوع فی السفر۔[5]

۳۰۔۳۹۳۔باب ما جاء فی التطوع فی السفر۔[6]

۳۱۔باب التطوع فی السفر۔(۲۷۷)

ھذا ما عن لی فی ھذا الباب و اللہ تعالی اعلم بالصواب ھو حسبی و نعم الوکیل و صلی اللہ تعالی علی حبیبہ محمد و آلہ و صحبہ اجمعین۔[7]

---

1 (الاوسط لابن المنذر، ج۸، ص ۳۲۸)

2 (اتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ للبوصیری، ج ۲، ص ۹۸)

3 (سنن الدارقطنی، ج ۱، ص ۳۹۵)

4 (صحیح ابن خزیمۃ، ج ۲، ص ۲۴۹)

5 (سنن ابن ماجہ، ج ۱، ص ۳۴۰)

6 (سنن الترمذی، ج ۲، ص ۴۳۴)

7 (سنن ابی داود، ج ۴، ص ۱۴۹)

(۷) باب نمبر سات: بیس رکعات تراویح کا بیان

بعض علماء بیس رکعات تراویح کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں۔

حالانکہ سنن الکبریٰ للبیہقی میں لکھا ہے:

وروی البیهقی باسنادٍ صحیحٍ عن سائِب بن یزید قال کانوا یقومون علیٰ عهد عمر رضی الله عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعةً۔

"امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بیس رکعات تراویح پڑھتے تھے۔"[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وروٰی مالکٌ عن السّائب بن یزید عشرین رکعةً۔

"اور امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے بیس رکعات نقل کی ہیں۔"[2]

عن حسینٍ عبد العزیز بن رفیع قال کان ابیّ بن کعبٍ یصلّی بالنّاس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعةً ویوتر بثلاثٍ۔

"حسین عبد العزیز بن رفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ مدینہ طیّبہ میں لوگوں کو رمضان میں بیس رکعات پڑھاتے تھے، اور تین رکعات وتر ادا کرتے تھے۔"[3]

عن یزید بن رومان قال کان النّاس یقومون فی زمان عمر بن الخطّاب رضی الله عنه فی رمضان بثلاث وّ عشرین رکعةً۔

"یزید بن رومان رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں رمضان میں تئیس رکعات پڑھتے تھے۔" (بیس تراویح اور تین وتر)[4]

نبی کریم ﷺ ہمیشہ بیس رکعت نمازِ تراویح پڑھتے رہے:

حدثنا یزید بن هارون، قال: أخبرنا إبراهیم بن عثمان، عن الحکم، عن مقسم، عن ابن عباس: أن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یصلي في رمضان عشرین رکعة والوتر۔

---

[1] (بیهقی ج ۲ ص ۴۹۶)

[2] (فتح الباری ج ۵ ص ۱۵۷، وکذافی مختصر قیام اللیل وقیام رمضان ص ۱۵۷، مطبوعه مکتبه اثریه سانگله هل)

[3] (مصنف ابی شیبه ج ۲ ص ۳۹۳)

[4] (سنن الکبریٰ للبیهقی ج ۲ ص ۴۹۶)

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان میں ہمیشہ بیس رکعات اور وتر پڑھتے تھے۔[1]

وعن ابن عباس قال كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر. رواه الطبراني في الكبير والاوسط۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہمیشہ رمضان میں بیس رکعات اور وتر پڑھتے۔[2]

تراویح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سُنت مقرر فرمائی ہے:

حدثني أبي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله تبارك وتعالى فرض صيام رمضان عليكم وسننت لكم قيامه فمن صامه وقامه إيمانا واحتسابا خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه۔

ترجمہ: عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ نے تم پر رمضان کے روزے فرض فرمائے ہیں اور میں نے تمہارے لئے رمضان کا قیام سنت مقرر کر دیا ہے تو جس شخص نے رمضان کے دن کے روزے رکھے اور رمضان کی راتوں کو قیام کیا۔ ایمان و یقین سے تو گناہ سے ایسے نکل جاتا ہے جیسا کہ ماں کے پیٹ سے بے گناہ پیدا ہوا ہے۔[3]

نوٹ: رمضان شریف کی راتوں کے قیام سنت کا نام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تراویح فرمایا ہے اور جہاں رمضان شریف کے قیام الیل کا ذکر ہو گا۔ تو ان کا نام تراویح ہو گا اور جہاں تراویح کا ذکر ہو گا۔ وہاں تراویح کی تعداد بیس ہو گی۔

تتمہ: اس حدیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نماز تراویح علیحٰدہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مقرر فرمائیں۔ تہجد رب کریم نے پہلے فرض فرمائے اور پھر فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ سے تہجد کو نفل فرما دیا تو جو لوگ رمضان کی رات کی تراویح کو تہجد کہہ دیں تو وہ حدیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے منکرین ہیں جو اس حدیث شریف سے واضح ہے۔ تہجد قرآن کریم کی آیت قُمِ الَّيْلَ سے فرض ہوئے اور فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ سے نوافل رہ گئے جو تمام سال رات کو پڑھے جاتے ہیں ان کی خصوصیت صرف رمضان میں نہیں تراویح کی خصوصیت صرف رمضان میں ہے باقی سال نہیں۔

---

[1] (مُصنف ابن أبي شيبة ج ۲ ص ۳۹۴)

[2] (مجمع الزوائد ج ۷ ص ۳۳۰)

[3] (سنن النسائي، المجتبى من السنن الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية—حلب ج ۴ ص ۱۵۸)

شهر رمضان شهر كتب عليكم صيامه و سننت لكم قيامه، و من صامه و قامه إيمانا و احتسابا خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه. هـ عن عبد الرحمن بن عوف)۔

ترجمہ: عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا رمضان شریف کا ایسا شاندار مہینہ ہے جس میں تم پر مہینے کے روزے فرض کئے گئے ہیں اور میں نے تم پر اس مہینے میں اس کا قیام مقرر کر دیا ہے جس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور ان کی راتوں کو ایمان اور یقین سے قیام کیا گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ اپنی والدہ کے پیٹ سے آج بیگناہ پیدا ہوا۔[1]

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ جس مسلمان پر رمضان شریف کے روزے فرض ہے اس کے لئے رمضان شریف کی راتون کو تراویح پڑھنا سنت ہے اور جو مسلمان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت کا تارک ہے اس کے فرائض بھی ازروئے حدیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ناقص ہیں۔ یعنی جو شخص تراویح کا تارک ہے اس کے رمضان شریف کے روزے بھی ناقص ہیں۔

إن الله تعالى قد افترض عليكم صوم رمضان، و سننت لكم قيامه، فمن صامه و قامه إيمانا و احتسابا و يقينا كان كفارة لما مضى. (ن هب عن عبد الرحمن بن عوف)۔

ترجمہ: عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر رمضان کے روزے فرض کئے ہیں اور میں نے تمہارے لئے رمضان کے مہینے کا قیام سنت مقرر کر دیا تو جس شخص نے رمضان شریف کے روزے رکھے اور رات کو قیام کیا ایمان اور یقین سے اس کی سابقہ زندگی کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔[2]

مصطفیٰ ﷺ کی مذکورہ بالا حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ رمضان شریف کے مہینے کے دن کو روزے رکھنا اور رات کو تراویح پڑھنا یہ لازم وملزوم ہیں اور دونوں کی ادائیگی سابقہ گناہوں کا کفارہ ہے۔ ان کا تارک گناہوں سے پاک نہیں ہو سکتا۔ اور ان تینوں حدیثوں سے یہ بھی واضح ہے کہ رمضان شریف کی راتوں کو نماز تراویح پڑھنا رمضان شریف کی ایک خاص مستقل نماز ہے جو دوسرے مہینوں میں مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مسنون نہیں فرمایا یہ حدیثیں فرقہ وہابیہ کا مستقل رد ہیں جو کہتے ہیں کہ تراویح رمضان شریف کی مستقل نماز نہیں بلکہ نماز تہجد کو ہی تراویح کہا گیا ہے لیکن یہ فرقہ چونکہ دینی

---

[1] كنز العمال في سنن الأقوال و الأفعال الناشر: مؤسسة الرسالة ج۸ ص ۴۶۱

[2] (كنز العمال في سنن الأقوال و الأفعال الناشر: مؤسسة الرسالة ج۸ ص ۴۶۱)

عقل سے کورا ہے اس لئے یہ نہیں سمجھتا کہ نماز تہجد پہلے فرض تھی بعد میں سنت مقرر ہوئی اور نماز تراویح اخیر زمانے میں سنت مقرر ہوئی۔

خلیفہ ثانی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بھی بیس رکعات تراویح رائج رہیں:

حدثنا وكيع، عن مالك بن أنس، عن يحيى بن سعيد، أن عمر بن الخطاب أمر رجلا يصلي بهم عشرين ركعة۔

ترجمہ: یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضیٰ اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کو بیس رکعات نماز پڑھائے۔[1]

وقد أخبرنا أبو عبد الله: الحسين بن محمد بن الحسين بن فنجويه الدينوري بالدامغان حدثنا أحمد بن محمد بن إسحاق السني أخبرنا عبد الله بن محمد بن عبد العزيز البغوى حدثنا على بن الجعد أخبرنا ابن أبى ذئب عن يزيد بن خصيفة عن السائب بن يزيد قال: كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى شهر رمضان بعشرين ركعة قال وكانوا يقرءون بالمئين، وكانوا يتوكئون على عصيهم فى عهد عثمان بن عفان رضى الله عنه من شدة القيام۔

ترجمہ: سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں رمضان شریف کے مہینے میں بیس رکعت پڑھتے تھے اور اس میں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں لمبے قیام کی وجہ سے لوگ اپنی لاٹھیوں پ تکیے لگاتے تھے حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بیس تراویح ثابت ہو گئیں۔[2]

أخبرنا أبو أحمد العدل أخبرنا محمد بن جعفر المزكى حدثنا محمد بن إبراهيم حدثنا ابن بكير حدثنا مالك عن يزيد بن رومان قال: كان الناس يقومون فى زمان عمر بن الخطاب رضى الله عنه فى رمضان بثلاث وعشرين ركعة۔

ترجمہ: یزید بن رومان سے روایت ہے کہا حضرت عمر رضیٰ اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں لوگ کھڑے ہوتے تھے رمضان میں تیئیس رکعات کے ساتھ۔[3]

---

1 (مُصنف ابن أبي شيبة ج ٢ ص ٣٩٣)

2 (السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي الناشر: مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد ج ٢ ص ٤٩٦)

3 (السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي الناشر: مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد ج ٢ ص ٤٩٦)

(۷) باب نمبر سات: بیس رکعات تراویح کا بیان

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چوتھے خلیفے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی بیس رکعات تراویح رائج رہیں:

حدثنا ابو بكر حدثنا وكيع، عن سفيان، عن أبي إسحاق، عن عبد الله بن قيس، عن شتير بن شكل: أنه كان يصلي في رمضان عشرين ركعة والوتر۔

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے امام مسجد شتیر بن شکل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ہمیشہ رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھاتے رہے۔[1]

وَأنبأ أَبُو زَكَرِيَّا بْنُ أَبِي إِسْحَاقَ، أنبأ أَبُو عَبْدِ اللهِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، أنبأ جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، أنبأ أَبُو الْخَصِيبِ قَالَ: "كَانَ يَؤُمُّنَا سُوَيْدُ بْنُ غَفَلَةَ فِي رَمَضَانَ فَيُصَلِّي خَمْسَ تَرْوِيحَاتٍ عِشْرِينَ رَكْعَةً" وَرُوِّينَا عَنْ شُتَيْرِ بْنِ شَكَلٍ، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "أَنَّهُ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ بِعِشْرِينَ رَكْعَةً، وَيُوتِرُ بِثَلَاثٍ" وَفِي ذَلِكَ قُوَّةٌ لِمَا۔

ترجمہ: ابو خطیب نے کہا کہ سوید بن غفلہ رمضان شریف میں ہماری امامت کراتے تھے تو پانچ تراویح (یعنی پانچ چوکے) بیس رکعات نماز پڑھاتے اور شتیر بن شکل حضرت علی المرتضیٰ کے اصحاب سے تھے وہ ان کو رمضان شریف کے مہینے میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے اور یہ روایت قوی ہے۔[2]

حدثنا وكيع، عن حسن بن صالح، عن عمرو بن قيس، عن أبي الحسناء: أن عليا أمر رجلا يصلي بهم في رمضان عشرين ركعة۔

ترجمہ: حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو ارشاد فرمایا کہ رمضان میں مسلمانوں کو بیس رکعات تراویح پڑھائے۔[3]

اکابرین اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عمل تمام عمر بیس تراویح پر رہا:

حدثنا حميد بن عبد الرحمن، عن حسن، عن عبد العزيز بن رفيع، قال: كان أبي بن كعب يصلي بالناس في رمضان بالمدينة عشرين ركعة ويوتر بثلاث۔

---

[1] (مُصنف ابن أبي شيبة ج ٢ ص ٣٩٢)

[2] (السنن الكبرى البيهقي (المتوفى: 458هـ) الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنات ج ٢ ص ٦٩٩)

[3] (مُصنف ابن أبي شيبة ج ٢ ص ٣٩٣)

(۷) باب نمبر سات: بیس رکعات تراویح کا بیان

ترجمہ: ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ طیبہ میں صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رمضان شریف میں بیس رکعتین تراویح اور تین رکعات وتر پڑھاتے۔[1]

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کی تمام زندگی تمام دنیا کے دارالاسلام مدینہ طیبہ میں رمضان شریف میں تراویح بیس رکعات اور تین وتر پڑھی جائی ہیں۔

حدثنا أبو معاوية، عن حجاج، عن أبي إسحاق، عن الحارث: أنه كان يؤم الناس في رمضان بالليل بعشرين ركعة ويوتر بثلاث ويقنت قبل الركوع۔

ترجمہ: حارث سے روایت ہے کہ وہ رمضان شریف کے مہینے کی راتوں میں لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے اور دعا قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے۔[2]

حدثنا غندر، عن شعبة، عن خلف، عن ربيع وأثنى عليه خيرا، عن أبي البختري: أنه كان يصلي خمس ترويحات في رمضان ويوتر بثلاث۔

ترجمہ: ابو البختری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رمضان شریف میں ہمیشہ پانچ چوکے نماز پڑھاتے رہے اور ہمیشہ تین رکعات سے وتر کرتے۔[3]

حدثنا الفضل بن دكين، عن سعيد بن عبيد: أن علي بن ربيعة كان يصلي بهم في رمضان خمس ترويحات ويوتر بثلاث۔

ترجمہ: علی بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ رمضان شریف میں پانچ چوکے رکعات اور تین رکعات وتر پڑھاتے یہ ترویحہ عربی زبان میں چوکے کو کہتے ہیں تو تراویح بیس رکعات اور تین وتر ثابت ہوئے۔[4]

حدثنا ابن نمير، عن عبد الملك، عن عطاء، قال: أدركت الناس وهم يصلون ثلاثا وعشرين ركعة بالوتر۔

ترجمہ: حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے زمانے میں مسلمان تئیس رکعتیں بمع وتر پڑھتے تھے۔[5]

وأكثر أهل العلم ما روي عن عمر وعلي وغيرهما من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم عشرين ركعة وهو قول الثوري وابن المبارك والشافعي وقال الشافعي وهكذا أدركت ببلدنا بمكة يصلون عشرين ركعة۔

---

[1] (مُصنف ابن أبي شيبة ج ۲ ص ۳۹۳)

[2] (مُصنف ابن أبي شيبة ج ۲ ص ۳۹۳)

[3] (مُصنف ابن أبي شيبة ج ۲ ص ۳۹۳)

[4] (مُصنف ابن أبي شيبة ج ۲ ص ۳۹۳)

[5] (مُصنف ابن أبي شيبة ج ۲ ص ۳۹۳)

(۷) باب نمبر سات: بیس رکعات تراویح کا بیان

ترجمہ: اور اکثر اہل علم اس پر عامل ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے علاوہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب سے بیس رکعتیں روایت کی گئی ہیں اور یہی سفیان ثوری کا قول ہے اور ابن مبارک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اپنے شہروں میں مکہ معظمہ میں میں نے پایا کہ وہ بیس رکعتیں پڑھتے تھے۔[1]

إذا كان أول ليلة من رمضان فتحت أبواب السماء فلا يغلق منها باب حتى يكون آخر ليلة من رمضان، وليس من عبد مؤمن يصلي في ليلة منها إلا كتب الله له ألفا وخمس مائة حسنة بكل سجدة، وبنى له بيتا في الجنة من ياقوتة حمراء لها ستون ألف باب منها قصر من ذهب موشح بياقوتة حمراء، فإذا صام أول يوم من رمضان غفر له ما تقدم من ذنبه إلى مثل ذلك اليوم من شهر رمضان واستغفر له كل يوم سبعون ألف ملك من صلاة الغداة إلى أن توارى بالحجاب، وكان له بكل سجدة يسجدها في شهر رمضان بليل أو نهار شجرة يسير الراكب في ظلها خمس مائة عام (هب عن أبي سعيد)۔

ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان شریف کی پہلی رات آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ رمضان شریف کی آخری رات تک کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور رمضان شریف کی راتوں میں ایماندار آدمی جو نماز پڑھتا ہے ہر سجدے کے بدلے اس کے لئے ڈیڑھ ہزار نیکی لکھی جاتی ہے اور جنت میں اس کے لئے سرخ یاقوت کا ایک مکان تعمیر کیا جاتا ہے جس کے ساٹھ ہزار دروازے ہوتے ہیں۔ اس کے ہر دروازے میں سرخ رنگ کے یاقوتی جڑاؤ کا ایک سونے کا محل ہوتا ہے ایماندار آدمی جب رمضان شریف کا پہلا روزہ رکھتا ہے اس کے سابقہ گناہ معاف کئے جاتے ہیں رمضان شریف کے ہر دن یہی ثواب رائج رہتا ہے اور صبح کی نماز سے مغرب تک پورا رمضان شریف کا مہینہ روزانہ ستر ہزار فرشتہ اس کے لئے معافی مانگتا ہے اور رمضان شریف میں دن یا رات ہر سجدے کے ثواب میں جنت میں ایک درخت لگایا جاتا ہے جس کا سایہ اتنا وسیع ہوتا ہے۔ کہ اس کے سائے میں پانچ سو برس گھوڑا دوڑایا جا سکتا ہے۔[2]

کیوں بھئی وہابیو! تم مسلمانوں کو صرف آٹھ رکعات رمضان شریف کی راتوں میں پڑھاتے ہو اور سنی مسلمان بیس رکعات تراویح پڑھاتے ہیں ایک سجدے کی ڈیڑھ ہزار نیکی مصطفیٰ ﷺ نے فرمادی ایک رکعت کے دو سجدے ایک رکعت کی تین ہزار نیکیاں تمام چھتیس ہزار نیکیاں بارہ رکعات میں تم نے مسلمانوں کو کتنا خسارہ دیا تم وہابی فرقہ خود بھی خسارے میں ہو اور مسلمانوں کو دھوکہ دے کر خسارے کی طرف لے جارہے ہو خداوند کریم کا خوف کرو فقیر نے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ

---

[1] (سنن الترمذي، الجامع الصحيح سنن الترمذي الناشر: دار إحياء التراث العربي –بيروت ج۳ص ۱۶۹)

[2] (كنز العمال ج ۱۰ ص ۹۸)

واصحابہٖ وسلم اور خلفاء مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل بیس تراویح ثابت کر دیا اور تراویح کی آٹھ رکعات کا عقیدہ بنا کر تم نے امت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو دھوکہ میں رکھا ہوا ہے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین، تبع تابعین اجماع امت مصطفیٰ ﷺ کی مخالفت کر رہے ہو۔

محدث امام نووی کا عقیدہ بیس تراویح پر تھا:

اعلم أن صلاة التراويح سنّة باتفاق العلماء، وهي عشرون ركعة، يسلمُ من كل ركعتين۔

نقطہ: تو یقین کرے کہ تراویح کی نماز تمام علماء احادیث کے اتفاق سے بیس تراویح سنت ہیں ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرے۔[1]

مسلمانو فقیر نے احادیث مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خلفاء الراشدین المہدین مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم باقی اکابرین اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور تابعین تبع تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین اور محدثین سے بیس رکعات تراویح ثابت کر دیں یعنی خیر القرون میں تراویح بیس رکعات ہی پڑھی جاتی رہیں اور نماز تہجد دو رکعات، چار رکعات، آٹھ رکعات اور بارہ رکعات پہلے فرض تھیں بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو **فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً** لگ سے نوافل کا حکم فرما دیا وہابی چونکہ عبادت خداوندی سے قدیمی محروم ہے اس لئے اس نے نماز تراویح کو نماز تہجد میں مدغم کرنے کی کوشش کی ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دونو کو ایک کا حکم نہیں دیا یعنی خیر القرون میں نماز تہجد اور نماز تراویح کے ایک ہونے کا ثبوت کہیں ہے ہی نہیں نہ اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، نہ تابعین نہ تبع تابعین رضوان اللہ اجمعین سے اور نہ ہی محدثین نے یہ فتویٰ دیا یہ بدعت صرف وہیجی ٹیبل اہلحدیثوں کی ایجاد کردہ ہے نام تو اہلحدیث رکھالیا لیکن عبادات، معاملات۔ بلکہ ہر قانون شرعی کو قرآن واحادیث اور اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خلاف اُلٹ کر حرمات خداوندی اور نجاسات غلیظہ کا عادی بنا کر مسلمانوں کو روحانیت سے عاری کر کے اسلام سے دور بنا دیا جو عبادت خداوندی کو بدعت کہے نفلی عبادۃ سے گریز کرے اس جیسا خداوند کریم سے دور افتادہ کون ہو سکتا ہے انہی بنا پر اس فرقہ وہابیہ غیر مقلدیہ میں ایک ولی اللہ نہ ہوا نہ ہے نہ ہوگا اور نہ ہی ممکن ہے تمام اولیاء اللہ اغیاث واقطاب بیس رکعات تراویح پڑھتے رہے۔ وھابیو! اب بھی وقت ہے اپنی زندگی برباد نہ کرو اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم، تابعین تبع تابعین اور محدثین کی مخالفت نہ کرو اپنے مولویوں کو رسول اللہ صلی اللہ

[1] (الأذكار للنووي الناشر: الجفان والجابي- دار ابن حزم للطباعة والنشر ج ۱ ص ۳۱۸)

تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا درجہ نہ دو بلکہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تابعین، تبع تابعین اور اولیاء اللہ اغیاث واقطاب کی اتباع میں بیس رکعات تراویح پڑھ کر قرب خداوندی حاصل کرلو یہ تمہارے وہابی ملان کل کو تمہارے کام نہ آئیں گے۔ اور تمہیں عبادۃ خداوندی سے عمداً محروم رکھ رہے ہیں لیکن تم بیچارے ایسے سادے ہو کہ ان کی ظاہریت کو دیکھ کر پھنس جاتے ہو افسوس ہے ایک ٹیڈی پیسہ گم ہو جائے فکر مند ہوتے ہو تمہارے ملاں دن رات دنیا کے چند کے پیچھے مارے مارے پھر رہے ہیں اور بغیر کمائی کے اپنی جائیدادیں بنا رہے ہیں اور تم ان کی اقتدا میں اپنے دین و دنیا میں خسارے سے جارہے ہو فرمان خداوندی فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتَ کو قبول کر کے عبادات میں ترقی کی طرف بڑھو سوائے وہابیوں کے دینے خسارے کو کوئی پسند نہیں کرتا فَتُوْبُوا الی اللہ جمیعا ایھا الوھابیون اب اغیاث و اولیاء اللہ سے صرف حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقیدے کو عرض کر دیتا ہوں۔

صلوۃ التراویح اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وصلاة التراويح سنة النبي صلى الله عليه وسلم صلاها ليلة، وقيل ليلتين، وقيل ثلاثا، ثم انتظروه ولم يخرج، وقال: «لو خرجت لفرضت عليكم» ثم إنها استديحت في أيام عمر رضي الله عنه، فلذلك أضيف إليه لأنه ابتدأها

فتوفى رسول الله صلى الله عليه وسلم والأمر على ذلك في أيام خلافة أبي بكر الصديق رضي الله عنه وصدر من خلافة عمر رضي الله عنه. وروى عن علي رضي الله عنه أنه قال: إنما أخذ عمر بن الخطاب رضي الله عنه هذه التراويح من حديث سمعه مني، قالوا: وما هو يا أمير المؤمنين قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن الله تعالى حول العرش موضعا يسمى حضيرة القدس وهي من النور، فيها ملائكة لا يحصى عددهم إلا الله عز وجل، يعبدون الله تعالى عبادة لا يفترون ساعة، فإذا كان ليالي رمضان استاذنوا ربهم أن ينزلوا الى الارض فيصلون مع بني آدم، فكل من مسهم من أمة محمد صلى الله عليه وسلم أو مسوه سعد سعادة لا يشقى بعدها أبدا، فقال عمر رضي الله عنه إذ ذاك: فنحن أحق لهذا، فجمع التراويح وسنها وروى عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أنه خرج في أول ليلة من شهر رمضان، فسمع القرآن في المساجد، فقال: نور الله قبر عمر كما نور مساجد الله بالقرآن. وكذلك يروى عن عثمان ابن عفان رضي الله عنه. وفي لفظ آخر: إن عليا رضي الله عنه اجتاز بالمساجد وهي تزهر بالقناديل والناس يصلون التراويح، فقال: نور الله عز وجل على عمر قبره كما نور مساجدنا. روى عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال (من علق في بيت من بيوت الله قنديلا لم تزل الملائكة تستغفر له وتصلي عليه وهم سبعون ألف ملك حتى يطفأ ذلك القنديل »............وهي عشرون ركعة يجلس عقب كل ركعتين، ويسلم فهي خمس ترويحات، كل أربعة منها ترويحة، وينوي في كل ركعتين: أصلي ركعتي التراويح المسنونة إذا كان فردا، أو إذا كان إماما، أو مأموما۔

ترجمہ: حضرت پیر پیراں غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنہ نے فرمایا کہ نماز تراویح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت ہے جنہیں اپنے ایک رات کو پڑھا بعض نے کہا ہے کہ دو راتیں بعض نے کہا ہے تین راتیں پڑھیں پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ کی انتظار کی آپ تشریف نہ لائے اور آپ نے فرمایا اگر میں آجاتا تو تم پر صلوۃ تراویح فرض ہو جاتی پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں شروع کی گئیں اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کی گئیں کیونکہ آپ نے ان کو شروع کیا۔۔۔ پھر حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا وصال ہؤا اور حکم یہی رہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں اور شروع خلافت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا اور کوئی بات نہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تراویح کے متعلق مجھ سے حدیث سنی لوگوں نے کہا اے امیر المومنین وہ کونسی حدیث ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سنا فرماتے تھے بے شک اللہ تعالیٰ کا ایک مقام عرش کے قریب حضیرۃ القدس ہے اور وہ نوری مقام ہے۔ ملائکہ کی رہائش گاہ ہے۔ جن کا اندازہ اللہ بہتر جانتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ جو ایک آن بھی کوتاہی نہیں کرتا پھر جب رمضان شریف کی رات آتی ہے تو تمام ملائکہ اپنے رب کریم سے زمیں پر اُترنے کی اجازت حاصل کرتے ہیں۔ تو وہ ملائکہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور امت محمد رسول اللہ ﷺ سے جو انہیں ملتا ہے یا وہ اسے ملتے ہیں تو وہ انسان ایسا نیک بخت ہؤا کہ اس کے بعد بد بخت ہی نہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جب یہ سنت ہے تو ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ کو جمع فرمایا اور تراویح کی سنت کو جاری کر دیا اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ ادل رات تشریف لائے۔ تو آپ نے مساجد میں قرآن کو سنا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو روشن فرمائے جیسا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو قرآن سے روشن فرمایا ہے اور اسی طرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے اور دوسرے الفاظ میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد سے گزرے اور وہ مسجد قندیلوں سے منور تھی اور لوگ نماز تراویح پڑھ رہے تھے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو منور فرمائے جیسا کہ اس نے ہماری مسجدوں کو روشن کیا ہے۔ حضرت بنی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے گھروں سے کسی گھر کی قندیلوں سے سجایا تو فرشتے اس کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں۔ اور اس پر رحمت بھیجئے رہتے ہیں اور اُن ملائکہ کی تعداد ستر ہزار ہے۔ جب تک یہ قندیل گل نہیں ہوتی ستر ہزار ملائکہ اس کے لئے خداوند کریم سے معافی مانگتے ہی رہتے ہیں۔۔۔۔ اور صلوۃ تراویح کی گنتی بیس رکعت ہے اور ہر

دو رکعت کے پیچھے بیٹھے اور سلام پھیرے تو یہ پانچ تراویح ہیں اور ایک ترویح چار رکعت کا ہوتا ہے اور ہر دو رکعتوں میں نیت کرے کہ میں دو رکعت سنت تراویح پڑھتا ہوں اکیلا ہو یا امام یا مقتدی۔ کیوں بھئی اب تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے تمام اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عمل اور حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اور چاروں ائمہ کرام کا بھی سنت تراویح کے متعلق بھی ثابت ہوا کہ تمام بیس رکعات تراویح رمضان شریف میں پڑھتے رہتے تھے اب تمہاری مرضی پر ہے عمل کرو یا نہ۔[1]

اور اس مسئلہ پر ہمارا ایک مستقل رسالہ "مخزن المصابیح فی عدد رکعات التراویح" بھی شائع ہو چکا ہے، جو ذیل میں پیش کیا جارہا ہے:

[1] (الغنیۃ لطالبی طریق الحق فی الاخلاق والتصوف والاداب الاسلامیۃ مکتبہ خاور لاہور ج ۲ ص ۱۵ ، ۱٦)

مخزن المصابیح فی عدد رکعات التراویح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نستعینہٗ و نصلی و نسلّم علی رسولہ الکریم امابعد! ماذا یقول علماء اھل السنۃ و الجماعۃ بانّ التراویح فی لیالی شھر رمضان المبارک من سنۃ الرسول ﷺ او الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ او سیّدنا عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ وھل ھی عشرون رکعۃ او اقل او ازید؟ بیّنوا توجروا۔

المستفتی: الفقیر محمد اسماعیل السیفی

الجواب ومنه الصدق و الصواب!

فی سُنّیتھا قولان:

القول الاول: انھا سُنّۃ الرّسول ﷺ کما قالہٗ الفقھاء علیہم الرحمۃ۔

(۱) ھی سنۃ مؤکدۃ کذا فی فتاویٰ الحجہ۔[1]

(۲) التراویح سنۃ مؤکدۃ۔[2]

(۳) وھی سنۃ مؤکدۃ۔[3]

(۴) والاصح انّ التراویح سنۃ مؤکدۃ۔[4]

(۵) وھی سنۃ مؤکدۃ علی الرجال و النساء۔۔۔الخ۔[5]

(۶) التراویح سنۃ مؤکدۃ للرجال و النساء۔۔۔الخ۔[6]

(۷) در فتاویٰ سراجیہ و مضمرات میگوید کہ تراویح سنۃ موکدۃ است۔۔۔الخ در حقِ مرد وعورت۔

(۸) در جامع گفتہ کہ تراویح بر صحیح قول سنت موکدہ است بر مردان و زنان۔

(۹) تراویح سنت موکدہ است۔[7]

(۱۰) ومن السنن المؤکدۃ التراویح وھی سنۃ مؤکدۃ۔۔۔الخ۔[8]

---

1 (ابوالمکارم: ج: ۱: ص: ۷۹)
2 (تنویر الابصار و در مختار: ج: ۱: ص: ۴۷۲)
3 (جوامع الفقہ و کذا فی الفتاویٰ کبیری: ص: ۴۴۹)
4 (کذا فی تحفۃ الملوک ثم فاتح القدوری)
5 (نور الایضاح و المراقی الفلاح: ص: ۲۴۷)
6 (خانیہ: ج: ۱: ص: ۸۵، ۱۱۲)
7 (برھنہ: ج: ۱: ص: ۲۷۹)
8 (منیۃ المصلی مع کبیری: ص: ۴۴۹)

(۱۱) اما صفة التراویح فھی سنة۔۔۔الخ۔[1]

(۱۲) اطلقۂ فشمل الرجال والنساء کما صرّح بہ فی الخانیہ والظھریة۔۔۔الخ۔[2]

(قال ابو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ التراویح سنة مؤکدة)

(۱) اعلم بانّ المشائخ علیہم الرحمۃ اختلفوا فی کون التراویح سنة او مستحبة۔ فانقطع الاختلاف بروایة الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ انّھا سنة۔۔۔الخ۔[3]

ای سنة مؤکدة بقرینة المقابلة فی بیان الاختلاف۔

(۲) روی الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن أبی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ انّ التراویح سنة لا یجوز ترکھا ای لا ینبغی۔۔۔آہ۔[4]

(۳) وکذا روی عن محمد علیہ الرحمۃ انّہ قال التراویح سنة۔۔۔آہ۔[5]

وھو المروی عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنھا وما فعلہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من تلقآء نفسہٖ ولم یکن فیہ مبتدعًا ولم یأمر بہ الّا عن اصل لدیہ وعَھِدَ من عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔۔۔آہ۔[6]

القول الثانی: علی انّ التراویح سنة الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قیل ان التراویح سنة الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۔۔۔آہ۔[7]

قال بعضھم سنة عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۔۔آہ۔[8]

لانّہ واظب علیھا اکثر الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما عدا الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔۔۔آہ۔[9]

وقد قال علیہ السلام علیکم بسُنّتی وسنة الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ من بعدی۔۔۔آہ۔[10]

(۳) نقل العبارات لترجیح القول الاول علی القول الثانی وبالجملة فھی سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔آہ۔[11]

---

[1] (بدائع صنائع: ج:۱: ص:۲۸۸)

[2] (بحر الرائق: ج:۲: ص:۶۶)

[3] (خلاصہ: ج:۱: بحث تراویح: ص:۶۵: ثم البحر: ج:۲: ص:۶۶: والبرجندی: ج:۱: ص:۱۴۰: وابو المکارم: ج:۱: ص:۴۹)

[4] (کبیری: ص:۳۴۹: وفی مراقی الفلاح تراویح سنة مؤکدة۔ ص:۲۴۶ وھندیہ: ج:۱: ص:۱۶۲: وخانیہ: ج:۳: ص:۱۱۲: وبدائع: ج:۱: ص:۸۸)

[5] (بدائع صنائع: ج:۱: ص:۲۸۸)

[6] (شامیہ: ج:۱: ص:۴۷۲: ومراقی الفلاح: ص:۲۴۶: وبحر الرائق: ج:۲: ص:۶۶)

[7] (فخر الاسلام علیہ الرحمۃ فی اصولہ ثم برجندی: ج:۱: ص:۲۸۸: وفتح الباری ثم الطحاوی تراویح: ص:۲۴۶)

[8] (ابو المکارم: ج:۱: تراویح: ص:۷۹: والجواھریہ ثم الھندیہ: ج:۱: ص:۱۶۲: وطحطاوی علی المراقی: ص:۲۴۷)

[9] (ھدایہ وفتح القدیر: ج:۱: ص:۲۰۵: وکبیری: ص:۳۴۹: ودر مختار وشامی: ج:۱: ص:۴۷۲، ۴۷۳: وخانیہ: ج:۳: بحث التراویح: ص:۲۴۷: وشرح الوقایة: ص:۴۹)

[10] (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی، آہ کبیری: ص:۳۵: وطحطاوی علی المراقی بحث التراویح: ص:۲۴۶)

[11] (کافی ثم برجندی: ج:۱: ص:۱۴۰: وشامیہ: ج:۱: ص:۴۷۳: وجوھرہ: ج:۱: ص:۹۷: وطحطاوی المراقی: ص:۲۴۶: وابو المکارم: ج:۱: ص:۷۹)

لقول علیہ الصلوٰۃ و السلام انّ اللہ تعالیٰ فرض علیکم صیام رمضان و سننت لکم قیامہ۔آہ۔[1]

و قد سنّھا رسول اللہ ﷺ و ندبنا الیھا و اقامھا فی بعض اللیالی۔[2]

و یستفاد من طلب الجماعۃ فی التراویح ان فضیلتھا بالجماعۃ اکثر من فضیلۃ الانفراد و ھل ھی کالجماعۃ فی الفرض فتضاعف علیٰ صلوٰۃ الفذ بسبع و عشرین او خمس و عشرین او لتحقق فیھا زیادۃ ثواب من غیر قید بالعدد۔ و مثل ذالک یقال فی صلوٰۃ التطوع جماعۃ اذا کان علی غیر وجہ التداعی۔[3]

فان قیل ان التراویح لیست بسنۃ رسول اللہ ﷺ لانّ السنۃ ما واظب علیہ النبی علیہ السلام و لم یترکہ الّا مرّۃ او مرّتین لمعنی من المعانی۔ و لا شک انہٗ علیہ الصلوٰۃ و السلام ما واظب علیھا بل اقامھا فی بعض اللیالی روی انہ صلّاھا لیلتین او ثلاث لیال بجماعۃ ثم ترک و قال اخشیٰ ان تفترض علیکم۔ لٰکن الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و اظبوا علیھا فکانت سنۃ الصحابۃ، آہ۔[4]

قلنا فی الجواب بوجوہ: الوجہ الاول ان النبی علیہ السلام سمّی التراویح سنۃ مسنونۃ الیٰ نفسہٖ بقولہ و سننتُ لکم قیامہٗ۔آہ۔[5]

فلا حاجۃ فی کونھا سنۃ النبی ﷺ الی اثبات المواظبۃ

الوجہ الثانی: انّ المواظبۃ الحقیقیۃ بدون التزام الجماعۃ العآمۃ من رسول اللہ ﷺ علی فعل التراویح ثابتۃ فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر کما نرویہ من تسعۃ کتب و خص رمضان بالذکر فی ھٰذا الحدیث فالظاھر انہٗ اراد بہ التراویح و ھو المشھور من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و التابعین علیہم الرحمۃ، آہ۔[6]

فثبتت المواظبۃ علی نفس التراویح قطع النظر عن امامتھا فی المسجد فصدق تعریف السنۃ علی التراویح فان قیل ھٰذا ایراد علی وجہ الثانی انہ قد صرح العلماء علیہم الرحمۃ بنفی المواظبۃ مخافۃ ان تفرض علیکم یعنی علی الامۃ المرحومۃ کما ثبت ذالک فی الصحیحین و غیرھما عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آہ۔[7]

---

[1] (کافی ثم برجندی:ج:۱:ص:۱۴۰:وجوھرہ:ج:۱:ص:۹۷:قال الصدر الشھید علیہ الرحمۃ ھو الصحیح:اٰہ۔کبیر بحث التراویح:ص:۳۴۹:والمضمرات ثم ابو المکارم:ج:۱:ص:۹۷:وطحطاوی المراقی:ص:۲۴۷:والجامع ثم برھنہ:ج:۱:بحث التراویح:ص:۲۷۹:وھو الاصح۔۔آہ۔جواھر والھندیہ ثم طحطاوی المراقی:ص:۲۴۷: والھدایہ:ج:۱:ص: فاتح القدوری وصححہ صاحب الھدایہ والظھیریہ۔آہ۔ ثم البحر:ج:۲: ص:۶۶: وھندیہ:ج:۱:ص:۱۶۲:وشامی:ج:۱:ص:۴۷۲)

[2] (بحر:ج:۲:بحث التراویح:ص:۶۶:وطحطاوی المراقی:ص:۲۴۶:وشامی:ج:۱:ص:۴۷۳)

[3] (بحر۔آہ۔طحطاوی:ص:۲۴۷)

[4] (بدائع:ج:۱:تراویح:ص:۲۸۸)

[5] (رواہ النسائی و ابن ماجہ و احمد۔آہ۔کبیری:ص:۳۴۹:وکافی ثم برجندی والجواھر کما مرّ آنفًا)

[6] (خانیہ:ج:۳:ص:۱۱۳:لانّ لفظ المضارع "یصلی" مع "کان" للدوام والاستمرار،آہ شامی:ج:۱)

[7] (بحر الرائق:ج: ۲:ص:۶۶: وخانیہ:ج:۳:ص:۱۱۲: وھدایہ وشرح الوقایۃ ثم کبیری: ص:۳۴۹: و:۴۵: وفتح القدیر:ج:۱:ص:۲۰۵: وشامی:ج:۱:ص:۴۷۳)

(۲)قلنا اولا ان فی ھٰذا العذر اشارۃ الی انہ لو لا ذالک الخوف لاستمرّ علی صلوٰتھا بھم علی تلک الحالۃ فلمّا زال ذالک العذر بو فاتہ ﷺ زال المانع من المواظبۃ۔ ویؤیدہٗ حدیث جبیر بن نضیر عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[1]

وقلنا فی الجواب ثانیًا ان معنی ما قالوہٗ انما لم یواظب النبی ﷺ وابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی امامۃ التراویح فی المسجد بدلیل حدیث الصحیحین عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ولیس فیہ دلالۃ علی نفی المواظبۃ علی نفس التراویح بدون الجماعۃ العامّۃ وھو التوفیق بین حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا وبین قول العلماء رحمہم اللہ بنفی المواظبۃ (ای جماعۃً) ویکون التراویح سنۃ الرسول ﷺ وابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما مرّ صریحًا (فالحمد للہ تعالیٰ علیٰ ذالک)

والوجہ الثالث (۳): لو فرضنا عدم المواظبۃ الحقیقیۃ منہ ﷺ فالمواظبۃ الحکمیۃ منہ ﷺ المذکورۃ فی العبارتین فی ذیل ھٰذا السوال الاخیر کافیۃ لکون التراویح سنتہ ﷺ۔ کما قال ابن الھمام رحمہ اللہ سنتہٗ ﷺ۔ لمواظبتہ الّا لعذر۔آہ۔[2]

وصرحوا بکونھا سنۃ رسول اللہ ﷺ فی بحث الترجیح وبحث کونھا سنۃ۔

(۴) انّ آمناء الشرعیۃ الاسلامیۃ فعلھا سنۃ مؤکدۃ لرسول اللہ ﷺ ولخلفآئہٖ الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ولکافۃ الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والجماعۃ فیھا سنۃ مؤکدۃ علی الکفایۃ وعددھا عشرون رکعۃً باجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والائمۃ الاربعۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فما قالوا ذالک الا لدلائل وردت بذالک۔ وامّا مسئلۃ عدد رکعات التراویح بانّھا عشرون رکعۃ ام غیر ذالک مع اختلافات المسلمین فی ذالک فی ھٰذا الزمان الاخیر فاعلم انھا عشرون رکعۃ باجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والمذاھب الاربعۃ وھو عند ابی حنیفۃ الکوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ والامام الشافعی رحمہ اللہ وسفیان الثوری رحمہ اللہ والامام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ والامام مالک رحمہ اللہ فی ارجح روایۃ واکثر اھل العلم من جمھور السلف رحمہم اللہ والخلف رحمہم اللہ واکثر الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والتابعین رحمہم اللہ عشرون رکعۃ۔ انظروا اولًا لحوالۃ الکتب لاسیّما المذھب الحنفی بالاختصار۔

(۱) ھی عشرون رکعۃً۔[3]

(۲) ھٰذا بیان لکمیتھا۔آہ۔[4]

(۳) یعنی کون التراویح بعشرین رکعۃً قول الجمھور، آہ۔[5]

(۴) لتوارثھا الخلف رحمہم اللہ عن السلف رضی اللہ تعالیٰ عنہ من لدن عھد رسول اللہ ﷺ الیٰ یومنا ھٰذا۔۔۔الخ۔[6]

---

[1] (کبیری:ج:۴۵)

[2] (فتح القدیر:ج:۱:ص:۶۵)

[3] (الکنز، المختصر، الملتقیٰ، القدوری، الوقایۃ، الھدایۃ، جامع الصغیر، نور الایضاح، بدائع الصنائع وغیرھا من المتون والشروح والفتاویٰ)

[4] (بحر الرائق:ج:۲:ص:۶۲:بدائع:ج:۱:ص:۲۸۸)

[5] (البحر الرائق:ج:۲:ص:۶۲:وھٰذا قول عامۃ العلماء رحمہم اللہ۔۔۔الخ۔البدائع:ج:۱:ص:۲۸۸)

[6] (خانیہ:ج:۳:ص:۱۱۲)

وعلیہ العمل شرقًا وغربًا۔۔۔الخ۔[1]

(۵) واکثر اھل العلم علی ما روی عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرھما من اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ النبی ﷺ علی ان التراویح بعشرین رکعۃ وھو قول سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ الثوری وابن المبارک علیہ الرحمۃ والشافعی علیہ الرحمۃ وقال الشافعی علیہ الرحمۃ ھٰکذا ادرکت ببلدنا مکۃ یصلون عشرین رکعۃ، آہ۔[2]

وانظر ثانیًا الی روایات الحدیث والآثار فی اثباتھا بعشرین رکعۃً

(۱) عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ۔[3] سوی الوتر۔[4]

والفقہ: وخصّ الرمضان بالذکر فی ھٰذا الحدیث فالظاھر انہٗ اراد بہ التراویح وھو المشھور من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[5]

(۲) واخرج الامام مالک علیہ الرحمۃ والبیھقی عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنّا نقوم فی زمن عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن خطاب بعشرین رکعۃ والوتر، آہ۔[6]

(۳) واخرج البیھقی عن شبرمۃ علیہ الرحمۃ (کان من اصحاب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) انہٗ یؤمھم فی رمضان بخمس ترویحات، آہ۔[7]

(۴) واخرج البیھقی انھم کانوا یقومون علی عھد علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعۃ، آہ۔[8]

(۵) واخرج البیھقی عن ابی عبدالرحمٰن السلمی علیہ الرحمۃ ان علیًّا رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعی القرّآء فی رمضان فأمر رجلًا بان یصلی بالنّاس عشرین رکعۃ وکان علیّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یوتر بھم، آہ۔[9]

(۶) وقد نقلت من عشرۃ کتب فی الاجوبۃ عن ضعف حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ الاجماع علی کون عشرین رکعۃً سنۃ النبی ﷺ۔

---

1 (بحر الرائق: ج:۲:ص:۶۶: وشامی: ج:۱: بحث التراویح: ص:۴۷۳)

2 (الترمذی: ج:۳:ص:۱۰۴)

3 (کذاذکر فی کتاب الترغیب ثم نصب الرأیہ، ص:۲۹۳)

4 (اخرجہ ابو بکر ابن ابی شیبۃ ثم نصب الرایہ: ص:۲۹۳: والخانیہ: ج:۳: ص:۱۱۳: وابن الحمیدی علیہ الرحمۃ والبغوی والبیھقی والطبرانی ثم تعلیق المجد: ص:۱۴۳)

5 (خانیہ: ج:۳:ص:۱۱۳)

6 (ثم نصب الرایہ: ص:۲۹۴: ثم تعلیق المجد: ص:۱۴۳: والکبیری وقال النووی علیہ الرحمۃ فی الخلاصۃ واسنادہ صحیح۔۔۔الخ۔ ثم نصب الرایہ: ص:۲۹۴: تحفۃ الاحوذی: ج:۳:ص:۴۴۷: الفریابی فی کتاب الصیام: ج:۱: ص:۱۳۱: وابن الجعد فی المسند: ج:۱: ص:۴۱۳)

7 (ثم رواہ ابن ابی شیبۃ: التعلیق: ص:۱۹۳)

8 (ثم التعلیق المجد: ص:۱۴۳)

9 (ثم التعلیق والکبیری: ص:۴۵۵: والمبارکفوری فی تحفۃ الاحوذی: ج:۳:ص:۴۴۴)

والقول الثانی: ھو منقول عن الامام مالک علیہ الرحمۃ ھی ست وعشرین او ست وثلاثین او احدی واربعین رکعة فرأی بعضھم ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وھو قول اھل المدینة ای مالک علیہ الرحمۃ والعمل علی ھٰذا عندھم بالمدینة المنورة الی قولہ وقال اسحاق علیہ الرحمۃ بل نختار احدی واربعین علی ما روی عن أبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ احد الرواة السبعة، الخ۔[1]

اقول فی تفصیل ھٰذا القول ان العشرین منھا ھی التراویح الّتی قال بھا الامام الاعظم علیہ الرحمۃ وغیرہٗ وان العشرة منھا ھی ما بین الترویحات رکعتین رکعتین وان الثمانیة منھا ھی التھجد۔

وان الثلاثة منھا ھی الوتر فیکون المجموعة احدی واربعون رکعة فظھر بہ ان ھٰذا القول الثانی لمالک علیہ الرحمۃ یخالف مذھب الحنفیة علیہ الرحمۃ والشافعیة علیہ الرحمۃ والحنابلة علیہ الرحمۃ ولا قولہ الاول فیکون الاجماع علی عشرین رکعة بین المذاھب الاربعة وھٰذا تطبیق حسن۔

(مزید الاحادیث والآثار الدالة علی ان التراویح عشرون رکعة) نذکر منھا قلیلًا

(۱) عن زید بن وھب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ یصلی لنا فی شھر رمضان فینصرف وعلیہ لیل قال اعمش علیہ الرحمۃ کان یصلی عشرین رکعة ویوتر بثلٰث، آہ۔[2]

(۲) وعن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ تبارک وتعالیٰ فرض صیام رمضان علیکم وسننت لکم قیامہ فمن صامہٗ وقامہ ایمانًا واحتسابًا خرج من ذنوبہٖ کیوم ولدتہ اُمّہ۔[3]

(۳) عن یزید بن رومان انّہ قال: کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة۔[4]

(۴) عن عروة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: انّ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع الناس علی قیام شھر رمضان الرجال علی أبی بن کعب والنساء علی سلیمان بن أبی حثمة۔[5]

(۵) عن السائب بن یزید قال: کانوا یقومون علی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعة، قال: وکانوا یقرأون بالمِئین وکانوا یتوکون علی عصیّھم فی عھد عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ من شدة القیام۔[6]

---

[1] (الترمذی: ج: ۱: ابواب الصوم: ص: ۱۰۴)

[2] (عینی: ج: ۲: بحث التراویح)

[3] (رواہ النسائی: ج: ۴: ص: ۱۵۸: وابن ماجہ فی السنن: ج: ۱: ص: ۴۲۱)

[4] (رواہ مالک فی المؤطا: ج: ۱: ص: ۱۱۵: والبیھقی فی السنن الکبریٰ: ج: ۲: ص: ۴۹۶: والفریابی فی کتاب الصیام: ج: ۱: ص: ۱۳۲: والعسقلانی فی فتح الباری: ج: ۴: ص: ۲۵۳: وابن عبد البر فی التمھید: ج: ۸: ص: ۱۱۵: والزرقانی فی شرح علی المؤطا: ج: ۱: ص: ۳۴۲: وابن قدامہ فی المغنی: ج: ۱: ص: ۴۵۶: وقال الفریابی: اسنادہ ورجالہ موثقون)

[5] (رواہ البیھقی فی السنن الکبریٰ: ج: ۲: ص: ۴۹۳: والعسقلانی فی فتح الباری: ج: ۴: ص: ۲۵۲، ۲۵۳: والزرقانی فی شرح علی المؤطا: ج: ۱: ص: ۳۳۸: والسیوطی فی تنویر الحوالک: ج: ۱: ص: ۱۰۵: وفی تلخیص الجبیر: ج: ۲: ص: ۲۴: وابن قدامہ فی المغنی: ج: ۱: ص: ۴۵۵)

[6] (رواہ البیھقی: ج: ۲: ص: ۴۹۶: والفریابی: ج: ۱: ص: ۱۳۱: وابن جعد فی المسند: ج: ۱: ص: ۴۱۳)

(۶)عن أبی الخصیب قال: کان یؤ منا سوید بن غفلة فی رمضان فیصلّی خمس ترویحات عشرین رکعة۔[1]

(۷)عن شتیر بن شکل و کان من اصحاب علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انّہ کان یؤ مھم فی شھر رمضان بعشرین رکعة ویؤتر بثلاث۔[2]

وقال: وفی ذالک قوّة۔

(۸) عن أبی الحسناء انّ علیّ بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ أمر رجلًا ان یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة۔[3]

(۹)عن یحییٰ بن سعید: انّ عمر بن الخطاب امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعة۔[4]

(۱۰)عن نافع بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان ابن ابی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة۔[5]

(۱۱)عن عبدالعزیز بن رفیع قال: کان أُبیّ ابن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث۔[6]

(۱۲)عن الحارث انہ کان یؤم الناس فی رمضان باللّیل بعشرین رکعة ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع۔[7]

(۱۳)عن ابی البختریؔ انہ کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان ویوتر بثلاث۔[8]

(۱۴)عن عطاء قال: ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثًا وعشرین رکعة بالوتر۔[9]

(۱۵)عن سعید بن عبید انّ علیّ بن ربیعة کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث۔[10]

(۱۶)عن الحسن انّ عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع الناس علی أُبی بن کعب فی قیام رمضان فکان یصلی بھم عشرین رکعة۔[11]

”فصل فی التراویح وقیام رمضان“ التراویح سنة مؤکدة علی الرجال والنساء۔[12]

---

[1] (رواہ البیھقی اسنادہٗ حسن: ج:۲:ص:۴۹۶: والبخاری فی الکنی: ج:۱:ص:۲۸)

[2] (رواہ ابن أبی شیبة: ج:۲:ص:۱۶۳: والبیھقی فی السنن الکبریٰ: ج:۲:ص:۴۹۶: تحفہ الاحوذی: ج:۳:ص:۴۴۴)

[3] (رواہ ابن ابی شیبة: ج:۲:ص:۱۶۳: والبیھقی: ج:۲:ص:۴۹۷: فی تحفة الاحوذی: ج:۳:ص:۴۴۵: والصنعانی فی سبل السلام: ج:۲:ص:۱۰)

[4] (رواہ ابن ابی شیبة: ج:۲:ص:۱۶۳)

[5] (رواہ ابن ابی شیبة: ج:۲:ص:۱۶۳)

[6] (رواہ ابن ابی شیبہ: ج:۲:ص:۱۶۳: وتحفة الاحوذی: ج:۳:ص:۴۴۵)

[7] (رواہ ابن ابی شیبہ: ج:۳:ص:۱۶۳)

[8] (رواہ ابن ابی شیبہ: ج:۳:ص:۱۶۳: اسنادہ صحیح)

[9] (رواہ ابن ابی شیبہ: ج:۲:ص:۱۶۳: اسنادہ حسن)

[10] (رواہ ابن ابی شیبہ: ج:۲:ص:۱۶۳)

[11] (رواہ الذھبی فی سیر أعلام النبلاء: ج:۱:ص:۴۰۰: والعسقلانی فی تلخیص الحبیر: ج:۲:ص:۲۱: ابن قدامہ: ج:۱:ص:۴۵۶ وفی زاد الفقیہ: ص:۱۰۲)

[12] (شامی: ج:۲)

قد ثبت عن النبی ﷺ عشرین رکعة من التراویح۔ روی انہ ﷺ خرج لیلة من لیالی رمضان وصلّی عشرین رکعة فلمّا کانت اللیلة الثالثة کثر الناس فلم یخرج الیھم وقال عرفتُ اجتماعکم لٰکن خشیت ان تکتب علیکم فکان الناس یصلونھا فرادیٰ الی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انی اریٰ ان اجمع الناس علی امام واحد فجمعھم علی اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فصلی بھم خمس ترویحات عشرین رکعة۔ [1]

قال العبد الضعیف فثبت بھٰذا الحدیث انّ النبی ﷺ صلّٰی بھم عشرین رکعة من التراویح وقد عمل بہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وجمع الناس بذالک وقد اجتمعت الاُمّة علی ذالک من قدیم الزمان الی الآن، وقال النبی ﷺ لایجتمع امّتی علی الضلالة" الحدیث"فکیف اجتمعت امّتہ علی ھٰذہ البدعة السیئة التی ھی الضلالة من قدیم الزمان الی الآن العیاذ باللہ تبارک وتعالیٰ وان سلّمنا اجتماعھم علی الضلالة یلزم الکذب علی النبی ﷺ وقد اخبر النبی ﷺ ان امّتی لاتجتمع علی الضلالة فکیف تقول بذالک وقد قال علیہ الصلوٰة والسلام علیکم بسنّتی وسنة الخلفاء الراشدین فایّھا الاخوة الکرام علیکم بالانصاف والا کان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مبتدعًا لانہ قد خالف امر النبی ﷺ وکذا من اقتدیٰ بہ من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ "عیاذًا باللہ تعالیٰ" وما قال بہ احد من العلماء وقد قال ابن حجر علیہ الرحمہ اجمع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی ان التراویح عشرون رکعة وقال ابن عبد البر وھو قول جمھور العلماء وفی جامع الکمالات العلمیة والمسائل الاختلافیة: ص: ۴۱: "اثبات التراویح بالعشرین والرد علی المخالفین" اعلم ان التراویح سنة مؤکدة للرجال والنساء توارثھا الخلف عن السلف من عھد النبوّة واھل الخبر الی یومنا ھٰذا والتراویح تؤدی بالجماعة عشرون رکعة بعشر تسلیمات وکذا من یؤدی وحدہٗ بذالک اتفق فقھاء الأمّة من المذاھب الاربعة۔ [2]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان رسول اللہ ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر۔ [3]

قال ابن عابدین اما تضعیف الحدیث بابراھیم بن ابی شیبة فقد یقال انہ اعتضد بما مر من نقل الاجماع علی سنیتھا۔ [4]

فعلم من کلام ابن عباس انہ علیہ السلام کان یصلی عشرین رکعة فی لیالی رمضان من اولھا وکلام عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا مشیر الی صلوٰة التھجد۔ [5]

قال ابن قدامہ فی کتابہ الجامع "المغنی" مانصہ: وھی سنة مؤکدة واول من سنھا رسول اللہ ﷺ:

---

[1] (ص:۴۰۷)

[2] انظر: (ھدایت الطالب) (فتاوی قاضی خان: ج: ۱: ص: ۲۳۲: وفتاوی الھندیة: ج: ۱: ص: ۱۱۵: بحر الرائق: ج: ۲: ص: ۲۶: کبیری: ص: ۴۰۰: وادلة التراویح من المرفوعات والموقوفات باسانید صحیحة)

[3] (اخرجہ ابن ابی شیبة وعبد بن حمید الکشی فی مسندہ والبغوی فی معجمہ والبطرانی فی الکبیر والبیھقی ونصب الرایة)

[4] انظر: (منحة الخالق: ج: ۲: ص: ۲۶: وفی شرح معانی الآثار)

[5] انظر: (ابن ماجہ: ج: ۱: ص: ۱۷۲: ص: ۹۴: شرح معانی الآثار: والتفصیل فی تعلیق الحسن: ج: ۲: ص: ۵۶: واعلاء السنن: ج: ۷: ص: ۴۸) وایضًا انظر (السنن الکبریٰ للحافظ البیھقی: ج: ۲: ص: ۴۹۶) (واول من صلی التراویح رسول اللہ ﷺ)

(۱) قال ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان رسول اللہ ﷺ یرغب فی قیام رمضان، من غیر ان یامرھم فیہ بعزیمۃ، فیقول: من قام رمضان ایمانًا و احتسابًا غفر لہ ماتقدم من ذنبہ۔ (رواہ مسلم)[1]

(لماذا سمیت صلوٰۃ التراویح بالتراویح) قال الشیخ العلامۃ محمد علی الصابونی: تسمی صلوٰۃ قیام رمضان "صلوٰۃ التراویح" لانہا صلوٰۃ طویلۃ، ذات رکعات عدیدۃ، یستریح فیہا المصلّون بعد کل اربع رکعات، ثم یتابعون الصلوٰۃ فلذالک سمیت صلوٰۃ التراویح۔

قال ابن منظور فی (لسان العرب) التراویح جمع ترویحۃ وھی من المرۃ الواحدۃ من الراحۃ، مثل تسلیمۃ من السلام، و الترویحۃ فی شہر رمضان سمیت بذالک لاستراحۃ القوم بعد کل اربع رکعات۔۔۔ ثم قال: و الراحۃ ضد التعب، و فی الحدیث ان النبی ﷺ قال: لبلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "ارحنا یا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ" ای اذن للصلوٰۃ فنستریح بادائہا فکان یستریح بالصلوٰۃ لما فیہا من مناجاۃ اللہ تعالیٰ و لہذا قال: "جعلت قرّۃ عینی فی الصلوٰۃ" فصلوٰۃ التراویح اذًا ھی صلوٰۃ "قیام رمضان" کما ثبت فی الاحادیث الصحیحۃ الّتی ذکرناھا۔[2]

قال الشیخ العلامۃ الصابونی: صلوٰۃ التراویح من النوافل المؤکدۃ کما دلت علی ذالک الاحادیث الشریفۃ المتقدمۃ و ھی عشرون رکعۃ من غیر صلوٰۃ الوتر، و مع الوتر تصیر ثلاثا و عشرین رکعۃ۔۔۔ علی ذالک مضت السنۃ و اتفقت الأمّۃ سلفًا و خلفًا، من عہد الخلیفۃ الراشد "عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ" الی زماننا ہٰذا لم یخالف فی ذالک فقیہ من الائمۃ الاربعۃ المجتہدین، الا روی عن امام دار الہجرۃ مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ القول بالزیادۃ فیہا الی (۳۶) ست و ثلاثین رکعۃ۔ فی الروایۃ الثانیۃ عن محتجًا بعمل اہل المدینۃ، فقد روی عن نافع انہ قال ادرکت الناس یقومون فی رمضان بتسع و ثلاثین رکعۃ یوترون منہا بثلاث۔[3]

اما الروایۃ المشہورۃ عنہ، و ھی الّتی وافق فیہا الجمہور الشافعیۃ و الحنابلۃ و الاحناف فھی انہا۔

(۲۰) عشرون رکعۃ و علی ذالک اتفقت المذاہب الاربعۃ و تم الاجماع و کفی اللہ المؤمنین شرّ القتال۔

ادلۃ الائمۃ المجتہدین

(۱) احتج ائمۃ المذاہب علی انہا عشرون رکعۃ، بما رواہ البیہقی و غیرہ بالاسناد الصریح الصحیح عن "السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ الصحابی المشہور" انہ قال: کانوا یقومون علی عہد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی شہر رمضان بعشرین رکعۃ۔[4]

(ب) و احتجوا ایضًا بما رواہ مالک فی المؤطا، و البیہقی ایضًا عن یزید بن رومان قال: کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بثلاث و عشرین رکعۃ یعنی یصلون التراویح عشرین رکعۃ و یوترون بثلاث رکعات۔

---

[1] (انظر تفصیل ہٰذہ الفوائد فی ہدی النبوی الصحیح فی صلوٰۃ التراویح: ص: ۴۲، ۴۱)

[2] انظر: (الہدی النبوی الصحیح فی صلوٰۃ التراویح: ص: ۴۹، ۵۰)

[3] انظر: (شرح التہذیب: ج:۳: ص: ۵۲۸)

[4] (السنن الکبریٰ للحافظ البیہقی: فی باب ماروی فی عدد رکعات القیام فی شہر رمضان: ج: ۲: ص: ۴۹۶)

(ج) واحتجوا کذالک بماروی عن الحسن ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع الناس علی أبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فکان یصلی لھم عشرین رکعۃ، ولا یقنت بھم الا فی النصف الثانی فاذا کان العشر الاواخر من رمضان تخلف أبی فصلی فی بیتہ، فکانوا یقولون: ابق أبی۔ [1]

ھٰذا وقد حکی ابن قدامۃ فی (المغنی) الاجماع علی انھا عشرون رکعۃ، ورد علی مالک علیہ الرحمۃ فی روایتہ الثانیۃ: انھا ستۃ وثلاثون رکعۃ، فقال ما نصہ: وقیام شھر رمضان عشرون رکعۃ۔ یعنی صلوٰۃ التراویح۔ وھی سنۃ مؤکدۃ، واول من سنھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ونسبۃ التراویح الی عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لانہ جمع الناس علی أبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فکان یصلیھا بھم۔ ثم قال والمختار عند ابی عبد اللہ۔ یرید احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ فیھا عشرون رکعۃ، وبھٰذا قال الثوری علیہ الرحمۃ وابو حنیفۃ علیہ الرحمۃ والشافعی علیہ الرحمۃ وقال مالک ستۃ وثلاثون رکعۃ وتعلق بفعل اھل المدینۃ ولنا ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما جمع الناس علی أبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کان یصلی لھم عشرین رکعۃ وروی مالک عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان بثلاث وعشرین رکعۃ۔ وعن علی انہ امر رجلا یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعۃ وھٰذا کالاجماع ثم قال: ولو ثبت ان اھل المدینۃ کلھم فعلوہ ای صلوا استا وثلاثین رکعۃ لکان ما فعلہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واجمع علیہ الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی عصر اولی بالاتباع وقال بعض اھل العلم: انما فعل ھٰذا اھل المدینۃ لانھم ارادوا مساواۃ اھل مکۃ فان اھل مکۃ یطوفون سبعًا بین کل ترویحتین فجعل اھل المدینۃ مکان کل سبع اربع رکعات وما کان علیہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولی واحق ان یتبع، وقد روی ان علیًا رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرّ علی المساجد وفیھا القنادیل فی شھر رمضان، فقال نوّر اللہ علی عمر قبرہ کما نوّر علینا مساجدنا۔

وقال الشیخ العلامۃ محمد علی الصابونی اقول: والمشھور فی مذھب الامام مالک علیہ الرحمۃ انھا عشرون رکعۃ وبذالک یکون اجماع الائمۃ المجتھدین علی افضلیۃ العشرین فقد جآء فی کتاب "اقرب المسالک علی مذھب الامام مالک علیہ الرحمۃ" للشیخ الدردیر الجزأ الاول: ص: ۵۵۲: مانصّہ۔

والتراویح برمضان وھی عشرون رکعۃ بعد صلوٰۃ العشاء یسلّم من کل رکعتین غیر الشفع والوتر، وندب الختم فیھا۔ ای التراویح بان یقرأ کل لیلۃ جزءً یفرقہ علی عشرین رکعۃ۔ اہ۔ [2]

وفی مختصر المزنی ان الامام الشافعی علیہ الرحمۃ قال: رأیتھم بالمدینۃ یقومون بتسع وثلاثین واحب الی عشرون لانہٗ روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکذالک بمکۃ یقومون عشرین رکعۃ یوترون بثلاث۔ [3]

وعن ابی الحسناء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان علیّ بن طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ۔ [4]

---

[1] انظر: (المغنی: ج: ۲: ص: ۱۶۷: لابن قدامۃ الحنبلی وذکر انہ رواہ ابوداؤد، الھدی النبوی الصحیح فی صلوٰۃ التراویح: ص: ۵۶، ۵۵)

[2] (الشرح العفیر علی اقرب المسالک: ج: ۱: ص: ۵۵۷)

[3] (الھدی النبوی الصحیح فی صلوٰۃ التراویح)

[4] (کنز العمال: ج: ۱۴: ص: ۲۸۴: وردالمحتار: ج: ۲: ص: ۴۵)

وقال الامام الترمذی فی جامعة المسمی "سنن الترمذی" اکثر اهل العلم علی ما روی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرهما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری علیہ الرحمۃ وبن المبارک علیہ الرحمۃ والشافعی علیہ الرحمۃ۔

وقال الشافعی علیہ الرحمۃ: هٰکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة۔اه۔ وقال ابن رُشد فی بدایة المجتهد اختار مالک فی احدقولیه وابو حنیفة علیہ الرحمۃ والشافعی علیہ الرحمۃ واحمد القیام بعشرین رکعة سوی الوتر۔

وقال الامام النووی علیہ الرحمۃ ما نصّه: مذهبنا انها عشرون رکعة، بعشر تسلیمات غیر الوتر وذالک خمس ترویحات۔[1]

وهی ستة وثلاثون رکعة غیر الوتر: واحتج اصحابنا بمارواه البیهقی بالاسناد الصحیح۔

عن السائب بن یزید الصحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: علی ما مر تفصیله۔ وقال الشیخ محمد علی الصابونی فهٰذه النقول الکثیرة عن ائمة علماء المسلمین سلفًا وخلفًا تثبت بما لا یحتمل الشک کان علیه المسلمون الیوم من صلوٰة التراویح عشرین رکعة هو الحق الذی لا محید عنه وهو الذی تاکد بعمل الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمیعًا وباجماع الائمة المجتهدین۔ ائمة المذاهب الاربعة الذین هم اعلام الهدیٰ۔ ومنارات العلم فی کل زمان وحین وهو الذی امر به عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ الذی جعل اللہ الحق علی لسانه وقلبه، کما صحّ بذالک الحدیث الشریف۔[2]

ثم ان مساجد المسلمین فی مشارق الارض ومغاربها فی زماننا تغص بالمصلین سیما فی رمضان وهم یصلون التراویح عشرین رکعة فی معظم المساجد فی المغرب ومصر والشام والسعودیة وباکستان، فهل کل هٰولآء علی جهالة وضلال کما یظن الجهلة المتسلفون: وکیف تجتمع اُمّة محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی منکر وضلال والصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: لا تجتمع امّتی علی ضلالة۔ وفی روایة اُخریٰ: ما کان اللہ لیجمع امّتی علی ضلالة۔ (رواه اصحاب السنن)[3]

ونحن نقول: ان من یضلل الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ والتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ والائمة المجتهدین علیہ الرحمۃ وینسب الی سلف الامّة علیہ الرحمۃ وخلفها "بدعة ضلالة" لمجرد انهم صلوا صلوٰة التراویح عشرین رکعة لهو الی السفه والجهالة اقرب والی الابتداع وعدم الاتباع اجدر والیق، ومن یتجرأ ان یصف الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ والتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالبدعة الا الاحمق؟ الا انه الغرور والشذوذ، والسفه والجهل۔۔۔۔ انه شق عصا الجماعة والخروج عن طریق المسلمین وجماعتهم الذی حذرنا القرآن الکریم منه، حین قال: "ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبیّن له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ماتولی ونصله جهنم وسآءت مصیرًا"۔[4]

---

[1] (المجموع: ج:۳:ص:۵۲۶)

[2] (الهدی النبوی الصحیح فی صلوٰة التراویح:ص:۲۷، ۱۷: وایضًا قال فی:ص:۷۷)

[3] انظر: (الهدی النبوی الصحیح فی صلوٰة التراویح:ص:۷۸،۷۷)

[4] (النساء الآیة:۱۱۵)

انه الکبر و اتباع الأھواء فی سبیل الشھرۃ و صدق المصطفیٰ ﷺ حین قال: الکبر بطر الحق ای دفع الحق وعدم قبولہ غمط الناس: ای احتقار الناس و الاعجاب بالرأی۔

و قال العلامۃ محمد علی الصابونی فی کتابہ المذکور: (خاتمۃ البحث) و بعد: فان ما یفعلہ المسلمون الیوم فی مشارق الارض ومغاربھا، من صلوٰۃ التراویح ”عشرین رکعۃ“ ھو الحق الذی دلت علیہ النصوص الکریمۃ، وھو الذی درج علیہ السلف الصالح و اجمع علیہ الامّۃ الاسلامیۃ، من خلافۃ عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی زماننا ھٰذا۔۔۔۔۔۔ و صلوٰۃ التراویح عشرین رکعۃ ھو ما یتفق مع ”ھدی النبوۃ“ و لا یخالف السنۃ النبویۃ الشریفۃ لانہ اتباع لامر الرسول ﷺ فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین بل انہ یجمع الشمل ویدعو الی وحدۃ المسلمین لا سیما و قد اجمع علیہ آئمۃ اھل العلم فی القدیم و الحدیث۔ [1]

فانظر ایھا المنصف بنظر الانصاف ھٰذہ اقوال المحققین من اھل العلم و الحدیث فکیف یقال: ان الزیادۃ بدعۃ منکرۃ؟ و قال محمد بن القرظی: کان الناس یصلون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان عشرین رکعۃ یطیلون فیھا القراۃ و یوترون بثلٰث۔ [2]

و ایضًا عن السائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ایضًا انھم کانوا یقومون فی رمضان بعشرین رکعۃ ویقرؤون بالماتین من القرآن و انھم کانوا یعتمدون علی العصا فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وعن یزید بن رومان: کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بثلاث وعشرین رکعۃ۔ [3]

وقال الاعمش: کان یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلٰث وقال عطاء ادرکتم یصلون فی رمضان عشرین رکعۃ و الوتر ثلٰث رکعات۔ [4]

وعن السائب بن یزید قال: کانوا یقومون علی عھد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان بعشرین رکعۃ۔

(اخرجہ البیھقی فی سننہ الکبیر) باسناد صحیح و الحدیث قد صححہ غیر واحد من الائمۃ کالنووی فی ”الخلاصۃ“ والمجموع و الزیلعی فی (نصب الرایہ) و السبکی فی (شرح المنھاج) و ابن العراقی فی (طرح التثریب) و العینی فی (عمدۃ القاری) و السیوطی فی (المصابیح) وعلی القاری فی (شرح مشکوٰۃ) وفی (آثار السنن) کذا فی رسالۃ الشیخ اسماعیل الانصاری: ص: ۷: و کذا صححہ الحلبی فی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی: ص: ۴۰۶) وعن نافع ان ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قال کان ابن ابی ملیکۃ: یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ، رواہ ابن ابی شیبۃ باسناد صحیح۔ [5]

وعن عطاء: قال ادرکت الناس وھم یصلون ثلٰثا وعشرین رکعۃ بالوتر۔ (رواہ ابن ابی شیبۃ باسناد حسن)

---

[1] انظر: (الھدی النبوی الصحیح فی صلوٰۃ التراویح: ص: ۱۴۳)
[2] (قیام اللیل: ۱۵۷:)
[3] (قیام اللیل: ص: ۱۵۷)
[4] (قیام اللیل: ص: ۱۵۸)
[5] (آثار السنن: ص: ۲۰۶) وبذل المجھود: ج: ۲: ص: ۳۰۵)

وعن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: انہ امر رجلا ان یصلی بالناس عشرین رکعۃ۔[1]

وعلی عشرین رکعۃ انعقد الاجماع حیث لم ینکر علی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ احد و استمر العمل علی عشرین وبہ قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و الشافعی علیہ الرحمۃ و احمد علیہ الرحمۃ و الثوری علیہ الرحمۃ و ابن ابی لیلیٰ و جمھور اھل العلم من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و التابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وقال مالک علیہ الرحمۃ: بستۃ و ثلاثین رکعۃ وھو سنّۃ الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔ (اخرجہ احمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ و الحاکم و کذا فی سبل السلام)

وقال الشیخ محمد علی الصابونی: والمشھور فی مذھب مالک علیہ الرحمۃ انھا عشرون رکعۃ وبذالک یکون اجماع الائمۃ المجتھدین علی افضلیۃ العشرین فقد جآء فی کتاب (اقرب المسالک علی مذھب الامام مالک علیہ الرحمۃ) کما مرّ تفصیل ذالک۔

والجواب عمّا رواہ من الصلوٰۃ أبی بن کعب بن عثمان۔ بثمان رکعات للنسوۃ۔ کما رواہ ابو نصر و ابو یعلی قالا: انہ ما کان بامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بل کان برأی اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فلا ینتھض ھٰذا حجۃ علی الغیر۔

والثانی: ان الروایۃ ھٰذہ غیر ثابتۃ بطرق صحیحۃ بل واہ جدا فان مرادہ علی عینی بن جاریۃ وھو ضعیف قال ابن معین عندہ مناکیر وقال ابو داؤد منکر الحدیث و ذکر الساجی و العقیلی فی الضعفاء وقال ابن عدی احادیثہ غیر محفوظۃ کما فی تھذیب التھذیب۔

وفی المیزان: ان النسائی قال ھو منکر الحدیث و جآء عنہ انہٗ متروک الحدیث۔[2]

المسماۃ بصلوٰۃ التراویح وقد ثبت فی صحیح البخاری عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ قال فی التراویح نعمت البدعۃ ھٰذہ والّتی ینامون عنھا افضل فسماھا بدعۃ یعنی بدعۃ حسنۃ صرح بہ الشیخ جلال الدین السیوطی علیہ الرحمۃ فی کتابہ۔[3]

وقال العلامۃ ابن الاثیر فی کتابہ (النھایۃ فی غریب الحدیث و الاثر) وفی حدیث عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی قیام رمضان نعمت البدعۃ ھٰذہ البدعۃ بدعتان بدعۃ ھدی و بدعۃ ضلالۃ فما فی خلاف ما امر اللہ بہ و رسولہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فھو فی حیّز الذم و الانکار وما کان واقعًا تحت عموم ما ندب اللہ الیہ وحض علیہ اللہ او رسولہ فھو فی حیّز المدح، راجع للتفصیل المزید۔[4]

وقال العلامۃ السیوطی علیہ الرحمۃ فی موضع آخر: ثم رایت فی تخریج احادیث الشرح الکبیر شیخ الاسلام ابن حجر: ما نصّہ: قول الرافعی انہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی بالناس عشرین رکعۃ فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیھم ثم

---

[1] (اخرجہ البیھقی بطرق متعددۃ: تعلیق حسن علی آثار السنن: ص:۲۰۷)

[2] (رسالۃ الشیخ العلامۃ اسماعیل الانصاری: ص:۲۲)

[3] (الحاوی للفتاویٰ: ج:۱: ص:۳۴۸)

[4] (النھایۃ: ج:۱: ص:۱۰۷، ۱۰۶)

قال من الغد (خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقوھا) متفق علیه علی صحته من حدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا دون عدد الرکعات: زاد البخاری فتوفی رسول اللہ ﷺ والامر علی ذالک۔[1]

وقال فی موضع آخر: ومذھبنا ان التراویح عشرون رکعة لما روی البیھقی وغیرہ بالاسناد والصحیح عن السائب بن یزید الصحابی رضی اللہ تعالیٰ عنه قال: کنا نقوم علی عھد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه بعشرین رکعة والوتر۔[2]

وعن عبدالعزیز بن رفیع قال کان أبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنه یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث۔

رواہ البیھقی وعن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه بثلاث وعشرین رکعة وعلیه عمل الناس شرقًا وغربًا۔ (مؤطا امام مالک)

ونقل الزیلعی فی کتابه: حدیث آخر: (رواہ مالک) عن یزید بن رومان: قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة۔

ومن طریق مالک رواہ البیھقی فی (المعرفة) بسندہ ومتنه: وفی روایة فی (المؤطا) باحدی عشرۃ رکعة: قال البیھقی ویجمع بین الروایتین بانھم قاموا باحدی عشر رکعة ثم قاموا بعشرین واوتروا بثلاث: وقال ویزید بن رومان لم یدرک عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه۔[3]

وقال الشیخ عبدالعزیز محدث الدھلوی فی کتابه المعروف وروی المالک رضی اللہ تعالیٰ عنه فی المؤطا عن یزید بن رومان: قال کان الناس یقومون فی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه بثلاثة وعشرین وفی روایة باحدی عشرۃ۔

دریں ہر دو روایت جمع نمودہ است بایں طریق کہ اول صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدد یازدہ را کہ عدد مشہور تہجد آنحضرت بود دریں نماز ہم اختیار فرمودہ بودند۔

للعلة المشترکة بینھما وان کلا منھما صلوٰۃ اللیل

وچون نزد ایشان ثابت شد کہ آنحضرت دریں ماہ دریں قیام زیادہ از آن عدد میفرمودند بہ عشرین میرساند من بعد عدد بیست وسہ را اختیار کردند وبدین اجماع شدہ بود بعد از تحقق اجماع مراعات این عدد از ضروریات گشت در حق قرونِ متاخرہ ازین جہت است کہ فقہاء دریں امر

[1] (الحاوی للفتاویٰ: ج: ۱: ص: ۴۴۹)

[2] (الحاوی للفتاویٰ: ج: ۱: ص: ۳۵۰: وفی اعلاء السنن: ج: ۷: ص: ۴۸)

[3] (نصب الرایہ: ج: ۱۵۴: ۱: مؤطا: ص: ۴۰: والبیھقی فی السنن: ج: ۲: ص: ۴۹۶: شرح الآثار: ۲۰۷: والدرایہ: ج: ۱: ص: ۲۰۳ : فتاویٰ عزیزی: ص: ۱۱۹)

تشدد میکند وچیزهای بسیار است که بعد از تحقق اجماع تاکید شدید پیدا کرده اند وقبل ازین چندان تاکید نداشتند۔[1]

علم من کلام الشیخ عبدالعزیز محدث الدهلوی ان صلوٰۃ التراویح عشرین رکعۃ وھو الحق وعلیہ عمل الناس حدیثًا وقدیمًا فی سائر الامصار: ثم ان الذی اخذہ الجمہور من عشرین رکعۃ وھو سنۃ الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صح ذالک من روایۃ السائب بن یزید کما تقدم ولھا طرق صحح بعضھا البیہقی فی المعرفۃ کما فی نصب الرایۃ وصححہ فی السنن ایضًا۔[2]

وصحح بعضھا منھا النووی فی الخلاصۃ کما فی نصب الرایۃ وفی شرح التھذیب۔[3]

وصححہ ابن العراقی فی شرح التقریب۔[4]

وغیرھم من المحدثین وروی عن السائب فی روایۃ واحدی عشرۃ عند مالک فی المؤطا وثلاث عشرۃ رکعۃ عند المروزی فی (قیام اللیل) واحدی وعشرین ای مع الوتر عند عبدالرزاق کما فی (الفتح) فلیس باولی بالاخذ من روایتہ عشرین ای من غیر الوتر ومن روایتہ ثلاث وعشرین ای مع الوتر علی انہ جمع البیہقی بانھم قاموا اولا باحدی عشرۃ رکعۃ ثم قاموا بالعشرین واوتروا بثلاث کما فی (نصب الرایۃ) وحملہ الحافظ فی الفتح باختلاف الاحوال فی تطویل القراۃ واختصارھا وقال فی: ص: ۵۴۴: وبالجملۃ: عشرون رکعۃ من التراویح ھو قدر متفق بین الأُمّۃ والائمۃ من غیر خلاف وانما الخلاف فیما زاد ولا حاجۃ فی خلاف مالک فی ذالک وقد خالفہ من کبار اھل مذھبہ: مثل الحافظ ابی عمر بن عبدالبر حیث قال بعد التدلیل بعشرین رکعۃ وھو قول جمھور العلماء وھو الاختیار عندنا آہ۔

حکاہ فی شرح التقریب والعشرون ھو المذکور من مذھبہ فی کثیر من کتبھم کانوار الساطعۃ والدسوقی علی الشرح الکبیر ویقول الدسوقی فی التدلیل بعشرین وثلاث الوتر کما کان علیہ عمل الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثم جعلت فی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن عبدالعزیز ستًا وثلاثین بغیر الشفع والوتر۔ لکن الذی جری علیہ العمل سلفًا وخلفًا ھو الاول انتھی حکاہ فی الاوجز۔[5]

ثم ان العشرین کلھا سنۃ راتبۃ عند ابی حنیفۃ علیہ الرحمۃ والشافعی علیہ الرحمۃ علی ما ذکرہ صاحب البدائع وغیرہ منا وصاحب المجموع من الشافعیۃ ویاتی بیانہ وبالجملۃ فالمراد بقیام رمضان: التراویح ولم یقل احد من الائمۃ الاربعۃ باقل من عشرین رکعۃ لاجل تعامل اھل المدینۃ فکانوا یرکعون اربع رکعات انفرادًا فی کل ترویحۃ فاما اھل مکۃ فکانوا یطوفون فی الترویحات۔

---

[1] (فتاویٰ عزیزی: ج: ۱: ص: ۱۲۰)
[2] (ج: ۲: ص: ۴۹۶)
[3] (ج: ۴: ص: ۳۲)
[4] (ج: ۳: ص: ۹۷)
[5] (معارف السنن: ج: ۵: ص: ۵۴۶)

ثم حدیث ابی سلمة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها فی الصحیحین و لفظ البخاری (فی باب قیام النبی ﷺ باللیل فی رمضان و غیرہ) ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان و لا فی غیرہ علی احدی عشر رکعة یصلی اربعًا فلا تسأل عن حُسنهن و طولهن۔ نص فی انہ ﷺ لم یزد فی رمضان ایضًا علی احدی عشر رکعة مع الوتر فلابد من تسلیم انہ ﷺ صلی التراویح ایضًا ثمانی رکعات و لم یثبت فی روایة انہ ﷺ صلی التراویح و التهجد علی حدة فی رمضان: فلم یکن فی عهدہ ﷺ فرق بین التهجد و التراویح الا انہ ﷺ لما صلی التراویح بالناس طولها و لم یکن فرق فی الرکعات بل الفرق کان فی وقتها و صفتها۔ فالتراویح کانت فی المسجد و باجماعة و اول اللیل بخلاف التهجد فکان فی اخر اللیل فی البیت من غیر جماعة۔

استدلالهم بحدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها و الرد علیهم

و اما الاستدلال بحدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها ما کان النبی ﷺ یزید فی رمضان و لا فی غیرہ علی احدی عشرة رکعة۔ (الذی رواہ البخاری و مسلم)

فلا مستند لهم فیه علی عدم مشروعیة الزیادة لامرین

الاول: ان ما روته عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها هو الذی شاهدته من صلوٰته علیه السلام و لا ینافی هٰذا۔

انه علیه السلام کان یصلی اکثر من ذالک فانها احدی تسع زوجات و لم یکن ﷺ ینام عندها کل لیلة حتی تفطع و تجزم بالحکم و انما هی تخبر ناعما شاهدته من صلوٰته ﷺ و ها هی اُم المؤمنین عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها بانها ما رأت رسول اللہ ﷺ یصلی صلوٰة الضحیٰ قط۔

کما ورد ذالک فی صحیح مسلم من حدیث ابن شهاب عن عروة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها انها قالت ما رأیت رسول اللہ ﷺ یصلی سبحة الضحیٰ قط و انی لأسبحها۔ ای لاصلیها و ان کان رسول اللہ ﷺ لیدع العمل و هو یحب ان یعمل به خشیة ان یعمل به الناس فیفرض علیهم۔ (رواہ مسلم)

مع ان الثابت من هدیه الشریف ﷺ مواظبته علی صلوٰة الضحیٰ و الحث و الترغیب علیها حتی اوصی ابا هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه بعدم ترکها کما ثبت۔[1]

و فی صحیح مسلم عن عبدالرحمن بن ابی لیلی قال: ما اخبرنی احد انه رای النبی ﷺ یصلی الضحیٰ الا ام هانی فانها حدثت ان النبی ﷺ دخل بیتها یوم فتح مکة فصلی ثمانی رکعات ما رأته قط صلیٰ صلوٰة اخف منها غیر انه کان یتم الرکوع و السجود۔[2]

فهل ننکر صلوٰة النبی ﷺ لنافلة الضحیٰ لمجرد ان عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها لم تر النبی ﷺ یصلیها؟ فکذالک هنا فی قولها: "ما کان ﷺ یزید فی رمضان و لا غیرہ علی احدی عشرة رکعة۔۔۔الخ"۔

---

[1] (صحیح المسلم، ج: ۱: ص: ۴۹۹)

[2] (صحیح مسلم: ج: ۱: ص: ۴۹۷)

فانها تقص علینا ما شاهدته فی بیتها، ولا ینافی هٰذا انه علیه السلام۔ کان یصلی اکثر من ذالک عند غیرها من امہات المؤمنین الطاھرات۔

کما ثبت ذالک من حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ و زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرھما، حتی روی احمد فی زیاداته علی المسند عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

قال: کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل ست عشرۃ رکعۃ سوی المکتوبۃ۔

الامر الثانی: ان ما روته عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنها فی الصحیحین یعارضه ما رواہ مسلم فی صحیحه عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه قال: کان رسول اللہ ﷺ یصلی من اللیل ثلاث عشرۃ رکعۃ۔ [1]

فقد زاد فی هٰذا الروایۃ الصحیحۃ علی احدی عشرۃ رکعۃ، وکذالک یعارضه ما رواہ مسلم ایضًا عن زید بن خالد الجهنی المذکور۔ [2]

فذکر الحدیث الی ان قال: ثم اوتر، فذالک ثلاث عشرۃ رکعۃ فقط وتمام الکلام۔

(فی کتاب الشیخ محمد علی الصابونی: المسمیٰ: الهدی النبوی الصحیح فی صلوٰۃ التراویح)

قال ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والشافعی علیہ الرحمۃ واحمد علیہ الرحمۃ ان صلوٰۃ التراویح فی شهر رمضان عشرون رکعۃ وانها فی الجماعۃ افضل وهو قول الراجح لمالک وفی احدی الروایات عنه بستۃ وثلاثین رکعۃ۔ (الشعرانی علیہ الرحمۃ)

صلوٰۃ التراویح سنۃ النبی ﷺ وهی عشرون رکعۃ وهی سنۃ مؤکدۃ۔ آه۔ [3]

اعلم انّ صلوٰۃ التراویح وهی عشرون رکعۃ باتفاق العلماء علیہ الرحمۃ۔ [4]

والذی استقر علیه الامر واشتهر من الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والتابعین علیہ الرحمۃ ومن بعدهم اجمعین۔ هی عشرون رکعۃ من الصدر الاول الی الآن، آه۔

(ماثبت بالسنۃ) وقال مالک علیہ الرحمۃ فی قول ستۃ وعشرون رکعۃ، آه۔ [5]

اقول ان العشرین منها هی التراویح والستۃ منها هی التهجد ولم یتعرض الی الوتر وقال مالک علیہ الرحمۃ فی قول ستۃ وثلاثون رکعۃ۔ آه۔ [6]

او نقول فی الجواب وما احتج به مالک علیہ الرحمۃ من عمل اهل المدینۃ المنورۃ لیس بحجۃ لانهم یصلون فرادیٰ بین کل ترویحتین وذالک غیر ممنوع علی امام والکلام فیها هو المشروع بالجماعۃ لا فیما عداہ ای لیس الکلام فیما سوی من احدی وعشرین رکعۃ علی اول اقوال مالک علیہ الرحمۃ ومن ستۃ رکعۃ علی القول الثانی منه ومن ستۃ عشرۃ رکعۃ

---

[1] انظر: (صحیح مسلم: ج: ۱: ص: ۵۳۱)
[2] (صحیح مسلم: ج: ۱: ص: ۵۳۲)
[3] (احیاء العلوم: ج: ۱: ص: ۱۳۹)
[4] (کتاب الاذکار: ص: ۸۳)
[5] (بدائع: ج: ۱: ص: ۲۸۸: تراویح، والکبیری: ص: ۴۵۵)
[6] (بدائع: ج: ۱: ص: ۲۸۸، الشامی: ج: ۱: ص: ۴۷۳)

علی القول الثالث منہ علیہ الرحمۃ۔ فان قیل بان قولھم ان الحدیث "عشرون رکعۃ" مخالف للحدیث الصحیح المروی فی الصحیحین عن اُمّنا عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فی باب التھجد احدی عشر رکعۃ وفی روایۃ البخاری ثلٰث عشرۃ رکعۃ۔آہ۔[1]

قلنا فی الجواب اوّلًا۔[2]

یجمع بین الروایتین بانھم قاموا باحدی عشر رکعۃ او ثلٰث عشرۃ رکعۃ ثم استقر الامر بان قاموا بعشرین رکعۃ۔۔۔الخ۔

ثانیًا ان ھٰذا الحدیث الصحیح لعائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محمول علی التھجد بوجوہ۔ الاول انہٗ فی رمضان وغیرہ سواء لقول ام المؤمنین عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ما کان یزید فی رمضان وغیرہ۔۔۔، الخ۔

المروی فی السوال فظھر انہ التھجد اذ لا تراویح فی غیر رمضان بالاجماع والاوجہ الثانی بان روی ھٰذا الحدیث الصحیح ابو سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال فی آخرہ قالت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اتنام قبل ان توتر قال یا عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان عینیَّ تنامان ولا ینام قلبی کذا فی البخاری ومسلم۔

وظاہر است کہ نوم قبل از وتر در تہجد متصور نمیشود فقط۔آہ۔[3]

وفی تلخیص الجبیر قال الرافعی علیہ الرحمۃ ان التھجد یقع علی الصلوٰۃ بعد النوم واما الصلوٰۃ قبل النوم فلا یسمّی تھجّدًا روی ابن خثیمۃ عن طریق الاعرج عن کثیر عن الحجاج بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ فان قیل ان حدیث ابی بکر بن ابی شیبۃ المروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عشرون رکعۃ معلول بابی شیبۃ ابراھیم بن عثمان جدّ الامام ابی بکر بن ابی شیبۃ وھو متفق علی ضعفہ وابن عدی فی الکامل، آہ۔[4]

قلنا فی الجواب اولا ان ھٰذا الحدیث اعتضد باحادیث الصحیحین وغیرھما المجملۃ من عدد رکعات التراویح وھی:

(۱) حدیث زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[5]

(۲) حدیث ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ المروی فی مسلم۔[6]

(۳) حدیث عبد الرحمن القاری الذی رواہ البخاری والکبیری۔[7]

---

[1] (نصب الرایۃ: ج:۱ :ص:۲۹۳: ومؤطا للامام محمد علیہ الرحمۃ وفتح القدیر: ج:۱ :ص:۲۰۵: ومنھا الوتر کما فی الصحیحین وابن خزیمۃ وابن حبان والطحطاوی:ص:۲۴۶)

[2] (قال البیھقی والنووی وابن البر والباجی فی شرح المؤطا مالک علیہ الرحمۃ ونصب الرایۃ: ج:۱ :ص:۲۹۴ :وفتح القدیر: ج:۱ :ص:۲۰۵)

[3] (الشاہ عبد العزیز الدھلوی علیہ الرحمۃ ومجموعۃ الفتاویٰ لعبد الحیٔ الکھنوی: ج:۱ :ص:۸:، ج:۳:ص:۵۸)

[4] (نصب الرایۃ: ج:۱ :بحث التراویح:ص:۲۹۳ :وفتح القدیر: ج:۱ :ص:۲۰۵ :والبحر الرائق: ج:۲:ص:۶۶)

[5] (المتفق علیہ:مشکوٰۃ:ص:۱۱۴)

[6] (المشکوٰۃ:ص:۱۱۴)

[7] (المشکوٰۃ:ص:۱۱۵)

وثانیًا ان ھٰذا الحدیث اعتضد بحدیث السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ الصحیح وبحدیث یزید بن رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وثالثًا (۱) انہٗ قد ثبت عند الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلوٰۃ الرسول ﷺ عشرین رکعۃ ای التراویح کما جآء فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخرجہ ابن ابی شیبۃ فاختارہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آہ۔

فتح المنان للشیخ عبد الحق الدھلوی علیہ الرحمۃ

(۲) انہٗ علیہ السلام صلّی بالناس عشرین رکعۃ لعلہٗ اخذہ مما فی مصنف ابن ابی شیبۃ، والقسطلانی والعینی للھدایۃ واللمعات وغیرھا۔

(۳) ان الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روی منہ الحسن علیہ الرحمۃ ومحمد علیہ الرحمۃ وابو یوسف علیہ الرحمۃ ان التراویح سنۃ مؤکدۃ۔ ولم یتخرجہ من تلقاء نفسہ ولم یکن فیہ مبتدعًا ولم یامر بہ الا عن اصل لدیہ وعھد عن رسول اللہ ﷺ۔ آہ کما مرّ۔

ورابعًا انہ الخبر ضعیف لکن واعتضدہ باجماع امۃ المسلمین کما قالوا۔

(۱) الروایتان ضعیفتان لکن الخبر اضعف لانہ اجمع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔ آہ۔[1]

(۲) قال العلامۃ بدر الدین العینی فی منحۃ السلوک شرح تحفۃ الملوک التراویح عشرون رکعۃ وعند مالک علیہ الرحمۃ ست وثلاثون۔ لنا ما روی البیھقی باسناد صحیح انھم کانوا یقومون علی عھد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعۃ وعلی عھد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مثلہ فصار اجماعًا لا شک فیہ، آہ۔[2]

وفی شرح المنیۃ حکی غیر واحد، الاجماع علی سنیتھا وتمامہ فی البحر، آہ۔[3]

والتراویح عشرون رکعۃ سنۃ للرجال والنساء اجماعًا، آہ۔[4]

والجواب حناسًا ضعف ابی شیبۃ این قدرست کہ روایت او را مطروح و مطلق ساختہ شود۔

اری اگر معارض او حدیث صحیح بودی البتہ ساقط شود۔

وقد سبق ان ما یتوھم معارض لہ اعنی حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا المتقوم لیس معارضًا لہ، آہ۔[5]

---

[1] (شرح المشکوٰۃ لابن حجر العسقلانی والعینی علی الھدایۃ والشاہ عبد العزیز الدھلوی علیہ الرحمۃ ثم مجموع الفتاوی: ج:۱ ص:۸)

[2] (ثم مجموعۃ الفتاوی لعبد الحئ: ص:۸:)

[3] (ثم الشامی: ج:۱ ص:۴۷۳)

[4] (تنویر الابصار والدر المختار)

[5] (الشاہ عبد العزیز الدھلوی وثم مجموعۃ الفتاوی: ج:۱ ص:۸)

الاجوبة الصحیحة عن ادلة المخالفین

تجویز الثالث: السوال الاول: فان قیل قال بعض الروافض هی سنة للرجال دون النساء، آه۔ [1]

اقول فی الجواب اولا انه لا اعتداد بقول الروافض لانهم اهل بدعة یتبعون اهوائهم و لایعولون علی کتاب و سنة وینکرون الاحادیث الصحیحة، آه۔ [2]

وفی الجواب ثانیًا انه قد صح و ثبت صلوٰة التراویح بعشرین رکعة عن امّنا عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها و ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنه وغیرهما، آه۔ [3]

وفی الجواب ثالثًا ان عموم الاحادیث صریح فی تناول الرجال و النساء وفی الجواب رابعًا ان علماء الاسلام صرّحوا بانهم سنة للرجال و النساء کما مرّ آنفًا۔

السوال الثانی: فان قیل قال قوم من الروافض ان التراویح لیست بسنة بل مستحبة لان النبی ﷺ اقامها فی بعض اللیالی ولم یواظب علیها ثم احدثها عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه۔ [4]

وقال ویستحب ان یجمع الناس، آه۔

(۳) کذا وقال ابن الهمام علیہ الرحمۃ فالاولی ماهو قول القدوری علیہ الرحمۃ ویستحب ای الاجتماع، الخ۔

لاماذکره المصنف علیہ الرحمۃ فیه من انها سنة۔ [5]

اقول فی الجواب اولا انه قد مرّ انه لا اعتداد بقول الروافض لانهم اهل بدعة۔۔۔الخ۔

کما مرّ من الشامی وفی الجواب ثانیًا ان قول القدوری المذکور یدل علی ان الاجتماع للتراویح مستحب ولیس فیه دلیل علی ان التراویح مستحبة۔ [6]

السوال الثالث: فان قیل قال النووی علیہ الرحمۃ:

(۱) اتفق العلماء علی استحبابها۔ آه۔ [7]

(۲) واجتمعت الامة علی ان قیام رمضان لیس بواجب بل هو مندوب، آه۔ [8]

اقول فی الجواب ان المراد بالاستحباب و المندوب المذکورین فی قول النووی علیہ الرحمۃ هی السنة فلا مخالفة بوجوه:

---

[1] (المراقی بحث التراویح: ص:۲۴۷: وخانیة: ج:۱: ص:۱۱۲: وابو المکارم: ج:۱: ص:۹۷: والشامی: ج:۱: ص:۴۷۳: منحة الخالق: ج:۲: ص:۶۶)

[2] (الشامی: ج:۱: ص:۴۷۳)

[3] (خانیة: ج:۳: ص:۱۱۲: وابن ابی شیبة و کتاب الآثار لمحمد علیہ الرحمۃ)

[4] (خانیة: ج:۱: ص:۱۱۲: والبرهان والعلامة ثم الشامی ثم الطحطاوی والمراقی: ص:۲۴۷: ومنحة الخالق: ج:۲: بحث التراویح: ص:۶۶)

[5] (فتح القدیر: ج:۱: ص:۲۰۵)

[6] (کذا فی العنایة ثم البحر: ج:۲: ص:۶۶: والشامی: ج:۱: ص:۴۷۲: وشرح مجموع البحرین وکذا الهدایة وفوائد القدوری ثم الفاتح بحث التراویح)

[7] (النووی علی المسلم: ص:۲۵۹)

[8] (نووی: ص:۲۵۹)

الاول انهما مقابلان للواجب نفیًا واثباتًا فی مجموع قولی النووی المذکورین وقد ثبت کونها سنة وکذا المندوب والمستحب بالمعنی اللغوی لاینافی السنة المصطلحة کما لایخفی علی اهل العلم۔

والثانی انه لا شک فی الاجوبة عن ضعف حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

والثالث ان النووی علیہ الرحمۃ شافعی المذهب وقد مرّ من حوالة الترمذی ان الشافعی علیہ الرحمۃ یقول بان التراویح عشرون رکعة عنده۔

السوال الرابع: فان قیل تحصّل من هٰذا کله ان قیام رمضان احدی عشر رکعة بالوتر فی جماعة فعله علیه السلام ثم ترکه لعذر فانه لو لا خشیة ذالک لو اظبت بکم ولا شک فی تحقیق من ذالک فیکون سنة وکونها عشرون رکعة سنة الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنه وقوله علیه السلام علیکم بسنّتی وسنة الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنه ندب الی سنتهم ولایستلزم کون ذالک سنته علیه السلام اذ سنته صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمواظبته بنفسهٖ الا لعذر وبتقدیر عدم ذالک العذر انما استفدنا انه کان یواظب علی ما وقع منه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وهو ما ذکرناه فتکون العشرون مستحبًا وذالک القدر منها وهو السنة کالاربع بعد العشاء مستحبة والرکعتان منها سنة وظاهر کلام المشائخ علیہم الرحمۃ ان السنة هی عشرون رکعة ومقتضی الدلیل ما قلنا۔[1]

قلنا فی الجواب بوجوه الاول ان اطلاق لفظ قیام رمضان علی احدی عشر رکعة مع الوتر غیر صحیح لان قیام رمضان مختص بما یصلی فی رمضان دون غیره وقد قالت امّنا عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها الصدیقة ما کان علیه السلام یزید فی رمضان ولا غیره علی احدی عشر رکعة کما مرّ فظهر عموم هٰذا المقدار۔

والثانی ان قوله احدی عشر رکعة محتاج الی دلیل ولم یوجد لفظ الجماعة ولا مفهومه مع احدی عشر رکعة فی حدیث ولا اثر صریح ولا کنایة وکل حدیث وجد فیه لفظ الجماعة او مفهومه لیس فیه احدی عشر رکعة وکل حدیث وجد فیه احدی عشر رکعة لم یوجد فیه الجماعة ولا مفهومه۔

فهٰذا دلیل علی ان احدی عشر رکعة مع الوتر فی التهجد دون التراویح فتدّبر۔

وذکرت جوابه فیما علقته علی البحر والشامی: ص: ۴۷۴: (فلیراجع) والثالث ان ارجاع ضمیر قوله ثم ترکه لعذر۔آه۔ الی احدی عشر رکعة غیر صحیح لانه لم یثبت ترک احدی عشر رکعة بوجه من الوجوه۔ وکل حدیث وجد فیه الترک لم یوجد فیه احدی عشر رکعة وکذا العکس۔

والرابع ان قوله وکونها عشرین سنة الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنه الراشدین، آه۔

خلاف التحقیق لانه قد ثبت ان کونها عشرین سنة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

والخامس: آنچہ نوشتہ کہ قوله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنه ندب الی سنتهم، آه۔

---

[1] (فتح القدیر: ج: ۱: ص: ۲۰۵)

مخدوش است زیرا کہ علیکم موضوع است برای لزوم پس ازین حدیث صاف لزوم سنۃ الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثابت میشود، آہ۔[1]

والسادس: آنکہ معطوف در حکم معطوف علیہ میشود پس ہمچنان کہ لزوم سنۃ نبویہ علیہ السلام ازین حدیث ثابت شدہ لزوم سنۃ الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز ثابت خواہد شد، آہ۔[2]

والسابع: آنکہ اگر غرض آنحضرت ﷺ بیان استحباب سنۃ الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بودی تخصیص خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالذکر را وجہ نبودی چہ سُنن جملۃ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ برای ما یان مستحب ھستند، آہ۔[3]

والثامن: انّ قوله اذا السنة بمواظبته بنفسهٖ مبنی علی خلاف التحقیق اذ التحقیق ان السنة تثبت بمواظبة النبی ﷺ او بمواظبة الصحابة رضی الله تعالیٰ عنه۔

والتاسع: ان تعریفه هٰذا مع کونه خلاف التحقیق یصدق علی التراویح بعشرین رکعة لما مر من ثبوت مواظبته ﷺ علی عشرین رکعة ایضًا۔

العاشر: ان قوله بتقدیر عدم ذالک العذر، آہ۔

غیر صحیح اذ بیان العذر لم یوجد فی حدیث احدی عشر رکعة وکل حدیث وجد فیه بیان العذر لم یوجد فیه احدی عشر رکعة۔

والحادی عشر: ان قوله انما استفدنا انه کان یواظب علی ما وقع منه ﷺ وهو ما ذکرناه غیر صحیح لان المواظبة علی احدی عشر رکعة المنصوصة فی حدیث عائشة رضی الله تعالیٰ عنها لاتستفاد انما المستفاد فی غیر احدی عشر رکعة۔

والثانی عشر: ان قوله وذالک القدر منها هو السنة۔ آہ۔ غیر صحیح لان کون احدی عشر رکعة جزءً من العشرین غیر منصوصة بل کلاهما شیئان متغایران۔ والثالث عشر: ان قوله فتکون العشرون مستحبًا۔ آہ۔

خلاف التحقیق لانه خلاف الاحادیث والاجماع وعمل السلف والخلف واقوال اهل السنة والجماعة۔

والرابع عشر: ان قوله وظاهر کلام المشائخ ان السنة عشرون۔ آہ۔ غیر صحیح لان السنة هی العشرون معمول النبی ﷺ ایضًا وثابت باجماع الصحابة رضی الله تعالیٰ عنه واجماع المتقدمین والمتاخرین من المجتهدین رحمہم اللہ فتخصیص المشائخ بالذکر تقصیر وتفریط فنذکر مامر واما قوله وظاهر الکلام۔۔الخ۔

---

[1] (الشاه عبدالعزیز الدهلوی رحمہ اللہ ثم مجموعة الفتاوی: ج:۲:ص:۹)

[2] (الشاه عبدالعزیز الدهلوی رحمہ اللہ ثم مجموعة الفتاوی: ج:۲ ص:۹)

[3] (الشاه عبدالعزیز الدهلوی ثم مجموعة الفتاوی لعبد الحیٔ: ج:۲:ص:۱۹)

فتویه لا یناسب شان ابن الھمام علیہ الرحمۃ

و الخامس عشر: ان قوله و مقتضی الدلیل ما قلنا۔آہ۔

مزعوم و معجون مرکب من اطراف شتّی علی ما حرّرہ ابن الھمام علیہ الرحمۃ و لھٰذا قال تحصّل من ھٰذا کله مقصود اصلیة۔۔۔الخ۔

حکم منکر التراویح بعشرین رکعة

س: ما حکمه یعنی المنکر للتراویح بعشرین رکعة و ما قول علماء الاسلام علیہ الرحمۃ فیه یعنی فی حقه؟

ج: من انکر عنها فھو مبتدع و ضال و مردود الشھادة کما فی (المضمرات و الطحطاوی و المراقی بحث التراویح:ص:۲۴۶: وفتاوی الحجة ثم ابو المکارم و الجامع و البرھنه:ص:۲۷۹: و البرجندی:ص:۱۴۰) لان التراویح بعشرین رکعة ثابتة بالاحادیث و الآثار و اجماع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه و اجماع الائمة الاربعة رضی اللہ تعالیٰ عنه و من بعدھم من اھل السنة علیہ الرحمۃ لدلائل کثیرة وردت بذالک و قد مر نبذة منھا فتذکر۔

فمنکرھا ضال مضل و خارج عن الاجماع و داخل فی الخوارج۔

س: ما یدل علی سنیته المؤکدیة للتراویح؟ بیّنوا بالدلائل الواضحة المنقولة من الاحادیث۔

ج: قلنا فی الجواب اولا ثبت سنیتھا بفعل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔آہ۔[1]

و ثانیًا فی الصحیحین عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی ذات لیلة فی المسجد فصلی بصلوٰته ناس۔

ثم صلی من القابلة فکثّر الناس ثم اجتمعوا من اللیلة الثالثة او الرابعة فلم یخرج الیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

فلما اصبح قال قد رأیت الذی صنعتم فلم یمنعونی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان تفرض علیکم و ذالک فی رمضان، آہ۔[2]

و ثالثًا: عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنه قال صُمنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلم یصل بنا حتی بقی سبع من الشھر فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل ثم لم یقم بنا فی السادسة و قام بنا فی الخامسة حتی ذھب شطر اللیل۔ فقلنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لو نفلتنا بقیّة لیلتنا ھٰذہ۔ فقال علیه السلام انه من قام مع الامام حتی ینصرف کتب له قیام لیلة ثم لم یقم بنا حتی بقی ثلث من الشھر صلّی بنا فی الثالثة و دعا اھله رضی اللہ تعالیٰ عنه و نسائه رضی اللہ تعالیٰ عنه فقام بنا حتی یخوفنا ان یفوتنا الفلاح۔ فقلت و ما الفلاح قال السحور۔[3]

---

[1] (مراقی الفلاح:ص:۲۴۷)

[2] (الکبیری:ص:۴۵۰ وطحطاوی المراقی:ص:۲۴۶: وفتح القدیر:ج:۱:ص:۲۰۵: والبخاری:ج:۱:ص:۲۶۹: وزاد فی تذکرة الواعظین فی الصوم فتوفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و الامر علی ذالک:ص:۱۳۸)

[3] (رواہ ابو داؤد والترمذی والنسائی و ابن ماجه و احمد و قال الترمذی حدیث صحیح۔آہ۔الکبیری بحث التراویح:ص:۴۵: والترمذی:ج:۳:ص:۱۰۴)

ورابعًا: قالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها کان رسول اللہ ﷺ یجتهد فی رمضان ما لا یجتهد فی غیرہٖ آہ۔ (رواہ مسلم)

وخامسًا: عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر۔[1]

ومزید التفصیل مع جوابات جرح المنکرین علی هٰذہ الروایة مذکور فی مخزن الحقائق۔

وسادسًا: عن السائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعة والوتر۔[2]

وسابعًا: عن یزید بن رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان بثلٰث وعشرین رکعة۔[3]

الدلائل القولیة الدالة علی سنیة المؤکدیة للتراویح

قال علماء اهل السنة والجماعة هی سنة لانه جآء عن رسول اللہ ﷺ انه قال فی شان رمضان فرض اللہ تعالیٰ علیکم صیامه وسننت لکم قیامه آہ۔[4]

وقال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تعالیٰ فرض علیکم صیام رمضان وسننت لکم قیامه۔[5]

وعن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان رسول اللہ ﷺ یرغب فی قیام رمضان من غیر ان یامر فیه بعزیمة فیقول من قام رمضان ایمانًا واحتسابًا غفر له ماتقدم من ذنبه فتوفی رسول اللہ ﷺ والامر علی ذالک۔ ثم کان الامر علی ان ذالک فی خلافة ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصدر من خلافة عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[6]

والمراد بقیام رمضان صلوٰة التراویح آہ۔[7]

ویدل علی ذالک تعبیرات العلماء رحمہم اللہ۔ وعن بن ابی شهاب رحمہ اللہ عن عروة بن الزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن عبدالرحمٰن بن عبد القاری انه قال خرجت مع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الخطاب لیلة فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی بصلوٰته الرهط۔

---

[1] (اخرجه ابن ابی شیبة فی مصنفه والطبرانی والبیهقی والفقیه ابو الفتح سلیم بن ایوب الرازی فی کتاب الترغیب۔۔۔۔الخ۔ نصب الرایة: ج:۱: فصل فی قیام شهر رمضان: ص:۲۹۳: والطحاوی والمراقی: ص:۲۴۶: وقاضی خان: ج:۱: ص:۱۱۲: ومنحة الخالق: ج:۲: تراویح: ص:۶۶)

[2] (اخرجه البیهقی فی المعرفة قال النووی رحمہ اللہ فی الخلاصة واسناده صحیح۔۔۔الخ۔ نصب الرایة: ج: ۱: فصل فی قیام رمضان: ص:۲۹۴: وفتح القدیر: ج:۱: ص:۲۰۵)

[3] (رواه مالک فی المؤطا والبیهقی فی المعرفة۔آہ۔ نصب الرایة: ج:۱: فصل فی قیام شهر رمضان: ص:۲۹۴)

[4] (خانیة: ج:۱: کتاب الصوم: ص:۱۱۲)

[5] (رواه النسائی وابن ماجه واحمد: الکبیری بحث التراویح: ص:۴۰۵: وتذکرة الواعظین: ص:۲۳۸: ومراقی الفلاح بحث التراویح: ص:۲۴۷: والخانیة: ص:۱۱۲: وفاتح القدوری والکافی ثم البرجندی: ج:۱: ص:۱۴۰: والجوهری: ج:۱: ص:۹۷)

[6] (رواه مسلم: ص:۲۵۹: والبخاری: ج:۳: ص:۲۵۵: ص:۲۶۹: ثم المشکوٰة باب قیام شهر رمضان الفصل الاول: ص:۱۱۴: والمؤطا للامام محمد رحمہ اللہ: ص:۱۴۲: وتذکرة الواعظین: ص:۲۳۸)

[7] (النووی: ص:۲۵۹: والکرمانی ثم العینی علی البخاری: ج:۱: ص:۱۶۹)

فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انی اری لو جمعت ھٰؤلاء علی قاری لکان امثل ثم عزم فجمعھم علی ابّی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

ثم خرجت معہ لیلۃ اخری و الناس یصلون بصلوٰۃ قارئھم۔ فقال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعمۃ البدعۃ ھٰذہ و الّتی تنامون عنھا افضل یرید آخر اللیل و کانوا یقومون اولہ۔[1]

سُنّیۃ التراویح بعشرین رکعۃً بالاجماع

(۱) التراویح سنۃ مؤکدۃ باجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ و من بعدھم من الائمۃ، آھ۔[2]

(۲) قد اجمعت الامّۃ علی مشروعیۃ التراویح و جوازھا و لم ینکرھا احد من اھل القبلۃ، آھ۔[3]

(۳) وحکی غیر واحد الاجماع علی سنیتھا۔[4]

علی عھد عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعۃ و علی عھد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(۴) روی ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع اصحاب رسول اللہ ﷺ و لم ینکر علیہ احد فکان ذالک اجماعًا منھم علی ذالک، آھ۔[5]

(۵) وفی البخاری فتوفی رسول اللہ ﷺ و الامر علی ذالک فی خلافۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و صدر خلافۃ عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین جمعھم عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقام بھم فی رمضان فکان ذالک اجماع الناس علی قارئ واحد فی رمضان کما فی فتح الباری، آھ۔[6]

(۶) اجمع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی ان التراویح عشرون رکعۃ، آھ۔[7]

حکم تکرارِ التراویح

(۱) ولو صلی الامام التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال۔ قال ابو بکر الاسکاف لایجوز و قال ابو نصر یجوز لاھل المسجدین، آھ۔[8]

(۲) امام یصلی التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی وجہ الکمال لایجوز، آھ۔[9]

---

[1] (رواہ البخاری و رواہ اصحاب السنن و صححہ الترمذی و الفتح: ص: ۲۰۵: و نصب الرایۃ: ج: ۵: ص: ۲۹۳: و المؤطا للامام محمد رحمۃ اللہ علیہ: ص: ۱۴۳: قیام شھر رمضان)

[2] (الفتاوی الحجۃ ثم البرھان ثم ابو المکارم: ج: ۱: ص: ۷۹: و الطحطاوی علی المراقی: ص: ۲۴۶)

[3] (علامہ نوح ثم البرھان ثم الطحطاوی علی المراقی: ص: ۲۴۷: و منحۃ الخالق: ج: ۲: ص: ۶۶: و شامی: ج: ۱: ص: ۴۷۳)

[4] (و تمامہ فی البحر: ج: ۲: ص: ۶۶: و الشامی: ج: ۱: ص: ۴۷۲)

[5] (البدائع: ص: ۲۸۸)

[6] (الطحطاوی علی المراقی: ص: ۲۴۶: و الشامی: ج: ۱: ص: ۴۷۳)

[7] (شرح ابن حجر علی المشکوٰۃ و القسطلانی و العینی علی البخاری)

[8] (الجوھرۃ: ص: ۹۸)

[9] (الخلاصۃ: ص: ۸۷)

ولا یصلی امام واحد التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی الکمال۔

ولو فعل لایحتسب الثانی من التراویح وعلی القوم ان یعیدوا لان صلوٰۃ امامتهم نافلة وصلوٰتهم سنة والسنة اقوی فلم یصح الاقتدآء لان السنة لاتتکرر فی وقت واحد وما صلی فی المسجد الاول فهو محبوب، آہ۔[1]

(۵) لانه لایتکرّر، آہ۔[2]

ولو صلی امام واحد التراویح فی مسجدین فی کل مسجد علی وجه الکمال اختلف المشائخ علیہ الرحمۃ حکی من ابی بکر الاسکاف علیہ الرحمۃ انه لایجوز قال ابو بکر علیہ الرحمۃ سمعت ابا نصر علیہ الرحمۃ انه قال یجوز لاهل المسجدین جمیعًا کما لو اذّن واقام وصلی ثم اتی مسجدًا آخر فاذّن واقام وصلی معهم فانه لایکره وانما یکره اذا اذن واقام ولایصلی معهم کذالک فی التراویح، آہ۔[3]

واختار الفقیه ابو اللیث السمرقندی قول الاسکاف علیہ الرحمۃ۔[4]

واختار ابو اللیث علیہ الرحمۃ قول الاسکاف علیہ الرحمۃ وهو الصحیح، آہ۔[5]

وعلیه الفتوی لان السنة لاتتکرّر فی الوقت فتقع الثانیة نفلا ولو صلی التراویح امام واحد باماتین فی مسجد واحد یکره کما اذن واقام مرّتین فی مسجد واحد، آہ۔[6]

وقال فی البدائع اذا صلی التراویح ثم اراد ان یصلوها ثانیًا یصلون فرادیٰ لا بجماعة لان الثانیة تطوع مطلق والتطوع المطلق بجماعة مکروہ، آہ۔[7]

ولاباس لغیر الامام ان یصلی فی مسجدین لانه اقتداء المتطوع بمن یصلی السنة، آہ۔

لایکره لو امّ فیها ثم اقتدیٰ بغیر فی التراویح فی المسجد الثانی، آہ۔[8]

ولو امّ رجل فی التراویح ثم اقتدیٰ باٰخر فی تلک اللیلة لایکره له ذالک کما لو صلی المکتوبة امامًا ثم اقتدیٰ فیها متنفّلا بامام آخر وهٰذا لان صلوۃ النفل غیر التراویح ونحوها بالجماعة انما تکره اذا کان الامام والمقتدی به معًا متنفّلین وکان علی سبیل التداعی، آہ۔[9]

ولو زاد علی العشرین بالجماعة یکره عندنا بناء علی ان التطوع بالجماعة مکروہ، آہ۔[10]

---

[1] (البدائع ثم الشبلی: ج: ۱: ص: ۱۷۱:)

[2] (الخلاصة: ج: ۱: ص: ۸۷)

[3] (قاضی خان: ج: ۳: ص: ۱۱۲: والکبیری: ص: ۴۵۷)

[4] (الکبیری: ص: ۴۵۷: والبرهنة: ج: ۱: ص: ۳۸۰)

[5] (الکبیری: ص: ۴۵۷: الجوهری: ج: ۱: ص: ۹۸: قاضی خان: ج: ۲: ص: ۱۱۲)

[6] (قاضی خان: ج: ۳: ص: ۱۱۲: والکبیری: ص: ۴۵۷: والبرهنه: ج: ۱: ص: ۲۸۱)

[7] (شبلی: ج: ۱: ص: ۱۷۸: والسراجیة: ج: ۱: ص: ۱۲۴: والخلاصة: ج: ۱: ص: ۹۵)

[8] (السراجیة: ج: ۱: ص: ۱۲۴: والطحطاوی: ص: ۲۴۷)

[9] (الکبیری: ص: ۴۵۷: والطحطاوی: ص: ۲۴۷)

[10] (الخلاصة والبرهنه: ص: ۶۵: والهندیة: ج: ۱: ص: ۱۶۱)

ختم القرآن المجید فی التراویح

الختم فی التراویح مرّۃ واحدۃ سنۃ، آہ۔[1]

وسُنّ ختم القرآن فیھا مرۃ فی الشھر علی الصحیح وھو قول الاکثر۔[2]

وسُنَّ فیھا الختم مرّۃ عند الجمھور علیہ الرحمۃ وھو سنۃ الخلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ، آہ۔[3]

واکثر المشائخ علیہ الرحمۃ علی ان السنۃ فیھا الختم مرۃ فلا یترک لکسل القوم، آہ۔[4]

والختم مرۃ سنۃ ای قراءۃ الختم فی صلوٰۃ التراویح سنۃ وصححہ فی الخانیۃ وغیرھا وعزاہ فی الھدایۃ واکثر المشائخ وفی الکافی الی الجمھور وفی البرھان وھو المروی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والمنقول فی الآثار، آہ۔[5]

ولا یترک الختم لکسل القوم، آہ۔[6]

ولا یقرأ اقل مما یحصل بہ الختم، آہ۔[7]

الامام اذا کان لا یختم فی مسجدہ فی التراویح ان کان یقرء قدر المسنون لا یذھب الی مسجد آخر، آہ۔

مسئلہ: اگر در ہر رکعت از تراویح دہ (۱۰) آیۃ خوانند شود قایم مقام ختم میشود کما فی ذخیرۃ العقبیٰ وھو الصحیح کما مرّ فی البحر الرائق ظاہرًا مراد آن باشد، واستماع تمام قرآن افضل است، آہ۔[8]

والفضیلۃ فی الختم مرّتین، آہ۔[9]

وینبغی للامام وغیرہ اذا صلّی التراویح وعاد الی منزلہ وھو یقرأ القرآن ان یصلی عشرین رکعۃ فی کل رکعۃ عشر آیات احرازًا للفضیلۃ وھی الختم مرّتین، آہ۔[10]

اقول ان الغرض من نقل ھٰذہ العبارۃ ھو کون الفضیلۃ وھی الختم مرّتین، آہ۔[11]

---

[1] (تنویر الابصار والمختصر والوقایۃ والملتقی والکنز والھدایۃ والقدوری والدر المختار:ج:۱:ص: ۴۷۴: ومجموع الانھر:ج:۱:ص:۱۳۳: والجوھرۃ:ج:۱۱:ص:۹۸: والبرجندی:ص:۱۴۱: وجامع الرموز:ص:۹۶: وابو المکارم والزیلعی والصدر الشھید والخلاصۃ والنھایۃ وعالمگیری:ص:۱۶۴:والبرھنۃ:ص:۲۸۰:ومجموعۃالخانی:ص:۱۱۴:والکبیری:ص:۴۵۷)

[2] (رواہ حسن علیہ الرحمۃ عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نور الایضاح والمراقی:ص:۲۴۸)

[3] (ابو المکارم:ص:۵۸)

[4] (ھدایۃ:ص:۲۵۶)

[5] (شامی:ص:۴۷۴)

[6] (الملتقی:ص:۱۳۳:والمختصر:ص:۹۶:والکنز والوقایۃ وتنویر الابصار)

[7] (الجوھرۃ:ج:۱۳:ص:۹۸)

[8] (ترغیب الصلوٰۃ:ص:۱۴۵)

[9] (قاضی خان:ج:۳:ص: ۱۱۴: ثم الکبیری:ص:۴۵۶: والسراج الوھاج ثم عالمگیری:ص:۱۶۴ والکافی ثم الطحطاوی:ص:۲۲۸: والجوھرۃ:ص:۹۸:وابو المکارم:ص:۸۰)

[10] (قاضی خان:ص:۱۱۴:والخزانۃ ثم البرجندی:ص:۱۴۰:والکبیری:ص:۴۵۶)

[11] (قاضی خان)

والختم مرّتین فضیلۃ وثلاثۃ افضل، آہ۔[1]

قال فی الفتاویٰ نقلاً عن بعضھم یقرأ فی کل رکعۃ ثلٰثین آیۃ حتی یقع بہ الختم ثلاث مرات ھٰذا معنی ما فی فتاویٰ قاضی خان وغیرھا وھو قول القاضی الامام المحسن المروزی لان کل عشر من الشھر مخصوص بفضیلۃ کما جاءت بہ السنۃ انہ شھر اولہ رحمۃ واوسطہ مغفرۃ وآخرہ عتق من النار۔ وروی البیھقی باسنادہ عن ابی عثمان الھندی قال دعیٰ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثلاثۃ من القرّآء فاستقرءھم فامر اسرعھم قرأۃ ان یقرأ الناس ثلٰثین آیۃ فی رکعۃ واوسطھم بخمس وعشرین آیۃ وابطأھم بعشرین آیۃ۔۔۔ الخ۔[2]

اختلاف قدر القرأۃ فی التراویح

ثم اختلفوا فی قدر القرأۃ فیھا، آہ۔[3]

رجل قرأ القرآن کلہ فی یوم واحد کان قرأۃ القرآن لہ اولی واخریٰ من قرأۃ سورۃ الاخلاص خمسۃ الآف لما جآء فی ختم القرآن ما لم یجئ فی غیرہ، آہ۔[4]

وبعضھم بما یقرأ فی العشاء۔[5]

وبعضھم بعشرین آیۃ الی ثلٰثین نظرًا الی فضیلۃ الختم مرّتین او ثلاثًا، آہ۔[6]

واھل الاجتھاد کانوا یختمون فی کل عشر لیال، آہ۔[7]

اگر قوم راغب باشد در تمام رمضان دو ختم یا سہ ختم یا چہار ختم کند، آہ۔[8]

وبعضھم بعشرۃ آیات وھو روایۃ الحسن علیہ الرحمۃ عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما فی الکفایۃ وفتاویٰ قاضی خان ھو الصحیح، آہ۔[9]

عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقرأ فی کل رکعۃ عشر آیات وھو الصحیح لانّ فیہ تخفیف علی الناس وبہ تحصل السنۃ وھی الختم مرّۃ واحدۃ لانّ عدد رکعات التراویح فی ثلاثین لیلۃ ست مائۃ وآیات القرآن ستۃ آلاف وشئ فاذا قرأ فی کل رکعۃ عشر آیات تحصیل الختم فی التراویح، آہ۔[10]

---

1 (والسراج الوھاج ثم عالمگیری: ص:۱۶۴)

2 (فتح القدیر: ص:۲۵۶: ثم الکبیری: ص:۴۵۶: والزیلعی: ص:۱۷۹)

3 (الزیلعی: ص:۱۶۹: والجوھرۃ ص:۹۸: وقاضی خان: ص:۱۱۴: وابو المکارم: ص:۸۰)

4 (خانیۃ: ص:۸۰)

5 (البرجندی: ص:۱۴۱: والکبیری: ص:۴۵۶: والزیلعی: ص:۱۷۹: وقاضی خان: ص:۱۱۴: وابو المکارم: ص:۸۰)

6 (قاضی خان: ص:۱۱۴: وجامع الرموز ص:۹۶: وابو المکارم: ص:۸: والزھار)

7 (قاضی خان: ص:۱۱۴: والکبیری: ص:۱۵۶)

8 (مالابدمنہ: ص:۶۹)

9 (ابو المکارم: ص:۸۰)

10 (قاضی خان: ص:۱۱۴: ومجمع الانھر: ص:۱۳۳: والجوھرۃ: ص:۹۸: والبرجندی: ص:۱۴۱: وابو المکارم: ص:۸۰: وجامع الرموز: ص:۹۶: والزیلعی: ص:۱۷۹: ثم عالمگیری: ص:۱۶۴: والکبیری والبرھنۃ: ص:۲۸۰: والشامی: ص:۴۷۵)

دو ہر رکعت دہ آیات خواند تا در تمام رمضان ختم قرآن مجید شود، آہ۔[1]

والذی علیه الاکثر ما رواہ الحسن علیه الرحمة عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه انه یقرأ فی کل رکعة عشر آیات فعدد رکعات التراویح ست مائة رکعة او خمسة مائة وثمانون رکعة اذا کان الشهر ناقصًا وعدد آیات القرآن الکریم ستة آلاف وشیٔ۔

ونقل بعضهم فی روایة الحسن علیه الرحمة قال عشر آیات بضم ونحوها وهو الحسن علیه الرحمة۔۔۔ الخ۔[2]

قوله یقرأه فی کل رکعة عشر آیات ونحوها لان عدد رکعات التراویح ست مائة رکعة او العشرین ان کان الشهر ناقصًا فینبغی الزیادة علی العشر ولو کاملا لان الآیات تزید علی قدرها کاملة ست مائة وستین آیة یتأتی به الختم فیه۔

وجمیع آیات القرآن ستة آلاف وست مائة وستة وستون (٦٦٦٦) آیة (وفق قول الجمهور) الف للوعد والف للوعید والف للامر والف للنهی والف للقصص والف خبر وخمس مائة حلال وحرام ومائة دعاء وتسبیح وست وستون ناسخ ومنسوخ۔[3]

ولابد ان یکون المراد من الختم مقداره ویحصل الختم ولو کان ایام الشهر تسعة وعشرون فان القریب للشیٔ یعطیٰ، آہ۔[4]

وعن ابی حنیفة ب انه کان یختم فی شهر رمضان احدی وستین ختمًا ثلٰثین فی الایام وثلٰثین فی اللیالی وواحدة فی التراویح، آہ۔[5]

والغرض من نقله کون قرأة الامام الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنه عشر آیات فی کل رکعة من رکعات التراویح۔ کما مر روایة عنه رضی اللہ تعالیٰ عنه، فما فی الخلاصة من انه یقرأ فی کل رکعة عشر آیات حتی یختم فی اللیلة السابعة والعشرین محل تأمل، آہ۔[6]

وما فی الخلاصة من ان یقرأ فی کل رکعة عشر آیات حتی یختم فی اللیلة السابعة والعشرین ونحوه فی الفیض وفیه نظر لان توزیعه عشرًا فعشرًا یقتضی الختم فی الثلٰثین الا ان یکون مع ضم الوتر لکن فی الخانیة وغیرها ما یفید تخصص التراویح وتمامه فی شرح الشیخ اسماعیل، آہ۔[7]

اقول بما مر ظهر تردید القول الآتی وفی الظهریة قال الامام القاضی ابو علی النسفی ان کان القوم یمیلون بالختم فلا بأس بان یقرأ بعض القرآن فی سائر الصلوٰة، آہ۔[8]

---

1 (مالابدمنه:ص:٦٩)

2 (فتح القدیر:ج:١:ص:٢٠٦)

3 (طحطاوی:ص:٢٤٨:١٧٩)

4 (مجمع الانهر:ص:١٣٣)

5 (قاضی خان:ص:١١٤:وفتح القدیر:ص:٢٠٦:والکبیری:ص:٤٥٦:والمراقی فی الفلاح:ص:٢٤٨)

6 (ابو المکارم:ص:٨٠)

7 (الشامی:ج:١:ص:٤٧٥)

8 (البرجندی:ص:١٤١)

لتخصیص التراویح للختم

قال مشائخ البُخارا فینبغی ان یختم فی اللیلة السابعة والعشرین ولذالک جعل بعضهم القرآن علی خمس مائة واربعین رکوعًا واثبتوها فی المصاحف لیقع الختم فی تلک اللیلة، آہ۔[1]

فان ارادوا الختم مرة واحدة فینبغی ان یکون لیلة سبع وعشرین لکثرة ما جاء فی الاخبار انها لیلة القدر، آہ۔[2]

ویکرہ ان یعجل بختم القرآن فی لیلة احدی وعشرین او قبلها اذا کان القوم یمیلون، آہ۔[3]

وکونہ سنة یدل علی جواز ترکہ بلا عذر وحٍ۔

(۱) یقرأ فیها کما فی المغرب کما قال بعضهم۔

(۲) وقیل آیتین متوسطین۔

(۳) او قیل آیة طویلة او ثلاث آیات قصار وهٰذا احسن وبهٰذا افتی المتأخرون کما فی الناهیدی۔

(۴) وقیل سورة الاخلاص۔

(۵) وقول وقیل من سورة الفیل الی الآخر مرّتین۔ وهٰذا احسن کما فی المضمرات والافضل فی زماننا ان یقرأ ما لا یؤدی الی تنفیر القوم من الجماعة کما فی الاختیار، آہ۔[4]

فقدرها بعضهم بما یقرأ فی المغرب، آہ۔[5]

وقیل من سورة الفیل الی الآخر مرّتین وهو الاکثر وهو احسن عند اکثر المشائخ وهو فی اکثر المعتبرات۔[6]

وهٰذا احسن القولین لانہ لا یشتبہ علیہ عدد الرکعات ولا یشتغل قبلہ بحفظها کذا فی التجنیس، آہ۔[7]

سُئل خلف بن ایوب علیہ الرحمۃ هٰذا فقال عشر آیات ثم سئل بعد مرة فقال خمس آیات، آہ۔[8]

وقیل آیتین متوسطین، آہ۔[9]

وفی القنیة افتوا المتأخرون فی زماننا بثلٰث آیات قصار او آیة طویلة حتی لا یملّ القوم وهٰذا احسن، آہ۔[10]

---

[1] (البرجندی:ص:۱۴۱:وجامع الرموز:ص:۹۶:وعالمگیری:ص:۱۶۴:والبرهنة:ص:۲۸۰)

[2] (الجوهرة:ص:۹۸: ومجمع الانهر:ص:۱۳۳: والمحیط ثم جامع الرموز:ص:۹۶: وفتح القدیر:ص: ۲۰۶: والزیلعی:ص:۲۷۹: وعالمگیری:ص:۱۶۴:والشامی:ص:۱۷۵:والبرهنة:ص:۱۸۰)

[3] (قاضی خان:ص:۱۱۴:وعالمگیری:ص:۱۶۴)

[4] (جامع الرموز:ص:۹۶)

[5] (فتح القدیر:ص:۲۵۶:ومجمع الانهر:ص:۱۳۳:وقاضی خان:ص:۱۱۴:والخلاصة:ص:۶۷:المراقی الفلاح:ص:۲۵۹:والکبیری:ص:۴۵۵: والزیلعی:ص:۱۷۹:وابو المکارم:ص:۸۰)

[6] (مجمع الانهر:ص:۱۳۳:وعالمگیری:ص:۱۶۵:والمضمرات ثم جامع الرموز)

[7] (عالمگیری:ص:۱۶۵)

[8] (الخلاصة:ص:۶۷:ثم البرجندی:ص:۱۴۱)

[9] (مجمع الانهر:ص:۱۳۳:وعالمگیری:ص:۷۹)

[10] (البرجندی:ص:۴۱۴:والزاهدی ثم جامع الرموز:ص:۹۶)

وقیل آیۃ طویلۃ او ثلٰث آیات قصار ھٰذا احسن وبہ افتیٰ المتأخرون لان الحسن علیہ السلام روی عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ اذا قرأ فی المکتوبۃ بعد الفاتحۃ ثلٰث آیات فقد احسن ولم ھٰذا فی المکتوبۃ فما ظنک فی غیرھا، آہ۔[1]

وقیل سورۃ الاخلاص، آہ۔[2]

ھٰذا غیر صحیح لان ھٰذا القدر لا یحصل بہ الختم والختم فی التراویح مرۃ واحدۃ سنۃ کذا قال الصدر الشھید ثم الکبیری: ص:۴۵۵: ویکرہ الاقتصار علی ما دون ثلاث آیت قصار او آیۃ طویلۃ او آیتین متوسطتین بعد الفاتحۃ لترک الواجب، آہ۔[3]

قولہ لترک الواجب افاد بہ انہ مکروہ تحریمًا وما فی فضائل رمضان للزاھدی علیہ السلام من ان ابا الفضل الکرمانی والوبری افتیا انہ اذا قرأ فی التراویح الفاتحۃ وآیۃ او آیتین لا یکرہ (ومن لم یکن عالما باھل زمانہ فھو جاھل۔۔۔آہ۔)

محمول علی آیۃ طویلۃ او آیتین متوسطتین او ھو ضعیف لان فیہ افراط یؤدی الی التفریط بترک الواجب، آہ۔[4]

والافضل فی زماننا ان یقرأ بما لا یؤدی الی تنفیر القوم عن الجماعۃ لان تکثیر الجماعۃ افضل من تطویل القراءۃ وبہ یفتیٰ، آہ۔[5]

قولہ افضل۔۔۔ الخ۔ ای اکثر ثوابًا لانہ یزداد بکل فرد صلوٰۃ ویتعلم جاھلھم من عالمھم وتعود البرکۃ الکاملۃ منھم علی الناقص، آہ۔[6]

قال فی البدائع ھٰذا ای الثلٰثین فی رکعۃ زمانھم فاما فی زماننا فالافضل ان یقرأ علی حس حال القوم من الرغبۃ والکسل فیقرأ قدر ما لا یوجب تنفیر القوم عن الجماعۃ لان تکثیر الجماعۃ افضل من تطویل القراءۃ، آہ۔[7]

قولہ الافضل فی زماننا۔۔۔الخ۔ فیہ اشعار بان ھٰذا مبنیٰ علی اختلاف الزمان فقد تتغیر الاحکام باختلاف الزمان فی کثیر من المسائل علی حسب المصالح۔ ولھٰذا قال فی البحر فالحاصل ان الصحیح فی المذھب ان الختم سنۃ لکن لا یلزم منہ العقاب علی ترکہ اذا لزم منہ تنفیر القوم وتعطیل الکثیر من المساجد خصوصًا فی زمننا فالظاھر اختیار الاخف علی القوم، آہ۔[8]

واذا فسد الشفع وقد قرأ فیہ ان لا یعتد بما قراء فیہ ھو یعید القرأۃ لیحصل لہ الختم فی الصلوۃ الجائزۃ۔[9]

---

[1] (مجمع الانہر ثم عالمگیری:ص:۱۶۴:والزیلعی:ص:۱۷۹:والشامی:ص:۴۷۵)

[2] (مجمع الانہر:ص:۱۳۳:وعالمگیری:ص:۱۶۵:وقال قاضی خان:ص:۱۱۴)

[3] (المراقی والطحطاوی:ص:۲۵۹:والمجتبیٰ ثم الشامی:ص:۴۷۵)

[4] (الطحطاوی:ص:۲۵۹)

[5] (مجمع الانہر:ص:۱۳۳:والملتقط ثم البرجندی:ص:۱۴۱:وجامع الرموز:ص:۹۶:والمحیط ثم عالمگیری:ص:۱۶۴:ونور الایضاح:ص:۲۵۸: والمراقی:ص:۲۵۸)

[6] (الطحطاوی:ص:۲۴۹)

[7] (شبلی:ص:۱۷۹)

[8] (الشامی:ص:۴۷۵)

[9] (ھندیۃ ص ۱۱۸)

اذا غلط فی القرأة و التراویح فترک سورة او آیة وقرأها بعدها فالمستحب له ان یقرأ المتروکة ثم المقروءة لیکون علی الترتیب۔[1]

درقرآن خوانی گفتہ اگر ختم کرداز معوذتین دراولی فارغ شد دردویم چیزی از بقرہ خواند فی الحدیث خیر الناس الحال المرتحل، آہ۔

یعنی الذی یختم القرآن ثم یبتدأ بسورة البقرة۔[2]

استفتاء: ان کان یختم القرآن المجید فی بعض اللیالی من رمضان مثل الثالث و العشرین او الخامس و العشرین مثلا او غیر ذالک هل یصلی التراویح فی باقی اللیالی من رمضان؟ ای هی سنة فی البواقی ام لا؟

الجواب: اختلف المشائخ فی من ختم القرآن فی التراویح قبل تمام شهر رمضان علی قولین: احد القولین قولهم فقیل یصلی العشاء فی بقیة الشهر من غیر التراویح و لا یکره له ذالک لانها شرعت لاجل الختم و قد حصل مرة۔ قال ابو علی النسفی، آہ۔[3]

ولو ختم فی التراویح فی لیلة ثم لم یصل التراویح جاز بلا کراهة و لانها ما شرعت التراویح الا للقرأة، آہ۔[4]

و ان ختم فی التاسع عشر ثم جعل بعد ذالک یصلی العشاء من غیر التراویح لا یکره لما ذکرنا ان المقصود هو الختم، آہ۔[5]

و القول الثانی قولهم، وقیل یصلیها و یقرأ فیها ما یشاء، آہ۔[6]

و معنی قولهم یصلیها ای یسنّ ان یصلی فی بقیة الشهر و یکره ترکها بقرینة القول الاول مقابلة المصرح بقولهم لا یکره۔۔۔الخ۔

و بدلیل هٰذه الاقوال اللاحقة و غیرها ممّا یأتی۔

و قولهم و لو حصل الختم فی التاسع عشر او الحادی و العشرین لا یترک التراویح فی بقیة الشهر لانها سنة فی جمیع الشهر قال علیه الصلوٰة و السلام و سننتُ لکم قیامه۔[7]

---

[1] (کذافی فتاوی قاضی خان:ص:۸۰:ثم الهندیة:ص:۱۱۸:والبرهنة والکبیری:ص:۴۵۷:والطحطاوی:ص:۲۴۸)

[2] (البرهنة:ص:۲۸۰)

[3] (الذخیرة ثم الکبیری:ص:۴۵۶:ثم الشامی:ج:تراویح:ص:۴۷۵:وفتح القدیر:ج:۱:ص:۲۰۶:والزیلعی:ج:۱:ص:۱۷۹)

[4] (مجمع الانهر:ص:۱۳۳:والمحیط ثم جامع الرموز:ص:۹۶)

[5] (خانیة:ج:۱:ص:۱۱۴: والبرجندی:ص:۱۴۱: وابو المکارم: ج:۱:ص:۸۰: ومجمع الانهر:ج:۱: ص:۱۳۳: والبرهنة:ج:۱:ص: ۲۸۰: والطحطاوی:ص:۲۴۸)

[6] (البرجندی ثم الکبیری:ص:۴۵۶: والشامی:ص:۴۷۵: وفتح القدیر:ص:۲۶: والزیلعی: ص:۱۷۹: والجوهرة:ص۹۸: والبرهنة:ص:۲۸۰: والسراج والوهاج ثم الهندیة:ج:۶:ص:۱۶۵:وترغیب الصلوٰة:ص:۱۴۵)

[7] (الجوهرة النیّره:ص:۹۸:والهندیة:ص:۱۶۵:والطحطاوی:ص:۲۴۸)

وان ختم القرآن المجید فی لیلة واحدة وبعد ترک التراویح جاز بلا کراهة لکن یقول فی الجوهرة النیرة ان ختم القرآن فی التراویح فی لیلة احدی وعشرین لا یترک التراویح فی بقیة الشهر لانه سنة فی جمیع شهر رمضان لان النبی ﷺ قال ان اللہ تعالیٰ فرض علیکم صیامه وسننتُ لکم قیامه، آه۔ ای الی آخره الحدیث۔ [1]

ولو حصل الختم فی لیلة التاسع عشر او الحادی والعشرین لا یترک التراویح فی بقیة الشهر لانها سنة فی جمیع الشهر کذافی الجوهرة، والاصح انه یکره له الترک کذافی السراج الوهاج۔ [2]

مسئلة: ان کان ختم القرآن فی بعض التراویح هل علیه التراویح فی بقیة الشهر ام سقط التراویح؟

الجواب: فیه اختلاف فی الخزانة الروایة نقل عن بعض کتب الفقه انه سقط فی بقیة الشهر ولکن یقول فی البحر لا یسقط وهو الصحیح ای عدم السقوط صحیح، آه۔ [3]

ولهذا قیل اذا عجل الختم فالمستحب ان یبتدأ من اوّل القرآن فی بقیة الشهر، آه۔ [4]

اقول وبحوله وقوّته انه لما ظهر الاختلاف بین قول عدم کراهیة ترک التراویح فی بقیة الشهر وقول کراهیة ترکها فی بقیة الشهر کما صرحوا وظهر الاختلاف بین دلیل کراهة قول عدم الکراهة لانها شرعت لاجل ختم القرآن، آه۔

کما مرّ ودلیل الکراهیة لانها سنة فی جمیع الشهر قال علیه السلام سننتُ لکم قیامهٗ آه۔ کما مرّ: فلابد للعمل باحد القولین من بیان الترجیح۔ فنقول ان قول الکراهیة راجح بوجوه کثیرة:

الاول: لوجود الفاظ الترجیح فیه: (۱) والاصح انه یکره۔۔الخ۔ من السراج الوهاج والهندیة کمامر۔

(۲) وهو الصحیح، آه۔ من البحر الزخار وترغیب الصلوٰة، آه۔ کمامر فلایجوز العمل ولا فتویٰ بالقول المقابل المرجوح کمافی رسم المفتی من الشامی۔

الوجه الثانی قولهم: ان التراویح سنة مؤکدة فی کل لیلة من رمضان بعد العشاء، الخ۔ [5]

وهو مراد جمیع کتب المذاهب الاربعة فظهر انه یکره الترک المذکور۔

الوجه الثالث: قولهم وسُنّ فی رمضان عشرون رکعة بعشر تسلیمات بعد العشاء قبل الوتر وبعده بجماعة والختم مرّة وبجلسة بعد کل اربع بقدرها۔۔۔الخ۔ کنز الدقائق ووقایة الروایة ومختصر الوقایة بل هو مفهوم جمیع کتب الفقه متونًا وشروحًا وفتاویٰ لانه صریح فی کون التراویح مستقلة لجمیع الشهر فلاتکون تبعًا للختم۔

---

[1] (البرهنة: ج:۱: ص:۲۸۰)

[2] (الهندیة: ص:۱۶۵)

[3] (ترغیب الصلوٰة: ص:۱۴۵)

[4] (الجوهرة: ص:۹۸: والخانیة: ص:۱۱۴: والظهریة: ص:۲۳: ثم البرجندی: ص:۱۴۱: والبرهنة: ص:۲۸۰)

[5] (ملتقی الابحر ومجمع الانهر: ص:۱۳۱: و: ص:۱۳۲: وترغیب الصلوٰة: ص:۱۴۵)

والوجہ الرابع: قولھم ونفس التراویح سنۃ علی الاعیان عندنا کما روی الحسن عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔[1]

اقول ان لفظ نفس، آہ۔ والاعیان: آہ۔ صریح فی کون التراویح سنۃ مستقلۃ لا تبعًا للختم۔

والوجہ الخامس: قولھم وھی عشرون رکعۃ حکمتہٗ مساوات المکمّل للمکمَّل، آہ۔[2]

قول المکمِّل بکسر المیم وھو التراویح للمکمَّل بفتحھا وھی الفرائض مع الوتر ولا مانع ان تکمل الوتر وان صلیت قبلہ وفی الانھر ولا یخفی ان الرواتب وان اکملت ایضًا الا ان ھٰذا الشھر لمزید کما لہ زید فیہ ھٰذا المکمِل فتکمل۔۔۔۔الخ۔[3]

اقول فظھر ان تشریع التراویح لھٰذا التکمیل لا للختم۔

والوجہ السادس: ان سنیۃ التراویح فی رمضان ثبتت بالاحادیث الفعلیۃ من ثمانیۃ وعشرین کتابًا وبالاحادیث القولیۃ من ستۃ وعشرین کتابًا وباجماع الأُمۃ المرحومۃ من ثمانیۃ عشر کتابًا۔ وکلھا صریحۃ فی کون التراویح سنۃ مستقلۃ لا علی کونھا تبعًا للختم۔

تقاریظ علماء اھل السنۃ والجماعۃ

مولانا البحر القمقام السیف الصمصام

زبدۃ العلماء العظام وحبر البحور وبحر السرور شمس العلماء المدّرسین

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا امین اللہ

الحنفی الماتریدی النقشبندی المجددی السیفی الباجوری

صاحب دامت برکاتھم العالیۃ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امابعد!

لمّا ثبت فیما سبق ان التراویح بعشرین رکعۃ ثابتۃ باجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ من عھد سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی عھد سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذی النورین وعھد سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکذا باجماع الائمۃ المجتھدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ من المذاھب الاربعۃ تصریحًا۔ فحکم منکرھا فی صورۃ الاجماع الصریح کفر لا غیر۔ (والعیاذ باللہ)

---

[1] (الھندیۃ:ج:۱:بحث التراویح:ص:۱۶۲)

[2] (تنویر الابصار ودرمختار:ج::ص:۴۷۴)

[3] (شامی:ج:۱:ص:۴۷۵)

لان التروایح وان کانت سنة لکن ثبوتها بالدلیل الیقینی وهو الاجماع والتواتر لان الادلة القطعیة ثلاثة نص الکتاب الغیر المؤول وغیر مخصوص البعض ونص الاجماع الصریحی من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه ومن بعدهم والتواتر باقسامه الاربعة (ای تواتر الطبقة وتواتر الاسناد وتواتر العمل والتوارث وتواتر القدر المشترک فی صورة البدیهی) والتراویح ثابتة بالاجماع الصریحی وبتواتر العمل والتوارث فتکون من ضروریات الدین من حیث الثبوت لان ربّما یکون استحباب شئ او اباحته ضروریّا یکفر جاحدهٗ فالضرورة فی الثبوت لا من حیث العمل بالجوارح کما حقّقه المولوی محمد انور شاه الدیوبندی الکشمیری ایضًا فی رسالته اکفار الملحدین وفی شرحه علی البخاری المسمی بفیض الباری وان کانت له انفردات خاطئة فی بعض المسائل الاخریٰ لکن ههنا متفق مع الجمهور رحمۃ اللہ علیہ وکذا العلامة محمد زاهد الکوثری الحنفی المصری رحمۃ اللہ علیہ فی کتابه "المقالات الکوثری" وقال الکشمیری فی اکفار الملحدین۔ والسواک سنة وتحصیل علمهٖ سنة واعتقاد سنیته فرض وجحوده کفر وترکه عتاب او عقاب۔ آه۔

فکذا التراویح سنة عملا واعتقاد سنّیتها فرض وترکها عتاب وجحودها کفر لانها امر شرعیّ من ضروریات الاسلام من حیث الثبوت ثابتة بالاجماع والتواتر۔

فالتراویح لها خمسة حیثیات: الاول: انها ثابتة بعشرین رکعة من النبی الاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کما فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه کما مرّ فالانکار عنها والاستخفاف بها وجعلها بدعة مذمومة ومحرّمة انکار من الحدیث المرفوع وتنقیص فی شان النبی الاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وهو کفر تابیدی عند البعض وموقت عند الآخرین الی التوبة موجب لاهراق الدم۔ اتفاقًا کما حقّقهٗ العلامة المجتهد طاهر بن عبد الرشید البخاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فی خلاصة الفتاویٰ فی باب الفاظ الکفر (معاذ اللہ)

الثانی: انها ثابتة من سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنه ومن بعده من اجلة الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه ومن انتقص احدًا من اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنه النبی الاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاعلم انه زندیق کما قاله ابو ذرعة الرازی رحمۃ اللہ علیہ کما فی الاصابة للعلامة ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

والثالث: انها ثابتة باجماع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه والتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنه والمجتهدین رحمۃ اللہ علیہ والانکار عن الاجماع اما کفر واما بدعة وضلال بحسب اقسام الاجماع کما حقّقه العلامة الشامی رحمۃ اللہ علیہ والاصولیّون رحمۃ اللہ علیہ فی باب الاجماع۔ وسند الاجماع حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه المرفوع الی النبی الاکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (وتحقیق سنده فی مخزن الحقائق) ان سلّمنا احتیاج الاجماع فی تحققهٖ الی السند وان کان الراجح عدم احتیاجه الی السند لامکان ان یخلق اللہ تعالیٰ علمًا ضروریًا فی قلوب المجتهدین رضی اللہ تعالیٰ عنه بدون احتیاج الی السند کما حققه فی حواشی المولوی یعقوب شرح الحسامی وحققته فی اقسام الذکر واحکامه ایضًا۔ وکذا الخروج عن المذاهب الاربعة فی ما بعد الزمان بعد انعقاد الاجماع علیه بدعة وضلال وخروج عن اهل السنة والجماعة رحمۃ اللہ علیہ کما حققه العلامة الطحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فی حاشیته علی الدر المختار۔ والرابع: انها ثابتة بتواتر العمل والتوارث والانکار عن المتواترات کفر بالاتفاق لانها فوق المشاهدات۔ والخامس: انها فعل شرعیّ مستحسِن

مسنون ثابتة بالاحادیث و الآثار و اجماع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ من عھد الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و اجماع الامة المتبوعین رضی اللہ تعالیٰ عنہ من المذاھب الاربعة۔ و تقبیح الفعل الشرعی و الانکار عنہ و الاستھزآء بہ و جعلہ بدعة و حراما او جدل الفعل الشرعی المتفق علی شرعیتہ ممنوعًا کفر بوّاح کما فی تفسیر الصاوی و اکفار الملحدین ومقالات الکوثری وھدایة السالکین واحقاق المعالی وسیف الرجال وفیض الباری وکتب الفقاھة والکلام والتفسیر والحدیث والتصوف ولمزید التفصیل فی مثل ھٰذہ المسائل راجع الی مخزن الحقائق ومطولات الفنّ ولا تغتر بتسویلات المنکرین والزنادقة الملحدین لان من انکر شیئا واحدا من شرائع الاسلام فقد ابطل قول لا الٰہ الا اللہ کما فی السیر الکبیر للامام محمد علیہ الرحمة ومن انکر شیئا واحدا من شرائع الدین وضروریات الاسلام فقد آمن ببعض الکتاب وکفر ببعضہٖ وھو من الکافرین والخارجین من اھل القبلة المصطلح ومن الامة المشھور لھا بالخیر وان رکض الی بلاد الصین واور بالنشر مازعمہ دینا ورآہ الجاھلون خدمة للاسلام کما فی ھدایة السالکین وسیف الرجال واکفار الملحدین ومخزن الحقائق واحقاق المعالی فعلیک بالمراجعة ومن اللہ سبحانہ العصمة والتوفیق بجاہ حبیبہ المعظم والمکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین۔

تقریظ

حضرة العلامة صاحب المناقب العلیة والمفاخر البھیة

ذی الرأی الصائب والفھم الثاقب جامع التحقیق والتدقیق معلم الحق والتصدیق

شیخ التفسیر والحدیث

مولانا عبد الرحمٰن التتوی دامت برکاتھم العالیة

نحمدک یا من جعلت طاعة الرسول طاعة ذاتہٖ ونصلی علی رسولہ الکریم الذی جعل سنة الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسنتہ فی لزوم اتباعھم وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین۔

امّا بعد!

فیقول العبد الضعیف عبدالرحمن التتوی ان التراویح سنة مؤکدة ثبت سنیتھا بفعل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقولہٗ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ من بعدی وقد واظب علیھا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی حدیث افترض اللہ علیکم صیامہٗ وسننت لکم قیامہ وصلوتھا بالجماعة سنة کفایة لما ثبت انہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلّی بالجماعة احدی عشر رکعة بالوتر علی سبیل التداعی ثم بیّن العذر فی الترک وھو خشیتہٗ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افتراضھا علینا وھی عشرون رکعة باجماع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشر تسلیمات کما ھو المتوارث ویسلم علی رکعتین فاذا جلس علی کل رکعتین فالاصح انہ ان تعمد ذالک کرہ وصحت واذا لم یجلس الا فی آخر اربع نابت عن تسلیمتہ فتکون بمنزلة رکعتین۔۔۔الخ۔[1]

---

[1] (مبسوط:ج:۲:ص:۱۴۷:و:ص:۱۴۸)

عن السائب بن یزید قال کذا ننصرف من القیام علی عهد عمر و قد دنا فروع الفجر و کان القیام علی عهد عمر ثلاثة و عشرین رکعة۔ [1]

مالک عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنه فی رمضان بثلاث و عشرین رکعة۔ [2]

ان علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه امر رجلا یصلی بالناس خمس ترویحات عشرین رکعة۔ (بیہقی)

تقریظ

مولانا الحبر النحریر بالذهانة و الذکاوۃ

شیخ القرآن و الحدیث علامة مفتی خالد محمود کاغانی

(مہتمم جامعہ انصار مدینہ المعروف انوار مدینہ)

حامدا و مصلیا طالعتُ هذه الرسالة من بعض المقامات ففرحت کثیرا جدا و قد وجدتُ مسائلها صحیحة و موافقة للقرآن و الحدیث و الفقه و التصوف و انا ادعو اللہ تعالیٰ ان تکون هذه الرسالة مقبولة و معمولة للخواص و العام و یوصل اجرها المصنف خیر الاجر فی الدنیا و الآخرة، آمین۔

بحرمة سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فقط

محمد خالد محمود کاغانی

تقریظ

الشیخ الابجل و الحبر الاکمل امام الفضلاء و الادبا سند العلماء

مخزن حکم رب العالمین

وحید الزمان صفی الدوران

جناب مولوی مہرداد السلطانی السیفی من مضافات المردان

صدر المدرسین جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ (کراتشی)

بسم اللہ عز و جل الحمد للہ العلی الکبیر و الصلوۃ و السلام علی سیدنا محمد ان النبی النذیر و البشیر و علی آله و اصحابه الذین التبعوه فی النقیر و القطمیر و علی اهل سنته الذین لم یبتدعوا بعده بالتحریف و التغییر۔

امابعد!

فقد طالعت هذه الرسالة المشتملة علی مسئلة مختلفة فی هذا الزمان و هی حکم التراویح و عدد رکعاتها للحبر العلامة و صدر الفهامة مبیّن شریعة الغرّآء سیدنا سید احمد علی شاہ السیفی اطال اللہ حیاته الشریفة و ادام اللہ فیضانه

---

[1] (مصنف عبدالرزاق: ج:۴:ص:۲۶۲)

[2] (مؤطا امام مالک:ص:۹۸)

من اولها الی آخرها فوجدتها موافقة للمذهب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان علیه الرحمة والرضوان فی حکم التراویح بسنیة المؤکدة وتعدادها بعشرین رکعة مثبتة للحق ومزهقة للباطل فهی نور نیر لطالب الحق وسیف مقاطع للمنکر والله نسئل ان یجعلها سببا لهدایة سائر المسلمین سیما المنکرین فی هذه المسئلة ولله درّ المصنف حیث بذل سعیه البلیغ وها انا لاشیء۔

العبد مهرداد السلطانی السیفی
من مضافات المردان
یکم محرم المحرام ۱۴۳۰

تقریظ

مولانا العلام الفاضل الابجل جامع المعقول والمنقول عمدة الاقران والاماثل
ذو الفضل والفضائل ذو الفهم الباهر والرشد الزاهر
سید عبد الحق شاہ الترمذی السیفی
بسم الله الرحمٰن الرحیم

الحمد لله الذی خلق نوع العشاق من الانسان واودع فی صدورهم اقسام الجذبات والعرفان والصلوٰة والسلام علی اشرف الانس والجان وعلیٰ آله واصحابه فی کل وقت وآن۔

امابعد!

اعلم ثبت مما ذکر ان التراویح ثابت باجماع الصحابة رضی الله عنهم واجماع المسلمین و فی اصول البزدوی، الاجماع کایة من الکتاب او حدیث متواتر فی وجوب العمل والعلم فیکفر جاحده فی الاصل ص ۲۴۵ وایضا فیه من انکر الاجماع فقد ابطل دینه کله ۲۵۷ وفی نور الانوار ان الاجماع فی الامور الشریعة فی الاصل یفید الیقین والقطعیة فیکفر جاحده ص ۲۲۱ وفی النبراس وهو ای الاجماع حجة قطعیة فیکفر مخالفه ص ۲۳ وفی تفسیر کبیر قال الله تعالیٰ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولی ونصلیه جهنم وسائت مصیرا (النساء، پ ۵)

تقریر الاستدلال ان الاتباع غیر سبیل المؤمنین حرام فوجب ان یکون اتباع سبیل المؤمنین واجبا۔[1]

وایضا قال المدارک فی تفسیره وهو دلیل ان الاجماع المسلمین حجة لایجوز مخالفتها کما لایجوز مخالفة الکتاب والسنة وایضا قال صاحب البیضاوی والایة تدل علی حرمة مخالفة الاجماع الی ان قال واذا کان اتباع غیر سبیل المؤمنین محرما کان اتباع سبیلهم واجبا۔[2]

---

[1] (ج۳ص ۳۱۳، ۴۷۲)

[2] (تفسیرات احمدیه ص ۳۱۲ ابن کثیر ج ۱، ص ۴۳۷ مظهری ج ۲ ص ۲۳۶)

و قال اللہ تعالیٰ فی شان مخالفة المسلمین، نوله ما تولیٰ و نصلیه جهنم وساءت مصیرا لهذا من ینکر ان یکون التراویح عشرین رکعة یصیر مخالفا للمؤمنین الوزین کان اتباعهم واجبا من الذین یخالفون الاجماع فیکون من اهل النار، فافهم ولا تکن من الجاهلین المتعصبین۔

حررہ: فقیر سید عبد الحق شاہ الترمذی الحنفی السیفی
مدیر
جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی اورنگی تاون

الجواب الصحیح بلاریب و مخالفه عنید فلا اعتبار له۔

حررہ خادم الحدیث فضل اللہ سیفی
متہ ضلع مردان
مدیر جامعہ محمدیہ حنفیہ سنیہ

المجیب مصیب لا شک فیہ۔

حررہ: مولوی فضل واحد
مدرس جامعہ محمدیہ حنفیہ سنیہ

تقریظ

قدوة العلماء والمحدثین ذی الید الطولانیة فی العلوم العقلیة والنقلیة
مؤلف الکتب الکثیرة النافعة مناظر اهل السنة والجماعة عاشق الرسول ﷺ
المحب فی اللہ والمبغض فی اللہ الغیّور الشجاع المجاهد التقی الذکی
الفاضل المفتی الجواد مولانا و مولی المساکین و ملجاء العاشقین
محمد جان سلمه المنان بالصدق والامان عن شر الحاسدین والشیطان
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمد للہ رب العالمین والصلوٰة والسلام علی عبده و رسوله سیدنا محمد رحمة للعالمین و علی آله و اصحابه اجمعین
وبعد!

فلقد سعدت برؤیة هذه الرسالة (التی تعد للنشر) للشیخ الجلیل، المربی، الکبیر، العلامة الشریف السید احمد علی شاہ الحنفی النقشبندی المجددی حفظه اللہ تعالیٰ۔

وحظیت بمطالعتها بعد مناقشتها فوجدت انها فریدة و نافعة فی بابها، و شاملة لما یحتاج الیه من احکام صلوٰة التراویح فلم یترک مسئلة الا تناولها، و نقل فیها الأدلة الکثیرة من الکتاب، و السنة، و الآثار، و اجماع الأمة علی عشرین رکعات صلاة التراویح، و کان ذالک مع بیان کل عبارة من مصادرها۔

وهذا هو الصواب وهو المعتمد فی المذاهب الاربعة ومن خالف فلا التفات الیه، وفی هذا القدر کفایة لمن هداه الله سبحانه وتعالیٰ وهو علی کل شیءقدیر۔

وختاما أسأل المولی عزّوجلا ان یتقبل هذا العمل و یجعله خالصا لوجهه الکریم وینفع الامة انه سمیع قریب مجیب۔

و کتبه

الفقیر الی عفو ربه الکریم عبده
محمد جان بن عبدالله النعیمی عفی عنه
ملیر کراتشی باکستان
۱۸ جمادی الأول سنة سن ۱۴۳۰ ھ

تقریظ

عالم ربانی محب العارفین صاحب الاخلاق الحمیدة
ادیب کامل، عریف فاضل، فصیح اللسان و البیان
مولانا السید سراج الحق شاه السیفی

الحمدلله و کفی و الصلوة و السلام علی سیدنا و مولانا محمد المصطفی و علیٰ آله و اصحابه الذین نالوا السعادة بالتقویٰ

اما بعد!

اعلم ان التراویح بعشرین رکعة ثابتة باجماع الصحابة رضی الله عنهم

(۱) عن السائب بن یزید رضی الله عنه، قال کنا نقوم من زمن عمر بن الخطاب رضی الله عنه بعشرین رکعة و الوتر رواه البیهقی فی المعرفة وصححه السبکی فی شرح المنهاج۔[1]

(۲) و فی لفظه له من طریق آخر کان یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة وقال کانوا یقرؤن بالمئین و کانوا یتوکؤن علی عصیهم فی عهد عثمان بن عفان رضی الله عنه من شدة القیام صححه النووی فی الخلاصة و ابن العراقی فی شرح التقریب و السیوطی فی المصابیح (التعلیق الحسن)۔

[1] (التعلیق الحسن ص ۵۴ ج ۲)

(۳)عن یحیی بن سعید رضی اللہ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعۃ رواہ ابو بکر ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ و اسنادہ مرسل قوی۔[1]

(۴) عن ابی الحسناء ان علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امر رجلا عصلی با الناس خمس ترویحات عشرین رکعۃ رواہ البیھقی فی سننہ۔[2]

(۵) عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ قال علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکو بھا وعضوا علیھا بالنواجذ، الخ۔(رواہ آحمد و ابو داؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

قال الشیخ عبد الغنی صاحب محدث الدھلوی و من العلماء من عمم کل من کان علی سیرتہ علیہ السلام من العلماء و الخلفاء کالأئمۃ الاربعۃ المتبوعین المجتھدین و الائمۃ العادلین کعمر بن عبد العزیز کلھم موارد لھذا الحدیث۔[3]

قال بدر الدین العینی فی کتابہ بنایہ شرح علی الھدایہ: سیرۃ العمرین لا شک فی ان فی فعلھا ثواب و فی ترکھا عقاب لانا امرنا بالاقتداء بھما علیہ الصلوٰۃ و السلام اقتدوا بالذین بعدی ابی بکر و عمر رضی اللہ عنھما فاذا کان الاقتداء معمورا بہ یکون واجبا و تارک الواجب یستحق العقاب و العتاب، الخ۔[4]

(۶) عن یزید بن خصیفۃ عن السائب بن یزید رضی اللہ عنہ قال کانو یقومون علی عھد عمر رضی اللہ عنہ فی شھر رمضان عشرین رکعۃ قال و کانو ایقرأون بالمئین و کانو ایتوکؤن علی عصیھم فی عھد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام۔[5]

و قال النووی فی شرح المھذب و اسنادہ صحیح حیث قال و احتج اصحابنا بما رواہ البیھقی و غیرہ بالاسناد الصحیح عن السائب بن یزید۔[6]

و قال حسین احمد ھذا اسناد صحیح رجالہ کلھم عدول ثقات۔[7]

(۷)عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر رجلا یصلی بھم عشرین رکعۃ رواہ ابو بکر ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ اسنادہ مرسل قوی۔[8]

---

1 (آثار سنن ص ۵۵ ج ۲)

2 (کنز العمال ج ۴ ص ۲۸۴)

3 (انجاح الحاجۃ ص ۵)

4 (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۱۵)

5 (السنن الکبری للبیھقی ج ۲ ص ۴۹۶ و قیام اللیل لابن نصر المروزی ص ۲۲)

6 (ج ۴، ص ۳۲)

7 (حاشیہ علی سیر اعلام النبلاء ج ۱، ص ۴۰۱)

8 (آثار السنن ج ۲، ص ۵۵)

(۸) عن الاسلمی عن الحارث بن عبد الرحمٰن ابن ذباب عن السائب بن یزید قال کنا ننصرف عن القیام علی عہد عمر رضی اللہ عنہ وقد دنافروع الفجر وکان القیام علی عہد عمر رضی اللہ عنہ ثلاثۃ وعشرین رکعۃ۔[1]

(۹) روی مالک عن یزید بن رومان انہ قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بثلاث و عشرین رکعۃ۔[2]

(۱۰) حدثنا وکیع عن مالک بن انس رضی اللہ عنہ عن یحیی بن سعید رضی اللہ عنہ ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امر رجلا ان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔[3]

(۱۱) حدثنا حمید بن عبد الرحمٰن عن الحسن عن عبد العزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب رضی اللھعنہ یصلی بالناس فی رمضان بالمدینۃ عشرین رکعۃ یوتر بثلاث۔[4]

(۱۲) عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکۃ یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعۃ۔[5]

(۱۳) عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعۃ کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث۔[6]

(۱۴) عن شتیر بن شکل وکان من اصحاب علی رضی اللہ عنہ انہ کان یؤمھم فی رمضان بعشرین رکعۃ والوتر بثلاث وفی ذالک قوۃ۔[7]

(۱۵) قال الاعمش کان عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یصلی عشرین رکعۃ ویوتر بثلاث۔[8]

(۱۶) عن عطاء قال ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثا وعشرین رکعۃ بالوتر۔[9]

(۱۷) قال ابن حجر المکی الشافعی اجتمعت الصحابۃ رضی اللہ عنہ اجمعین علی ان التراویح عشرون رکعۃ۔[10]

(۱۸) التراویح سنۃ مؤکدۃ عشرون رکعۃ برمضان والاصل فی مسنونیتھا الاجماع۔[11]

(۱۹) وھی عشرون رکعۃ باجماع الصحابۃ رضی اللہ عنھم اجمعین۔[12]

---

1 (المصنف لعبد الرزاق ص ۲۶۲ ج ۴)

2 (المؤطا ص ۲ ۹ السنن الکبری ص ۴۹۶، ج ۲، قیام اللیل لابن نصر المروزی ص ۲۲۰، آثار السنن ص ۲۵۲، واسنادہ مرسل قوی)

3 (مصنف ابن ابی شیبۃ ص ۳۹۳، ج ۲، آثار السنن ۲۵۳، ورجال السند ثقات)

4 (المصنف لابن ابی شیبۃ ص ۳۹۳، ج ۲)

5 (ابن ابی شیبۃ واسنادہ حسن)

6 (ابن ابی شیبۃ اسنادہ حسن)

7 (البیھقی ص ۴۹۶، ج ۲)

8 (قیام اللیل ص ۹۱)

9 (ابو بکر بن ابی شیبۃ واسنادہ حسن)

10 (مرقات ص ۱۷۹، ج ۳)

11 (نیل المأرب فی الفقہ الحنبلی)

12 (مراقی الفلاح، ص ۱۶۵)

(۲۰) ان عمر رضی اللہ عنه جمع اصحاب الرسول ﷺ فی شهر رمضان علی ابی بن کعب فصلی بهم فی کل لیلة عشرین رکعة ولم ینکر علیه احد فیکون اجماعا منهم علی ذالک به۔[1]

(۲۱) و فی الحجة ان التراویح سنة مؤکدة باجماع الصحابة رضی اللہ عنهم اجمعین۔[2]

حرره: السید سراج الحق شاه السیفی

امام جامع مسجد و قار المساجد

تقریظ

الفاضل المتین المتصف بکل وصف الحسین المتخلق باخلاق الحمیدیة

المتشرف بالعلوم العملیة و النظریة المؤدب باداب الاسلاف

المتحلی باحسن الاوصاف

مولانا و مولوی محمد روشن صدیقی کوکاروی

سوات پاکستان

الجواب صحیح جید موافق للقرآن و السنة و مذهب امام ابو حنیفة لقد سعی المجیب سعی بلیغ و زین الجواب بادلائل الجید الصحیح من الکتب المعتبرة لا مجال للعاقل المتبع للقرآن و السنة ان یخالف فیه و لا اعتبار للمعاند الوهابی الضال المبتدع نسئل اللہ تعالیٰ ان یجعله سبب الهدایة للمسلمین و بارک اللہ فی عمر المجیب و علمه ما قال فهو حق و الحق احق ان یتبع و ماذا بعد الحق الا الضلال فقط۔

کتبه:

مولوی محمد روشن صدیقی

شیخ القرآن و السنة و پیر طریقت

ساکن کوکاری سوات صوبه سرحد

ہمارے سُسر شیخ الحدیث مفتی عبد الحنان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے والد صاحب مفتیٔ اعظم سرحد مفتی شائستہ گل صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اس حوالے سے ایک مستقل رسالہ تحریر فرمایا ہے، جو پیش خدمت ہے:

[1] (بدائع ص ۷۶۵، ج ۲)

[2] (الحدیقة الندیة ص ۲۰۶)

اثبات عشرین رکعات التراویح بالادلة القویة
و
تردید اقوال الروافض والوھّابیة

الامر الاول فی تعریف السنة باقوال

(۱) السنة ما واظب علیه النبی ﷺ علی وجه العبادة مع الترک احیانا۔ او الخلفاء الراشدون اه ابن کمال باشا فی ایضاح الاصلاح و صاحب الهدایة۔

(۲) السنة ما واظب علیه النبی علیه السلام او الخلفاء بعده اه تحقیق الحسامی۔

(۳) السنة ما واظب علیه الرسول علیه السلام و (ای او بقرینة ما قبله و ما بعده) اصحابه اه خلاصة الفتاوی۔

(۴) السنة عند الحنفیة ما فعله علی ما تقدم (ای علی المواظبة مع الترک احیانا) او صحبه بعده اه طحطاوی المراقی۔

(۵) السنة الطریقة فی الدین سلکها النبی ﷺ او غیره ممن هو اعلم فی الدین (ای او الخلفاء الراشدون اه مرقاة الاصول لخسرو)۔

(۶) السنة الطریقة الدینیة من النبی ﷺ او الصحابة اه تبیین الحسامی۔

(۷) السنة الطریقة الدینیة منه علیه السلام او الخلفاء الراشدین او بعضهم اه تحریر ابن الهمام۔

(۸) قال علیه الصلوة و السلام علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین من بعدی اه مرقاة الاصول لخسرو۔

(۹) قال صاحب الهدیة فی التراویح و الاصح انها سنة لأنه واظب علیها الخلفاء الراشدون اه ابن کمال۔

(۱۰) و انما کانت التراویح عشرین رکعة سنة لأنه واظب علیها الخلفاء الراشدون [1]

(۱۱) و قد علم من ههنا انهم عمموا تعریف السنة بحیث یشمل سنة الخلفاء ایضاً و جعلوه مما یلام تارکه بل جعله صاحب البنایة مما یعاقب و صرح ابن الهمام فی التحریر بان سنة بعض الخلفاء ایضا کذلک و صرح بحر العلوم فی شرحه بأن الطریقة الدینیة التی امر بها الخلفاء و ان لم یباشروها ایضاً منها و بمثله اشار القهستانی حیث قال فی شرح الخلاصة الکیدانیة قد تنقسم السنة الی سنة الرسول علیه السلام و الی سنة الخلفاء اه و صرح ابن العابدین ان کان الفعل مما واظب علیه الرسول علیه السلام او الخلفاء الراشدون من بعده فسنة اه بل کلام جمیع الفقهاء فی ذلک سواء فبطل قول ابن الهمام و الوهابیة باستحباب اثنا عشر رکعة اه۔

---

[1] (شرح الوقایة ص ۴۹، والدر المختار و مجمع الانهر ص ۱۳۲ و جامع الرموز ص ۹۵، والزیلعی ص ۱۷۸، و کبیری ص ۳۴۹، و روح البیان بقره ص ۲۹۵، و کشف البزدوی)

(۱۲) وفی عرف الشرع یراد بها طریقة الدین اما للرسول او للصحابة حتی یقال سنة الرسول او سنة الخلفاء الراشدین ولا یختص مطلق السنة بسنة الرسول اه غایة البیان وقد ذکر الاصولیون ان السنة ما فعله النبی علیه السلام او واحد من الصحابة اه للطحطاوی۔

الامر الثانی فی بیان احکام السنة للرسول علیه السلام وللصحابة خصوصا للخلفاء الراشدین حکم فعل السنة الثواب

(۱) حکم السنة ان یوجر باتیانها اه خواهرزاده ثم المستصفی والبزازیة وخزانة المفتیین وبمعناه غایة البیان وعنایة وتحقیق الحسامی ومقدمة الصلوة للقهستانی فی المسعودیة۔

(۲) التراویح عشرون رکعة واظب علیها الخلفاء الراشدون (الثلثة) وبقیة الصحابة رضی الله عنهم اجمعین فهی سنتهم ایضاً کما هی سنة الرسول علیه السلام کما مر وحکم ترک السنة العتاب واللوم وحرمان الشفاعة۔

(۱) یلام علی ترکها ویستحق العتاب وحرمان الشفاعة اه خواهرزاده ثم المستصفی والبزازیة وخزانة المفتیین وغایة البیان وعنایة وجامع الرموز وتحقیقات الحسامی وابی الیسر ثم عبد العزیز البخاری وکشف الاصول للبزدوی عن شمس لائمة وحکم تارکها انه عاص أثم مسئی۔

(۱) تارک السنة آثم علی الصحیح اه تمرتاشی ثم شرح مقدمة الصلوٰة للقهستانی والتجنیس والمحیط۔

(۲) ومن اعتقد السنة علی نفسه ولم یعمل به فهو مؤمن عاص اه شرح المقدمة المذکورة۔

(۳) وتارکها مسیئی یستحق اللوم اه مرقات الاصول وشرحه مرأة الاصول۔

(۴) وترکها عمدا لا علی سبیل الاستخفاف مکروه تحریما اه فالقول بالکراهة التنزیهیة لا یصغی الیه وحکم تارکها من اهل بلدة القتل۔

(۱) ولو ترک السنة قوم عوتبوا او اهل بلدة واصروا قوتلوا اه مرقاة الاصول او شرحه مرأة الاصول وقال محمد علیه الرحمة ثم التمرتاشی و محمد بن مقاتل ثم نسخة الامام الخجوانی ثم الفصول العمادیة والقنیه عن جامع التفاریق۔

(۲) وقال ابو یوسف یقابلون بالتادیب اه تمرتاشی وقنیه عن جامع التفاریق للبقالی ولا یکفر بانکار سنة من السنن کما فی النظم وغیره اه ثم التمرتاشی وقیل انه یکفر به عند بعضهم اه التمرتاشی وحکم من ترک السنة علی سبیل الاستخفاف والاستهزاء بها وان کانت من الزوائد فقد کفر۔

(۱) ولو ترک سنة (ای ما اعتقده سنة) تهاونا لم یقبل فرضه اه خلاصة الفتاوی ثم التمرتاشی۔

(۲) کذا یکفر بالتهاون والاستخفاف کما فی الخزانة۔

(۳) رجل قال کلما اکل النبی علیه الصلوة والسلام لحس اصابعه فقال آخر این بی ادبی است یکفر اه بزازیه۔

(۴) قیل قلم الاظفار سنة قال آخر لا افعل وان کان سنة کفر اه بزازیة۔

(۵) رجل قال لآخر البس الثیاب البیض فانه سنة الرسول علیه الصلوة و السلام فقال ذلک الرجل لو کان هذا سنة پس مغان دست بر دند لأنهم یلبسون الثیاب البیض قیل هذا استخفاف سنة رسول الله ﷺ وهذا کفر اه فصول عمادیه۔

(۶) رجل قال لآخر احلق رأسک و اقلم اظفارک فان هذا سنة رسول الله علیه الصلوة و السلام فقال ذلک الرجل لا افعل و ان کان سنة فهذا کفر لانه قال ذلک علی سبیل الرد و الانکار و کذا فی سائر السنن خصوصاً فی سنة معروفة ثبوتها بالتواتر کالسواک و نحوه اه فصول عمادیه۔

(۷) رجل ترک سنن الصلوة ان لم یر السنن حقا کفر لانه ترک الاستخفافا اه تجنیس و محیط۔

(۸) ترک السنة المؤکدة قریب من الحرام یستحق حرمان الشفاعة فی العقبی اه تلویح و تحقیق الحسامی و کشف الاصول للبزدوی۔

ان الراوی اذا قال من السنة کذا فعند عامة اصحابنا المتقدمین و اصحاب الشافعی و جمهور اصحاب الحدیث یحمل علی سنة الرسول علیه السلام و الیه ذهب صاحب المیزان و عند الشیخ ابی الکرخی من اصحابنا و ابی بکر الصیرفی من اصحاب الشافعی لایجب حمله علی سنة الرسول علیه السلام الا بدلیل و الیه ذهب القاضی ابو زید و الشیخ المصنف فخر الاسلام و شمس الائمة وتابعه من المتأخرین و کذا الخلاف فی قول الصحابی امرنا بکذا و نهانا عن کذا و تمسکوا فی ذلک بان السنة قد سنوا احکاما کما قال علی رضی الله عنه جلد رسول الله ﷺ فی الخمر اربعین و جلد ابو بکر اربعین و جلد عمر اربعین و کل سنة و قال علیه السلام علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الخ اطلق اسم السنة علی طریقتهم۔ و السلف یطلقون السنة علی طریقة ابی بکر و عمر رضی الله عنهما کشف الاصول للبزدوی

الامر الثالث فی لزوم اتباع الخلفاء الراشدین

الوجه الاول: عن الکلبی فی قوله تعالیٰ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" الایة۔ ابو بکر و عمر و عثمان و علی و ابن مسعود رضی الله عنهم۔

و الوجه الثانی: ذکر ابن حجر فی للصواعق المحرقة صفحه ۱۳۴ و غیره أنه لما صالح الحسن بن علی معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنهم کتب الیه کتابا بسم الله الرحمن الرحیم هذا ما صالح علیه الحسن بن علی معاویة بن ابی سفیان رضی الله عنهم صالحة علی ان یسلم الیه ولایة المسلمین علی ان یعمل فیهم بکتاب الله و سنة رسوله و سیرة خلفائه الراشدین المهدیین

الوجه الثالث: عن العرباض بن ساریة رضی الله عنه قال صلی بنا رسول الله ﷺ ذات یوم ثم اقبل علینا فوعظ موعظة بلیغة ذرفت منه العیون و وجلت منه القلوب فقال قائل یا رسول الله ﷺ کان هذه موعظة مودع فما ذا تعهد علینا فقال اوصیکم بتقوی الله و السمع و الطاعة و ان کان عبدا حبشیا فانه من یعش منکم بعدی فیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین تمسکوا بها و عضوا علیها بالنواجذ و ایاکم و محدثات الامور فان

كل محدثة بدعة و كل بدعة ضلالة رواه ابو داؤد و احمد وبنحوه ابن ماجة والترمذی وقال حسن صحیح و الحافظ عبد العظیم المنذری فی الترغیب و الترهیب و الفقیه ابی اللیث السمرقندی وعبد الغنی النابلسی فی الحدیقة الندیة و البیهقی فی المدخل ویاتی من اثنا عشر كتاب لان لفظ علیكم اسم فعل معناه الزموا بسنتی و الزموا بسنة الخلفاء الراشدین وهذا مراد جمیع كتب النحو فی بحث اسماء الافعال وكذا قال علماء الشریعة قال عبد الغنی النابلسی قوله علیكم بسنتی الخ ای الزموا الخ الحدیقة وقال مثله عبد العظیم المنذری فی الترغیب و الترهیب وقال المنذری قوله عضوا علیها بالنواجذ ای اجتهدوا او الزموها واحرصوا علیها كما یلزم العاض علی الشیء بنواجذه خوفا من ذهابه اه الترغیب و الترهیب۔

و الوجه الرابع: و انما ذكر سنتهم فی مقابلة سنة علیه السلام لأنه علم أنهم لا یخطئون فیما یستخرجونه من السنة بالاجتهاد و لانه علم ان بعض سنة ﷺ لا یشتهر الا فی زمانهم فاضاف الیهم دفعا لتوهم من ذهب الی رد تلك السنة اه شرح المشكوة للسید السند علی الجرجانی۔

(۵) وفی الحدیث۔ دلیل علی ان واحدا من الخلفاء الاربعة اذا قال و خالفه غیره من الصحابة كانا لمصیر الیه اولی اه الشرح المذكور للمشكوة۔

و الوجه الخامس: فالظاهر ان المراد به السنة التی واظب علیها الخلفاء الراشدون اجتمعوا علیها او انفرد واحد منهم ورضی بها الباقون الخ فبطل توهم المراد به السنة التی اجتمعت علیها الخلفاء الاربعة وكذا بطل قول ابن الهمام باستحباب اثنا عشر ركعة من التراویح بالوجوه الماضیة و الوجوه الاٰتیة۔

و الوجه السادس: ان الحدیث یدل صریحا علی لزوم سنة الخلفاء كما هو منطوق لفظ علیكم۔

و الوجه السابع: ان اللزوم مما یؤیده عطف سنة الخلفاء علی لفظ سنتی و جمعهما فی نسقٍ احد۔

و الوجه الثامن: انه ایضا لوكان غرض النبی ﷺ من هذا الحدیث ندب سنة الخلفاء من غیر لزوم لما كان لتخصیص الخلفاء بالذكر وجه معتد به فان هذا الامر (ای الندب) جار فی اقتداء جمیع الصحابة رضی الله تعالیٰ عنه۔

و الوجه التاسع: ان الرسول علیه السلام سماه بلفظ سنة الخ فیكون القول بالندب و الاستحباب تردید القول الرسول المذكور فیكون قول ابن الهمام باطلا۔

الوجه العاشر: ان الحاصل ان كلمت علیكم لا یخلو اما ان یكون محمولا علی الندب و اما ان یكون محمولا علی اللزوم و اما ان یكون محمولا علی كلیهما لا سبیل الی الاول و الا لزم ان تكون السنة النبویة ایضا مندوبة و اللازم باطل فالملزوم مثله و لا سبیل الی الثالث ایضا و ال الزم الجمع بین الحقیقة و المجاز و هو باطل فالملزوم مثله فتعین ارادة الاوسط و هو اللزوم و خیر الامور اوسطها فثبت لزوم اتباع سنة الخلفاء فظهر ان القول بالاستحباب باطل اقول هذه الاحادیث تدل علی لزوم اتباع الخلفاء الراشدین مجتمعا او لا۔

و الوجه الحادی عشر: انه لیس المراد من حدیث الخلفاء اجتماع الاربعة جمیعا بل انفراد الاربعة بمعنی ان الواحد فصاعدا كاف للزوم السنة لان الاصل فی لام التعریف الداخلة علی صیغة الجمع الاستغراق الافرادی كما هو

مذکور فی التوضیح والتلویح وغیرهما من کتب الاصول فاللازم الداخلة علی الخلفاء لیست للاستغراق المجموعی اه تحفة الاخیار ص ۲۰۹۔

الامر الرابع فی لزوم اتباع سنة ابی بکر وعمر وسنة بقیة الصحابة رضی اللہ عنهم اجمعین

الوجه الاول قوله تعالیٰ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" الآیة قال الکلبی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنه رواه عبد ابن حمید وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابن عساکر اه وقد ثبت من عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه عشرون رکعة۔

والوجه الثانی عن عکرمة رضی اللہ تعالیٰ عنه کان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه من اولی الامر اخرجه سعید بن منصور۔

والوجه الثالث عن حذیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ اقتدوا بالذین من بعدی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنه رواه الترمذی وقال حسن ورواه بوجهین اٰخرین وعلی العزیزی فی السراج المنیر وعلی القاری فی المرقاة وعینی الهدایة وابن العدی فی الکامل وابن ماجه واحمد وابن حبان وابن حجر فی تخریج احادیث الرافعی هذه الاحادیث تدل علی خصوص لزوم اتباع الشیخین المذکورین وقد صح عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه عشرون رکعة۔

والوجه الرابع ان بقیة الصحابة ث صلوا عشرین رکعة کما یاتی فی البحث الثانی واتباع بقیة الصحابة ث سنة ایضا لهذه الاحادیث الاربعة الاٰتیة۔

الوجه الخامس عن مجاهد رضی اللہ تعالیٰ عنه فی قوله تعالیٰ "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" قال اصحاب محمد اهل العقل والفقه والدین۔

الوجه السادس عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه انه قال من کان متنا فلیتن بمن قدمات اولئک اصحاب محمد کانا افضل هذه الامة ابرها قلوبا واعمقها علما واقلها تکلفا اختارهم اللہ لصحبة نبیه ﷺ ولاقامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علی اثرهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم فانهم کانوا علی الهدی المستقیم اخرجه رزین ثم المشکوة اعتصام۔ ص ۳۲

الوجه السابع عن عمر ص قال قال رسول اللہ ﷺ اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم رواه البغوی ورزین ابن معاویة والصواعق ورواه البیهقی فی المدخل والدار قطنی والایراد بضعف هذا الحدیث مجاب بستة اجوبة الاول۔

(۴) رواه البیهقی فی المدخل والدارقطنی فی الفضائل وابن عبد البر فی العلم وعبد بن حمید فی مسنده والدارمی والسنجری فی الابانة وابن عساکر والحاکم وقال صحیح مرفوعا۔ سالت ربی عن اختلاف اصحابی من بعدی۔ فاوحی اللہ الی یا محمد ان اصحابک عندی کالنجوم فی السماء بعضها اقوی من بعض ولکل نور فمن اخذ

بشیء مما ھم علیه من اختلافھم فھو عندی علی ھدی فالاقتداء بھم اھتداء و المقتدی بھم اھل السنة و الجماعة فھم مھتدون و مذھبھم حق و مذاھب سائر الفرق باطلة اہ الصواعق الحقة ثم تحفة الاخیار۔ ص ۱۷۲۔

و الوجه الثانی و رواہ البیھقی باسانید متنوعة یرتقی بھا الی درجة الحسن فالحدیث حسن اہ الصواعق ثم تحفة الاخیار ص ۱۷۲۔

و الوجه الثالث ذکر القرطبی فی غریب الحدیث مستطردا و اشعر بان له اصلا عندہ اہ المصنوع فی معرفة الموضوع لعلی القاری و الوجه الرابع قال السیوطی اخرجه نصر المقدسی فی الحجة و البیھقی فی الرسالة الاشعریة بغیر سند و اوردہ الحلیمی و القاضی حسین و امام الحرمین و لعله اخرج فی بعض کتب الحفاظ التی لم تصل الینا اہ و الوجه الخامس لکن ذکر عن البیھقی انه قال ان حدیث مسلم یؤدی بعض معناہ یعنی قوله علیه الصلوۃ و السلام النجوم امنة السماء قال ابن حجر ھو یؤدی صحة التشبیه للصحابة بالجوم و الوجه السادس نعم الحدیث الصحیح یؤدی معناہ و ھو حدیث النجوم امنة السماء و فی شرح مسلم لمولانا عبد العلی اللکھنوی و شرح ابیه ملا نظام الدین للمناد المسمی بالصبح الصادق و الوجه السابع عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه ان اللہ تعالیٰ نظر فی قلوب العباد فاختار محمدا ﷺ فبعثه برسالته ثم نظر فی قلوب العباد فاختار له اصحابا فجعلھم انصار دینه و وزراء نبیه فمارأہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن و ما رآہ المسلمون قبیحا فھو عند اللہ قبیح قال شمس الدین السخاوی فی المقاصد الحسنة۔ ص ۱۲۳۔ و عینی الھدایة و النخبة علی التحفة و احمد فی مسندہ و کتاب السنة و البزار فی مسندہ و البیھقی فی کتاب الاعتقاد و ابو داؤد فی مسندہ و ابو نعیم فی الحلیة و الطبرانی فی معجمه و قال الرازی فی الکبیر و صاحب عینی الھدایة قال النبی ﷺ ما رأہ المسلمون الخ قال علائی لم اجدہ فی شیء من کتب الحدیث و انما ھو قول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنه موقوفا علیه قلنا فی جواب العلائی بوجوہ الاول انه قال ابن الھمام عدم احد لا یصلح حجة فی دین اللہ الخ فی دفع قول الشافعی لم اجد حدیث و قوع الحبشی فی زمزم اہ فتح القدیر و کبیری بیر فاین العلائی من الشافعی علیہ الرحمۃ و الثانی ان قوله فی شیء من کتب الحدیث یدل علی حصر الاحادیث المرفوعة کتب الحدیث لا یکاد یصح لانه قال الامام الاعظم ابو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه و اللہ لو ان البحار مدادھم و الشعب اقلاما جعلن لذاک۔ لم تقدر الثقلان یجمع ندرہ ابدا و ما استطاعوا له ادراکا اہ قصیدة النعمان و الوجه السابع ان قوله انما ھو قول ابن مسعود ص موقوفا علیه اہ دلیل علی انه محمول علی السماع منه علیه السلام لان مضمونه لیس من الاجتھادیات۔

البحث الاول فی اثبات التراویح عشرین رکعة بالجماعة من رسول اللہ ﷺ بالمواظبة بنوعیھا و تر ابن الھمام و الوھابیة و الروافض

حاصل کلام الروافض ان التراویح بدعة اہ العیاذ باللہ تعالیٰ و حاصل کلام ابن الھمام و الوھابیة فی فتح القدیر فی التراویح (ص ۱۰۵، ج ۱) ان التراویح المسنونة ثمانیة رکعات و الباقی مستحب مردود بوجوہ۔ الوجه الاول ان التراویح المسنونة عشرون رکعة لمواظبة رسول اللہ ﷺ علی عشرین رکعات التراویح لانه روی ابن ابی شیبة فی

مصنفه و الطبرانی فی معجمه وعنه البیهقی فی سننه و الفقیه ابو الفتح سلیم بن ایوب الرازی فی الترغیب و الترهیب وعبد ابن حمید فی مسنده من حدیث ابراهیم بن عثمان ابی شیبة عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس ث ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر الخ نصب الرایة رمضان ص ۲۹۳، وفتح القدیر ص ۲۵۰، وحاشیة البخاری رمضان ص ۵۴ و کشف الغمه ص ۱۸۶ و طحطاوی المراقی ص ۱۴۶۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ الفاظ یصلی مضارع ہیں اور مضارع دوام اور استمرار کے لئے ہے دیکھو:

(۱) لما کان حذف النون قاعدة مستمرة اتی فی بیانه بالفعل المضارع المفید للاستمرار اه شرح الجامی قبیل المجموع ص ۲۶۱

(۲) المضارع یفید الاستمرار (الی قوله) کما ان المضارع المثبت یفید استمرار الثبوت یجوز ان یفید المنفی استمرار النفی اه مختصر المعانی ص ۱۸۲، ۱۸۱۔

(۳) و قد یوفق بان ذلک مقید بالمداومة علی الترک کما هو ظاهر قوله علیه السلام لا یشهدون الصلوة و فی الحدیث الآخر یصلون فی بیوتهم کما یعطیه ظاهر اسناد المضارع نحو بنو فلان یأکلون البر ای عادتهم اه فتح القدیر امامة ص ۲۴۳، ج ۱ و کبیری امامة ص ۵۷ و شامی امامة ص ۳۷۱ ج ۱۔

پس ثابت ہو گیا مواظبت حقیقیہ عملیہ نبویہ بیس رکعت تراویح اور ضعف حدیث کے بہت جواب آئیں گے۔

الوجه الثانی ان التراویح المسنونة عشرون رکعة لمواظبة رسول الله ﷺ بالمواظبة الحکمیة العملیة قالوا

(۱) قد سن عشرین رکعات التراویح رسول الله ﷺ و ندبنا الیها و اقامها فی بعض اللیالی ثم ترکها (ای بالجماعة فی المسجد فلا ینافی حدیث ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه کما مر) خشیة ان تکتب علی امته کما ثبت ذلک فی الصحیحین وغیرهما اه البحر الرائق ص ۶۶، ج ۲ پس باطل ہو گیا قول روافض و وهابیه و ابن الهام۔

و الوجه الثالث عن عائشة رضی الله عنها زوج النبی ﷺ ان النبی ﷺ صلی فی المسجد (ای عشرین رکعة علی مامر من البحر و ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنه) فصلی بصلوته ناس ثم صلی من القابل فکثر الناس ثم اجتمعوا من اللیلة الثالثة فلم یخرج الیهم رسول الله ﷺ فلما اصبح قال قد رأیت الذی صنعتم فلم یمنعنی من الخروج الیکم الا خشیة ان تفرض علیکم و ذلک فی رمضان رواه ابو داؤد رمضان ص ۹۴ و بخاری ص ۱۵۲ و مسلم رمضان ص ۲۵۹ و ابن حبان فی صحیح ثم نصب الرایه رمضان ص ۲۹۳ و موطا محمد رمضان ص ۱۴۱ و النسائی ص ۱۸۲ و فتح القدیر رمضان ص ۲۰۵ و کبیری ص ۴۵۰ و الطحطاوی ص ۲۴۶ و کشف الغمه ص ۱۱۶ والوجه الرابع ان قوله فلم یمنعنی الخ ظاهره انه کان یحب ان یصلی بالناس لیالی رمضان علی الدوام و لم یمنعه الا خشیة ان یفرض علیهم فاستفادوا منه المواظبة الحکمیة و ان لم یوجد المواظبة الحقیقیة و لا شک ان مدار السنیة المؤکدة علی المواظبة مطلقا فیکون قیام رمضان (یعنی عشرین رکعة) سنة مؤکدة و علیه جمهور اصحابنا و جمهور العلماء (من المذاهب الاربعة) فما قال البعض ان التراویح مستحب فهو مخالف للروایة و الدرایة و کذا ما قال البعض ان سنیة التراویح بقدر الختم فهو ایضا مخالف للروایة و الدرایة التعلیق الممجد ص ۱۴ و بمعناه الکبیری ص ۴۸۰

والوجہ الخامس ویدل علیہ قول ابن الھمام افاد انہ لو لاخشیۃ ذلک لواظبت بکم فتح القدیر ص ۲۰۵

الوجہ السادس ان النبی علیہ الصلوۃ والسلام بین العذر فی ترک المواظبہ الحقیقیۃ وھو مخالفۃ ان یکتب علینا شرح الوقایۃ ص ۴۹ فبطل قولھم والوجہ السابع ان الجماعۃ فی التراویح (عشرین رکعۃ) فی المسجد ثابت من رسول اللہ ﷺ انظروا۔

(۱) والظاھر ان سندھم (ی سند اجماع الصحابۃ والتابعین) کون النبی ﷺ صلی بمن اقتدی بہ فی بعض اللیالی وبین العذر فی ترک المواظبۃ الحقیقیۃ علی ذلک وھو خوف الافتراض وفیہ اشارۃ الی انہ لولا ذلک لاستمر علی صلوتہ بھم علی تلک الحال فلما زال المانع الذی ھو خوف الافتراض بوفاتہ علیہ السلام زال المانع ویؤیدہ حدیث جبیر ابن نفیر ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صمنا مع رسول اللہ ﷺ فلم یصل حتی بقی سبع من الشھر فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل ثم لم یقم بنا فی السادسۃ وقام بنا فی الخامسۃ حتی ذھب شطر اللیل فقلنا یا رسول اللہ لو نفلتنا لیلتنا ھذہ فقال انہ من قام مع الامام حتی ینصرف کتب لہ قیام اللیل۔ ثم لم یقم بنا حتی بقی ثلث من الشھر فصلی بنا فی الثالثۃ ودعا اھلہ ونسائہ حتی یخوفنا ان یفوتنا الفلاح فقلت وما الفلاح قال السحور رواہ ابو داؤد والترمذی وقال حدیث حسن صحیح والنسائی وابن ماجۃ واحمد ثم المشکوۃ رمضان ص ۱۰۶ وکشف الغمہ ص ۱۱۶ فقد ثبت انہ ﷺ صلاھا بالجماعۃ علی سبیل التداعی ولم یجرھا مجری سائر النوافل واما عدم المواظبۃ الحقیقیۃ فلذلک العذر اہ کبیری تراویح ص ۴۵۰ والوجہ الثامن انہ قال ابن حجر فی تخریج احادیث الرافعی قول الرافعی انہ ﷺ بالناس عشرین رکعۃ لیلتین فلما کان فی اللیلۃ الثالثۃ اجتمع الناس فلم یخرج الیھم ثم قال من الغد خشیت ان یفرض علیکم متفق علی صحتہ من حدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا زاد البخاری فتوفی رسول اللہ ﷺ والأمر علی ذلک۔ واما العدد فروی ابن حبان فی صحیحہ من حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ صلی بھم ثمان رکعات ثم اوتر (ثم رد علیہ بقولہ) فھذا مباین لما ذکرہ الرافعی اہ وسیجیء جوابہ عن السبکی ایضا اہ تحفۃ الاخیار ص ۱۹۵ والوجہ التاسع انہ فی شرح المشکوۃ لابن حجر الھیتمی الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قول بعض الائمۃ انہ ﷺ صلی بالناس عشرین رکعۃ لعلہ اخذہ مما فی مصنف ابن ابی شیبۃ انہ صلی فی رمضان عشرین رکعۃ ومما روی البیھقی انہ صلی بھم عشرین رکعۃ بعشر تسلیمات لیلتین ولم یخرج فی الثالثہ (اعتراض علی المذکور) لکن الروایتین ضعیفتان وفی صحیحی ابن خزیمۃ وابن حبان انہ ﷺ صلی بھم ثمان رکعات والوتر (فاجاب عن الاعتراض ورد علی المقابل) لکن اجمع الصحابۃ علی ان التراویح عشرون رکعۃ شرح المنھاج للسبکی ثم تحفۃ الاخیار ص ۱۹۷ والوجہ العاشر انہ ذکر فی شرح المنھاج للسبکی الشافعی اعلم انہ لم ینقل فی الصحیحین کم صلی رسول اللہ ﷺ فی تلک اللیالی ھل ھو عشرون او اقل ومذھبنا ان التراویح عشرون رکعۃ لما روی البیھقی وغیرہ بالاسناد الصحیح عن السائب بن یزید الخ کما مر تمامہ۔

والوجہ الحادی عشر انہ قال الشیخ عبد الحق الدھلوی فی فتح المنان بمذھب المنعمان قال الحلیمی ان السر فی کونھا عشرین رکعۃ ان الرواتب فی غیر رمضان عشرۃ فضو؟؟ عفت فی رمضان لانہ وقت جد وتشھیر کذا قال فی

المواھب اللدونیۃ ولا یذھب علیک ان تقدیر الاعداد من غیر سند من جانب الشارع لا یجوز بمثل ھذہ النکتۃ التی ذکرھا الحلیمی فالظاھر انہ ثبت عندھم صلوۃ النبی ﷺ عشرین رکعۃ کما جاء فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فاختارہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہ فظھر ان قول الاورعی انہ منکر اہ و قول الذرکشی انہ لم یصح اہ مردود۔

الوجہ الثانی ان التراویح عشرین رکعۃ سنۃ مؤکدۃ لقولہ علیہ السلام افترض اللہ تعالیٰ صیامہ و سننت لکم قیامہ رواہ النسائی و بن ماجہ و احمد ثم کبیری ص ۴۰۵ و کشف الغمہ ص ۱۱۵ و جوھرہ ص ۹۷ و برجندی ص ۱۴۰ من الکافی و روح البیان بقرہ ص ۲۹۵، ج ۱ و فتح القدیر ص ۲۰۵، ج ۱ و المراقی رمضان ص ۲۴۷ و مجمع الانھر ص ۱۳۱ و جامع الرموز ص ۹۵، ج ۱ و برھنہ ص ۲۸۰، ج ۱ فانقیل کیف یستقیم قولہ سننت لکم اہ مع انہ ﷺ "مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحیٰ" فکیف نسبہ الی ذاتہ سنیۃ القیام قلت لیس الغرض منہ فعلہ من الرای بل لما علم بالوحی شرف قیام رمضان فعل ذلک لیستنوا بسنۃ فان فضیلۃ الشیء لا یعرف الا بالوحی اہ حاشیۃ ابن ماجۃ قیام رمضان ص ۹۵

الوجہ الثالث عشر و بالجملۃ فھی (ای التراویح عشرون رکعۃ) سنۃ رسول اللہ ﷺ سنھا لنا و ندبنا الیھا و کیف لا و قد قال رسول اللہ ﷺ علیکم بسنتی (ای الزموا بسنتی) و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی عضوا علیھا بالنواجذ اہ طحطاوی ص ۲۴۶ و روی الحدیث و عن العرباض رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ساریۃ قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ ذات یوم ثم اقبل علینا فوعظنا موعظۃ بلیغۃ زرفت منہ العیون و وجلت منہ القلوب فقال قائل یارسول اللہ ﷺ کانت ھذہ موعظۃ مودع فماذا تعھد علینا فقال اوصیکم بتقوی اللہ و السمع و الطاعۃ و ان کان عبدا حبشیا فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی الخ کما مر انفا رواہ احمد و ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجۃ ثم مشکوۃ اعتصام ص ۲۲ و مظاھر حق ص ۲۷ ثم الکبیری تراویح ص ۴۰۵ و المراقی ص ۲۴۷ و الطحطاوی ص ۲۴۶ و مجمع الانھر تراویح ص ۱۳۱، ج ۱ و فتح القدیر ص ۲۰۵ و البحر ص ۲۲، ج ۲۔

و الوجہ الرابع عشر و ثبت سنیتھا بفعل النبی ﷺ و قولہ علیہ السلام علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین الخ و قد واظب علیھا و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنھم المراقی ص ۲۴۷

و الوجہ الخامس عشر و ھی سنۃ النبی ﷺ ابو المکارم ص ۹۷ و جواھر الاخلاطی ثم الھندیہ ص ۱۶۲ فان قیل مواظبۃ الخلفاء الثلثۃ علی عشرین رکعۃ غیر ثابت فعلا قلنا المواظبۃ التشریعیۃ ثابتۃ قطعا و ھی ملزومۃ ایضاً لان مواظبۃ الرسول ﷺ او الخلفاء الراشدین التی ھی مدار السنیۃ علی قسمین احدھما المواظبۃ الفعلیۃ و ھی ان یواظب الرسول ﷺ او الخلفاء علی فعل کالسنن الرواتب و غیرھا و ثانیھما ان یواظب الرسول علیہ السلام او الخلفاء علی تشریعہ کالاذان للصلوۃ فانہ سنۃ مؤکدۃ و ان لم یواظب علی فعلہ الرسول علیہ السلام و کالتراویح حیث واظب الخلفاء الثلثۃ علی تشریعھا و کل ھذہ الانواع الاربعۃ موجب للسنیۃ یاثم بترکھا کما دلت علیہ الاحادیث فظھر بما مر ان مراد العلماء بمواظبۃ الخلفاء علی اداء التراویح فی المسجد بالجماعۃ المواظبۃ التشریعیۃ و من المعلوم بجمیع الاحادیث فی البحث الثانی فی اثبات التراویح فی عھد الخلفاء و غیرھا ان الخلفاء

امروابہ وحسنوہ واھتموابہ غایۃ الاھتمام ولم ینکرہ احد من الصحابۃ مع کون ذلک العصر مجمعا لاجلۃ الصحابۃ وفعل بعض الصحابۃ التراویح فی البیت لایدل علی عدم رضائھم بما فعلہ الخلفاء فظھر وثبت المواظبۃ التشریعیۃ من الخلفاء بل من جمیع الصحابۃ الموجودین فی ذلک العصر علی ذلک فیکون سنۃ مؤکدۃ لا محالۃ تحفۃ الاخیار ص۲۰۷ البحث الثانی فی اثبات التراویح عشرین رکعۃ بالجماعۃ فی المسجد من الخلفاء الراشدین مع جمیع الصحابۃ والتابعین جمیعاً۔

الوجہ السادس عشر حدیث رواہ البیھقی فی المعرفۃ ومالک فی اثارالسنن وفتح الباری ص۳۱۶ وحدیثہ صحیح التزمہ فی المقدمۃ وقال القاری فی شرح للموطا سندہ صحیح والسبکی فی شرح المنھاج وقال النووی فی الخلاصۃ اسنادہ صحیح اھ نصب الرایہ ص۲۹۳، ج۱ وعینی البخاری ص۳۵۷، ج۵ عن ابن عبد البر وزیلعی ص۱۷۸، ج۱ اخبرنا ابن طاھر الفقیہ ثنا ابو عثمان البصری ثنا ابو احمد محمد بن محمد بن عبدالوھاب ثنا خالد بن مخلد۔ ثنا محمد بن جعفر حدثنی یزید بن حفصۃ عن السائب بن یزید قال کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعۃ والوتر فثبت من ھذا الحدیث صلوۃ التراویح فی المسجد بالجماعۃ عشرین رکعۃ بالاستمرار والمواظبۃ الحقیقۃ بالفاظ کنا نقوم اہ ثبت من المضادع المثبت کما مرت العبارت فی الوجہ الاول۔

والوجہ السابع عشر حدیث مالک عن یزید بن رومان رضی اللہ تعالیٰ عنہ أنہ قال کان الناس (ای الصحابۃ والتابعون) یقومون فی زمان عمر بن الخطابص فی رمضان بثلث وعشرین رکعۃ اہ موطا امام مالک قیام رمضان ص۴۰ وروی البیھقی فی السنن الکبری ثم سیف المقلدین ص۳۴۴ ونصب الرایہ ص۳۹۴ وحاشیۃ البخاری ص۱۵۴ وقال النووی فی الخلاصۃ اسنادہ صحیح اہ فتح القدیر ص۲۰۵ وارشاد الساری ثم تحفۃ الأخیار ص۲۹۶ پس اس حدیث صحیح سی بھی بیس رکعت تراویح باجماعت مسجد میں بالمواظبۃ بالفاظ کان الناس یقومون الخ باجماع صحابہ و تابعین ثابت ہو گیا فبطل قول الوھابیۃ وابن الھمام والروافض (اعتراض) ولکنہ لم یدرک عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فیکون منقطعا (جواب) وھو حجۃ عندنا وعند مالک۔ کبیری ص۴۵۵۔

والوجہ الثامن عشر حدیث اثار السنن ص۵۷، ج۹ میں کنز العمال سے لکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ رمضان شریف میں لوگوں (یعنی صحابہ و تابعین) کو رات کی نماز پڑھائیں کہ لوگ دن کو روزہ رکھتے ہیں اور قراءت نہیں جانتے اگر تو ان پر رات کو پڑھائے تو اچھا ہو گا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے امیر المؤمنین یہ شیء پہلے نہ تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں جانتا ہوں لیکن یہ کام اچھا ہے تو ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو بیس رکعت پڑھائی صاحب کنز العمال نے اس حدیث پر سکوت کیا (یہ تائید ہی اس قول کا کہ یہ کام اچھا ہے)۔

وذکر فی الاختیار فی نسخة الصدر الشھید ان ابایوسف سئل اباحنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ عنھا وعما فعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال التراویح سنة مؤکدة ولم یخترعھا من تلقاء نفسه ولم یکن فیه مبتدعا ولم یامر به الاعن اصل لدیه عھد من رسول اللہ ﷺ اہ شامی ص ۴۷۲، ج ۱ والمراقی ۲۴۶ والبحر ص ۶۶، ج ۲۔

والوجہ التاسع عشر حدیث حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اور ابن ابی شیبہ نے مصنف میں اور سیوطی نے مصابیح میں روایت کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں (صحابہ و تابعین) کو ابی بن کعب کے پیچھے پڑھنے پر جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح رمضان شریف میں پڑھاتے تھی۔ ابن عبد البر نے کہا کہ یہ بیس رکعت صحیح ہیں۔[1]

والوجه العشرون یحیٰ ابن سعید فرماتی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نی ایک شخص کو حکم دیا کہ لوگوں (صحابہ و تابعین) کو بیس رکعت تراویح مع الوتر پڑھائی روایت کیا ابن ابی شیبہ مصنف میں سب راوی ثقہ ہیں۔

لفظه عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انه امر رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة والوتر رواہ ابن ابی شیبه فی مصنفه۔

والوجه واحد العشرون حدیث محمد بن قرضی ہی کہ روایت کیاہی کہ لوگ (صحابہ و تابعین) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح پڑھتی تھی اس میں قراءۃ لمبی کرتی تھی اور تین رکعت وتر پڑھتی تھی اخرجہ المروزی فی قیام اللیل ص ۹۱ اور حدیث منقطع حجت ہی نزد اکثر علماء خصوصاً جب اور صحیح حدیثوں سے موئید ہوں۔

والوجه الثانی والعشرون حدیث ابی الحسناء عن الحسن بن صالح عن ابی سعید البقال عن ابی الحسناء ان علیا بن ابی طالب امر رجلا ان یصلی بالناس (ای الصحابة والتابعین) خمس ترویحات عشرین رکعة (اعتراض) ثم قال البیھقی وفی ھذا الاسناد ضعف قلت فی الجواب الاظھر ان ضعفه من جھة ابی سعد سعید بن المرزبان البقال فانه متکلم فیه فان کان کذلک فقد تابعه علیه غیره (فانجبر الضعف) اہ الجوھر النقی ص ۲۰۸، ج ۱۔

والوجه الثالث والعشرون ذلک الحدیث المذکور قال ابن ابی شیبة فی المصنف حدثنا وکیع عن الحسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر رجلا یصلی بھم فی رمضان عشرین رکعة وعمر بن قیس اظنه الملای وثقه احمد ویحیی وابو حاتم وابوزرعه وغیرھم واخرج له مسلم اہ الجوھر النقی ص ۲۰۸، ج ۱

والوجه الرابع والعشرون ثم ذکر حدیثا أخر ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر رجلا یؤمھم فی رمضان بعشرین رکعة کذا فی المغنی ثم الکبیری ص ۴۵۵ وعینی البخاری ص ۵۹۸، ج ۵ والجوھر النقی ص ۲۰۸ ج ۱، اعتراض مغیرة بن زیاد الراوی لیس بالقوی (جواب) قد وثقه ابن معین وجماعة اہ الجوھر النقی ص ۲۰۸، ج ۱

والوجه الخامس والعشرون حدیث البیھقی عنه فی معرفة السنن باسناد صحیح عبد الرحمٰن السلمی ان علیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمع القراء فی رمضان فامر رجلا ان یصلی بالناس عشرین رکعة وکان علی یوتر۔

---

[1] (عینی البخاری ص ۳۹۷، ج ۵)

اعتراض: اس حدیث میں حماد بن شعیب ضعیف ہے۔

جواب: اس حدیث کی روایتیں موئید ہیں لہٰذا ضعف رفع ہو گیا۔

الوجہ السادس والعشرون انہ روی البیھقی باسناد صحیح انھم کانو یقومون فی عھد عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعشرین رکعۃ وفی عھد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مثلہ اہ محلی ثم حاشیۃ موطا مالک ص ۴۰ وسیف المقلدین ص ۳۴۴ ثم تحفۃ الاخیار ص ۱۹۳

والوجہ السابع والعشرون حدیث ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ علامہ عینی شرح بخاری (ص۳۹۷) بحوالہ مغنی بحوالہ قیام اللیل مروزی نقل کرتے ہیں کہ زید بن وہب لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان میں ہمیں نماز پڑھا کر نکلے تو ابھی رات باقی تھی اعمش لکھتے ہیں کہ بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھائی، اہ۔

والوجہ الثامن والعشرون حدیث سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سائب بن یزید صحابی کی زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے۔

رواہ البیھقی فی معرفۃ السنن والعلامۃ السبکی فی شرح المنھاج والملا علی القاری فی شرح الموطأ وصححہ۔

اور آثار السنن میں امام مالکؒ نے یزید بن قطیعہ سے روایت کیا اور فتح الباری ص ۳۱۶، جزء ۸ میں۔

والوجہ التاسع والعشرون حدیث عبد العزیز بن رفیع اس نے روایت کیا کہ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رمضان میں لوگوں (صحابہ و تابعین) کو بیس رکعت تراویح مدینہ میں پڑھاتے تھی اور تین وتر رواہ ابن ابی شیبہ فی المصنف اور آثار السنن میں اور منقطع حدیث نزدیک اکثر علماء حجت ہے اور خصوصاً جب صحیح احادیث اور اجماع امت سے موئید ہو۔

الوجہ الثلثون حدیث عطاء: عطاء تابعی لکھتی ہیں کہ میں نے صحابہ کو بیس رکعت تراویح مع وتر پڑھتا پایا رواہ ابن ابی شیبہ ثم النووی سند کو حسن فرمایا۔ مروزی نی قیام اللیل ص ۹۱ میں ذکر کیا۔

الوجہ الواحد والثلثون حدیث علی ابن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سعید بن عبید کہتے ہیں کہ علی بن ربیعہ جلیل القدر تابعی رمضان میں ہمیں پانچ تراویح (بیس رکعت) اور تین رکعت وتر پڑھاتے تھے۔ رواہ ابن ابی شیبہ۔

الوجہ الثانی والثلثون حدیث شتیر: عبد اللہ بن قیس لکھتی ہیں کہ شتیر بن شکل جلیل القدر تابعی رمضان میں بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھاتے تھے۔ رواہ ابو بکر بن ابی شیبہ۔

والوجہ الثالث والثلثون عن ابی البختری انہ کان یصلی فی رمضان خمس ترویحات عشرین رکعۃ ویوتر بثلث ویقنت قبل الرکوع رواہ ابو بکر ابن ابی شیبۃ اہ راوی خلف کوئی ثقہ ہے شعبہ کا شاگرد ہے خلاصہ میں۔

الوجہ الرابع و الثلثون حدیث التابعین۔ علامہ عینی شرح بخاری ص ۵۳۰، ج ۵ میں فرماتے ہیں کہ تابعین میں سے شتیر بن شکل وابن ابی ملیکہ وحارث ہمدانی وعطاء ابن ابی رباح وابی البختری وسعید بن ابی الحسن البصری وعبد الرحمن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعمران عبدی بیس رکعت تراویح کے قائل تھے۔

الوجہ الخامس و الثلثون۔ نافع ابن عمر فرماتے ہیں کہ ابن ابی ملیکہ جلیل القدر تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے، رواہ ابن ابی شیبہ فی المصنف جس کی سند صحیح ہے ابن ابی ملیکہ وہ جلیل القدر تابعی ہیں کہ جنہوں نے تیس صحابہ بلکہ تہذیب میں اَسّی صحابہ کو دیکھنا لکھاہے۔

والوجہ السادس و الثلثون حدیث سوید بن غفلہ۔ ابو الخطیب کہتے ہیں کہ سیود بن غفلہ تابعی رمضان شریف میں ہمیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ سوید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر تابعی ہیں بلکہ ابن قانع نے انکو صحابہ میں ذکر کیا (تہذیب میں ہے) کہ وہ مدینہ منورہ میں اس روز آئے جس روز رسول کریم ﷺ کو دفن کیا گیا تھا۔ (تقریب میں ہے) کہ ۸۰ھ یا ۸۱ھ میں آپ فوت ہوئے ایک سو تیس سال عمر پائی۔ خلفاء رابعہ کا زمانہ پایا اور ان سے روایت کیا۔ یہ سند حسن ہے آثار السنن تہذیب التہذیب ص ۶۷۸، ج ۴ وتذکرۃ الحفاظ ص ۱۶، ج ۱ میں سوید کو ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگردوں میں لکھاہے معلوم ہوا کہ سوید کا بیس رکعت پڑھنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ماخوذ ہے۔

مذکورہ بالا دلائل اور سلف اور خلف صالحین کے معمولات سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کرام و تابعین عظام میں بیس رکعت تراویح کا عمل اجماع وعرف وتعامل تھا۔ اور عام طور پر سب لوگ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔ کیا عقل سلیم باور کر سکتی ہے کہ ان کے پاس بیس رکعت تراویح کا کوئی صحیح قوی ثبوت رسول اللہ ﷺ سے نہ تھا۔ ہر گز ہر گز ہر گز نہیں۔ بلکہ تھا جو واضح طور سے گذرا۔ پس قول روافض وابن الہمام ووہابیہ کا بطلان ظاہر ہو گیا۔

البحث الثالث فی اثبات سنیۃ التراویح عشرین رکعۃ بالجماعۃ فی المسجد باجماع الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم ولھذا بطل قول الروافض وابن الھمام والوھابیۃ

والوجہ السابع و الثلثون قولھم التراویح عشرون رکعۃ سنۃ مؤکدۃ باجماع الصحابۃ ومن بعدھم اہ مجمع الانھر ص ۱۳۱، ج ۱ وزیلعی ص ۱۷۸، ج ۱ وبرجندی ص ۱۴۰، ج ۱ والفتاوی الحجۃ ثم ابو المکارم ص ۹۷۔

(۲) وفی شرح المنیہ وحکی غیر واحد الاجماع علی سنیتھا وتمامہ فی البحر اہ شامی ص ۴۷۲، ج ۱ وبرھنہ ص ۲۷۹ وجامع المرموز ص ۹۵۔

(۳) ومنكرها مبتدع ضال مردود الشهادة كما فى المضمرات اه مجمع الانهر ص ۱۳۱ والبرجندى ص ۱۴۰ وابو المكارم ص ۹۷ وجامع الرموز ص ۹۵ والبرهنه ص ۲۷۹

والوجه الثامن والثلثون ان مذهب الامام ابى حنيفة سنية عشرين ركعات التراويح۔

(۱) التراويح عشرون ركعة سنة مؤكدة من الكتب المعتبرة۔ كنز۔ والملتقى۔ والوقايه۔ والمختصر، والتنوير، والمجمع والمنية وغيرها من المتون

(۲) التراويح عشرون ركعة سنة مؤكدة هو الصحيح من المذهب اه مجمع الانهر ص ۱۳۲

(۳) وهى عشرون عندنا اه ابو المكارم ص ۸۰، ج ۱ والزيلعى ص ۱۷۸، ج ۱ ثم هنديه ص ۱۶۲

(۴) قال الصدر الشهيد هو الصحيح اه كبيرى ص ۳۴۹ ومجمع الانهر ص ۱۳۲ والمضمرات ثم ابو المكارم ص ۹۷

(۵) هو الاصح اه جوهره ص ۹۷ والجواهر الاخلاطى ثم هنديه ص ۱۶۲ والشامى ص ۴۷۲ وابو المكارم ص ۹۷ وشرح الوقايه ص ۲۰۷ وجامع الرموز ص ۹۵ والدر المختار ورد المحتار ص ۴۷۲ والمراقى والطحطاوى وجوامع الفقه ثم البحر والنهر والخلاصة والسراجية وبرهنه ومجموعه خانى ومجموعه سلطانى۔

(۶) قال الصدر الشهيد فى نسخة من التراويح اعلم بان المشائخ اختلفوا فى كون التراويح سنة وانقطع الخلاف برواية الحسن عن ابى حنيفة رضى الله عنه انها سنة اه خلاصة الفتاوى ص ۶۵ ثم ابو المكارم ص ۹۷ وكبيرى ص ۳۴۹ وشامى ص ۴۷۲ وزيلعى ص ۱۷۸ وهنديه ص ۱۶۲ ثم البحر ص ۶۶۵ ثم الطحطاوى

(۷) وروى اسد بن عمرو عن ابى يوسف قال سالت ابا حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه عن التراويح وما فعله عمر رضى الله تعالىٰ عنه فقال التراويح سنة مؤكدة ولم يخترعها عمر رضى الله تعالىٰ عنه من تلقاء نفسه ولم يكن فيه مبتدعا ولم يامر به الا عن اصل لديه عهد من رسول الله عليه الصلوٰة والسلام اه المراقى ص ۲۴۶ والبحر ص ۶۶ والاختيار ثم الشامى ص ۴۷۶

اقول وجه الاستدلال انه لما ثبت من العبارات السبعة من ستة واربعين كتابا من المتون والشروح والحواشى والفتاوى ان التراويح عشرين ركعة سنة مؤكدة عند الامام ابى حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه فظهر بطلان قول الروافض وابن الهمام والوهابية۔

والوجه التاسع والثلٰثون انه لما ثبت وظهر ان قول ابن الهمام مخالف عن مذهب الامام الاعظم فى هذه المسئلة فقوله مردود لانه قال العلامة قاسم بن قطلوبغا فى حق شيخه خاتمة المحققين الكمال بن الهمام لا يعمل بابحاث شيخنا التى تخالف المذهب اه مجموعة رسائل الشامى ص ۲۴۔

والوجه الاربعون ان قول ابن الهمام فى هذه المسئلة مخالف من المذهب فلا يقبل قولهم تنبيه كلام البحر صريح فى ان المحقق ابن الهمام من اهل الترجيح حيث قال عنه انه اهل للنظر فى الدليل وحينئذ قلنا اتباعه فيما حققه

ورجحه من الروايات والاقوال مالم يخرج من المذهب فان له اختيارات خالف فيها من المذهب فلايتابع عليها كما قال تلميذه العلامة قاسم اه مجموعة رسائل الشامی العلم الظاهر فی نفع النسب الطاهر ص ۳۲، ج ۱

الوجه الواحد والاربعون انه لما ثبت ان قول ابن الهمام مخالف للمذهب فی هذه المسئلة فلايعمل به لقولهم ورد قول ابن الهمام فی البحر بانه بحث مخالف للمذهب قال وافاد العلامة قاسم حيث قال فی فتاواه انه لا يعمل بابحاث ابن الهمام المخالف للمذهب اه مجموعة رسائل الشامی ص ۳۵۳

والوجه الثانی والاربعون ان قول ابن الهمام فی هذه المسئلة مخالف للمذهب فهو مردود لقولهم ولايخفی علی ذوی الافهام علو رتبة المحقق ابن الهمام من طول باعه وسعة اطلاعه وما بالک بامام له قوة علی ترجيح المذهب بحسب مايظهر له من الدليل وان كنا لانقبله منه كما نص عليه تلميذه العلامة قاسم بن قطلوبغا لانا مقلدون لابی حنيفة رضی اللہ عنه اه مجموعة رسائل الشامی ص ۱۴۷

والوجه الثالث والاربعون انه لماظهر مخالفة للمذهب فی هذه المسئلة فلايعتمد بقول ابن الهمام لقولهم حتی ان ابن الهمام وناهيک به من بطل مقدام اذا خرج عن جادة المذهب بحسب ما يظهر له من الدليل لا يتبع كما قال تلميذه خاتمة الحفاظ الزينی قاسم بن قطلوبغا انه لا عبرة بابحاث شيخنا اذا خالف المنقول اه مجموعة رسائل الشامی ص ۳۳۵

والوجه الرابع والاربعون انه لا ينظر الی قول ابن الهمام ولا يقبل حجة فی هذه المسئلة لقولهم قال العلامة قاسم فی تصحيحه علی القدوری قال الامام العلامة الحسن بن منصور بن محمود الازجندی المعروف بقاضی خان فی كتابه الفتاوی رسم المفتی فی زماننا من اصحابنا اذا استفتی عن مسئلة ان كانت مروية عن اصحابنا فی الروايات الظاهرة بلاخلاف بينهم فانه يميل اليهم ويفتی بقولهم ولا يخالفهم برايه وان كان مجتهدا متقنا لان الظاهر ان الحق مع اصحابنا ولا يعدوهم واجتهاده لا يبلغ اجتهادهم ولا ينظر الی قول خالفهم ولا تقبل حجة ايضا لانهم صرفوا الادلة وميزوا بين ما صح وبين ضده الخ ثم نحوه عن شرح برهان الائمة علی ادب القضاء للخصاف اه مجموعة رسائل الشامی شرح عقود رسم المفتی ص ۲۴۔

والوجه الخامس والاربعون اجماع المذاهب الاربعة علی بطلان قول الروافض والوهابية وابن الهمام لان مذهب الامام الاعظم ابی حنيفة بسنية عشرين ركعات التراويح قدمر من ستة واربعين كتابا۔

(۱) فضل ومن السنن صلوة التراويح فی شهر رمضان عند ابيحنيفة رضی اللہ تعالیٰ عنه والشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنه واحمد رضی اللہ تعالیٰ عنه وهی عشرون ركعة اه رحمة الامة والثلبی ص ۱۷۸

(۲) وقال الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنه وجمهور اصحابه علیہ الرحمہ وابو حنيفة رضی اللہ تعالیٰ عنه واحمد رضی اللہ تعالیٰ عنه وغيرهم الافضل صلوتهم جماعة كما فعله عمر بن الخطاب والصحابة واستمر عمل المسلمين عليه لانه من الشعائر الظاهرة فاشبه صلوة العيد اه نووی المسلم باب ترغيب فی قيام رمضان ص ۲۵۹

(۳) واکثر اهل العلم علی ماروی عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنه وغیرهما من اصحابه علیه الصلوۃ والسلام وهو قول سفیان الثوری رضی اللہ تعالیٰ عنه وابن المبارک رضی اللہ تعالیٰ عنه (تلمیذ ابی حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه) والشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنه وقال الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنه هکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة اه ترمذی ص ۱۰۴، ج ا ونووی المسلم ص ۲۴۹

(۴) وقال الغزالی للتراویح عشرون رکعة وکیفیتها مشهورة وهی سنة مؤکدة اه احیاء العلوم نوافل ص ۱۸۱، ج ا

واما الامام مالک فله روایات احدها فرأی بعضهم ای مالک ان یصلی احدی واربعین رکعة مع الوتر وهو قول اهل المدینة والعمل علی هذا عندهم بالمدینة اه ترمذی ص ۱۰۴ قبیل الحج ونووی المسلم قیام رمضان ص ۲۵۹ وثانیها وروی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه ست وثلثون رکعة اه رحمة الامة ص ۵۶

وثالثها وروی مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه عشرین رکعة فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه الاول فی البحث الاول وفی حدیث رومان الثانی فی البحث الثانی وفی حدیث السائب بن یزید الاول فی البحث الثانی فلامام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنه علی تقدیر کل روایة مخالف عن الروافض والوهابیة وابن الهمام والحاصل ان قولهم باطل مردود باجماع المذاهب الاربعة الحقة التی مخالفتها غیر مقبول۔

البحث الرابع فی اجوبة الاقوال لابن الهام والوهّابیّة

الاجوبة عن الایراد بضعف حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه المذکور فی اول البحث الاول (۱) قول ابن الهمام واما ماروی ابن ابی شیبة من حدیث ابراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة سوی الوتر فضعیف بابی شیبة ابراهیم عن عثمان جد الامام ابی بکر بن ابی شیبة متفق علی ضعفه اه فتح القدیر تراویح ص ۲۰۵ مردود بوجوه۔

وجہ اول یہ ہے کہ اسی حدیث پر امام اعظم ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے استدلال کیا ہے حضرت ابراھیم بن عثمان ابی شیبہ سے قبل اور وہی وقت میں سند یقینا صحیح تھا اس لئے کہ یہ راوی ضعیف چہارم درجہ میں ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوم درجہ کی ہے بنابر قول معتمد تابعیت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سوم درجہ کی ہے بنابر قول ضعیف تبع تابعی ہونے کے۔ بہر تقدیر استدلال امام اعظم پر کوئی شائبہ اعتراض بھی نہیں ہے۔ وجہ دوم یہ ہے کہ اسی حدیث پر امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو حنیفہ نے استدلال کیا ہے تو یہ حدیث صحیح ہو گئی۔

ان المجتهد اذا استدلال بحدیث کان تصحیحا له کما فی التحریر وغیره اه شامی فصل مایدخل فی البیع تبعا ومالا یدخل ص ۳۷، ج ۴۔

وجہ سوم یہ ہے کہ خلفاء راشدین ثلثہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب نے اسی حدیث پر استدلال کیا ہے اور وہی حضرات مجتہد تھے دیکھو ثم الراوی فی الاصل قسمان معروف بالعلم والاجتھاد کالخلفاء الاربعة اصول الشاشی بحث السنة ص ٧٦ تو بنا بر قاعدہ منقولہ تحریر وشامی یہ حدیث صحیح ہوگئی تو اعتراض وارد نہ ہوا۔ وجہ چہارم یہ ہے کہ یہ حدیث مؤید ہوئی ہے چوبیس احادیث صحیحہ مذکورہ سے تو ضعف جاتا رہا۔

والوجه الخامس واما تضعيف الحديث بمن ذكر فقد يقال انه اعتضد بما مر من نقل الاجماع على سنيتها من غير تفصيل منحة الخالق ص ٦٦، ج ٢ وقد نقلت اجماع الصحابة والتابعين ومن بعدهم من عشرة كتب۔

والوجه السادس انه قد مر فی البحث الثالث اجماع الائمة الاربعة علی بطلان قول الروافض وابن الهمام والوهابية والوجه السابع قولهم روى اسد بن عمرو عن ابی یوسف قال سألت ابا حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن التراویح وعما فعله عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فقال التراویح سنة مؤکدة ولم یخترعه عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه من تلقاء نفسه ولم یکن فیه مبتدعا ولم یامر به الا عن اصل لدیه وعهد من رسول اللہ علیه الصلوۃ والسلام المراقی وللطحطاوی ص ٢٤٦ والبحر ص ٦٦ والاختیار ثم الشامی ص ٤٧ ومنحة الخالق ص ٦٦ ج ٢ ثم قال فتأمل منصفا اه قد مر فی البحث الثالث۔

والوجه الثامن قول پستر بعد از مطمئن گشتن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه از فرضیت آن بسبب انقطاع وحی در خلافت خود در سنه ١٤ ھ بطوریکه مرضی مبارک مصطفوی یافته ودانسته بود آنرا ترویج داد یعنی در مسجد باجماعت حکم کرد وهمین اجتماع را نعمت البدعة هذه گفت نه که توالی قیام رمضان ویا تعداد رکعات آنرا که بیست بود صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنه درین نماز بسه وجه تصرف کرده اند برای تیسیر اول اجتماع در مساجد وبهمین معنی نعمت البدعة هذه که حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فرموده ونور اللہ قبر عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه کما نور مساجدنا که حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنه فرموده شاه ولی اللہ ثم سیف المقلدین ص ٣٤١

والوجه التاسع ویجوز العمل بالضعیف فی فضائل الاعمال اه کبیری ص ٦٠ وفتح القدیر ص ٢٩٧ ومظاهر الحق قیام شهر رمضان ص ٤٠٠، ج ١

الاجوبة عن الایراد بمخالفة حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه عن حدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنه

(٢) قول ابن الهمام مع مخالفة للصحیح اه فتح القدیر ص ٢٠٥ اقول معناه ان حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه مخالف للصحیح عن ابی سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنه عن عبد الرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنه انه سئل عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها کیف کانت صلوۃ رسول اللہ ﷺ فی رمضان قالت ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان ولا غیره علی احدی عشرة رکعة فلا تسئل عن حسنهن الی قوله فقالت عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنه فقلت یا رسول اللہ ﷺ اتنام قبل ان توتر فقال یا عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنه ان عینی تنامان ولا ینام قلبی رواه البخاری ومسلم والنسائی والترمذی ونصب الرایه وغیرها قلنا مردود بوجوه۔

وجہ اول یہ ہے کہ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مراد تہجد ہے اس لئے کہ آٹھ رکعات پر لفظ تراویح صادق نہیں ہو سکتا ہے دیکھو:

التراويح صيغة منتهى الجموع لترويحة والترويحة اربع ركعات وقال الجمع ثلثة فظهر ان اطلاق لفظ التراويح على اقل من اثنى عشر كالثمانية فى حديث عائشةرضى الله تعالىٰ عنها غلط فاحش كما هو الظاهر واما اطلاق لفظ التراويح على العشرين فصحيح بلاشک عنايه ص ۳۳۳، ج ۱

والوجه الثانى ان قوله وهى عشرين هو قول الجمهور وعليه عمل الناس شرقا وغربا وعن مالک رضى الله تعالىٰ عنه ست وثلثون ركعة فظهر به بطلان قول الفتح المنقول بقوله كون المسنون منها ثمانية والباقى مستحب وتمامه فى البحر وذكرت جوابه فيما علقته عليه اه شامى ص ۴۷۴ والبحر ۶۶، ج ۲

والوجه الثالث ان حديث عائشة رضى الله تعالىٰ عنه هذا لو فرض الحال كخرط القتاد ان المراد منه التراويح ثمانية ركعات كما قال ابن الهمام والوهابية فاقول ان هذا الحديث بهذا المعنى مردود بدليل قول علماء اصول الفقه۔

(۱) وباعتبار اختلاف حال الروات قلنا شرط العمل بالخبر الواحد ان لا يكون مخالفا للكتاب والسنة المشهورة وان لا يكون مخالفا للظاهر (الى قوله) وباعتبار هذا المنعى قلنا اذا خرج خبر الواحد مخالفا للظاهر لا يعمل به كما اذا عمل الصحابة بخلاف موجب الحديث (الى قوله) فان الظاهر فى هذه الصور انه لو كان هذا الخبر صحيحا لما خفى عليهم اه الشاشى والفصول سنة ص ۳۸۷ والحسامى والمولوى ص ۳۷۰ والمنار والنور ص ۱۹۰

والوجه الرابع قولهم او اعرض عنه الائمة من الصدر الاول (كعمر رضى الله تعالىٰ عنه وعثمان رضى الله تعالىٰ عنه وعلى رضى الله تعالىٰ عنه فى عدد ركعات التراويح كان موجودا المنار ونور الانوار سنة ص ۱۹۰ لان الصحابة عملوا بعشرين ركعة كما مر فى الاحاديث فى البحث الثانى وتركوا ثمانية ركعات مذكورة فى حديث عائشةرضى الله تعالىٰ عنها على زعمهم بالتوارث والاستمرار والمواظبة كما مرت الاحاديث۔

والوجه الخامس قوله قلت واما مخالفته مع الصحيح فقد يجاب عنه بان ما فى الصحيح مبنى على ما هو الغالب من احواله (اى التهجد) وهذا (اى التراويح عشرين ركعة) كان ليلتين (بالجماعة فى المسجد) فقط ثم تركه ﷺ فلذا لم تذكره عائشة اه منحة الخالق تراويح ص ۶ واشار الى هذا الجواب فى رد المحتار ص ۴۷۴، ج ۱ اس سے ظاہر ہو گیا کہ دار و مدار غالب حال پر ہے تو غالب حال تہجد اور وتر میں کرنا تھا اور تراویح بیس رکعت باجماعت مسجد میں نہ کرنا تھا لہٰذا تہجد و وتر کو بیان کیا اور تراویح کا بیان نہ کیا ہے۔

والوجه السادس حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے:

ابو حنيفة رضى الله تعالىٰ عنه عن ابى جعفر ان صلوة النبى ﷺ (التهجد والوتر) بالليل كانت ثلث عشرة ركعة ثلث ركعات الوتر وركعتا الفجر الخ مسند الامام الاعظم ابيحنيفة رضى الله تعالىٰ عنه مع شرح القارى ص ۱۰۷

تو ظاہر ہو گیا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مفہوم بیان کیا کہ تہجد ہے نہ تراویح اس لئے کہ صلوۃ اللیل تعبیر تہجد سے ہے تو کوئی مخالفت نہیں۔

الوجہ السابع قولہ اما این امر کہ این نماز تہجد بود یا غیر آن پس مقدار رشں منجر از ان است کہ این نماز مغائر تہجد نبودہ چنانچہ از قول حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا معلوم میشود ما کان یزید الخ مجموعۃ الفتاوی مولانا عبد الحق ص ۲۹۸، ج ا

تو مخالفت ہر گز نہیں ہے۔

وجہ ثامن یہ ہے کہ:

حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محمول بر نماز تہجد است کہ در رمضان و غیر رمضان یکسان بود و غالباً بعد دیازدہ مع الوتر میر سید مجموعۃ الفتاوی ص ۵۸، ج ۳ و شاہ عبد العزیز الدھلوی ثم سیف المقلدین ص ۳۳۹

والوجہ التاسع قولہ وآنچہ در حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بروایت ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آمدہ مراد ازان نماز تہجد است پس استدلال معترض برہشت رکعت تراویح ازان سراسر غلط فہمی وی است زیرا کہ این تعداد رکعات نماز تہجد است نہ کہ تعداد رکعات تراویح واین ہر دو نماز جداگانہ اند اہ سیف المقلدین ص ۳۳۹

والوجہ العاشر این قول است (ا) باید دانست کہ نماز تہجد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باسہ رکعات وتر از ہفت رکعت کم نبود واز یازدہ زیادہ نی چنانچہ از حدیث صاف ہویدا است اہ سیف المقلدین ص ۳۳۸

والوجہ الحادی عشر این است کہ این الفاظ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما کان رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام یزید فی رمضان ولا فی غیرہ الخ صریح دلیل است برئیکہ مراد حدیث ہذا نماز تہجد است و نماز تراویح چیزی دیگر است کہ مخصوص بشبہائی رمضان است و نماز تہجد چیزی دیگر است کہ عام است شامل بجملہ شبہائی سال تمام بدلیل حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ در ان عموم است اہ سیف المقلدین ص ۳۳۹

والوجہ الثانی عشر قولھم چنانچہ از قول عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ معلوم میشود ماکان رسول اللہ علیہ الصلوۃ والسلام یزید فی رمضان ولافی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ مجموعۃ الفتاوی مولانا عبدالحی ص۲۹۸، ج ا

والوجہ الثالث والعشر قولھم حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا محمول بر نماز تہجد است ودلیل برین حمل آنست کہ راوی این حدیث ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ در تتمہ این حدیث می گوید قالت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت یارسول اللہ اتنام قبل ان توتر قال یاعائشہ ان عینی تنامان ولا ینام قلبی رواہ البخاری والمسلم اہ مجموعۃ الفتاوی ص۵۸ ج۳ (۲) وظاہر است کہ نوم قبل وتر در نماز تہجد متصور ست نہ در تراویح اہ سیف المقلدین ص۳۳۹۔

والوجہ الرابع والعشر قولھم وروایات عشرین محمول بر تراویح است کہ در عرف وقت بقیام رمضان مسمیٰ بود کہ خود حضرت ﷺ در حق آن فرمودہ من قام ایمانا واحتسابا الخ ولھذا در کتب حدیث بقیام رمضان جداگانہ است از باب قیام اللیل سیف المقلدین ص۳۴۰

والوجہ الخامس عشر قولھم ودر احادیث بقیام رمضان تعبیر ازان آمدہ اہ سیف المقلدین ص۳۴۰ باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح الی قولہ والمراد بقیام رمضان صلوۃ التراویح الخ نووی مسلم ص۲۵۹

والوجہ السادس عشر قولھم ان الحکمۃ فی کون التراویح عشرین رکعۃ ان السنن شرعت مکملات للواجبات وھی عشرون رکعۃ بالوتر فکانت التراویح کذلک لتقع المساوات بین المکمِل والمکمَل ذکرہ الحلیمی ثم البحر ص ٦٦ ، ج ا والدر المختار والشامی ص ۴۷۲ ، ج ا (۲) وفی النھر ولا یخفی ان الرواتب وان کملت ایضا الا ان ھذا الشھر لمزید کمالہ زید فیہ ھذا المکمل فتکمل اہ شامی ص ۴۷۴ فلا مخالفۃ بین الحدیثین۔

والوجہ السابع عشر ان نفی الزیادہ مطلقا غیر صحیح لما روی ابو داؤد عن الاسود بن یزید انہ دخل علی عائشۃ رضی اللہ عنہا فسئلھا عن صلوۃ رسول اللہ ﷺ باللیل (التھجد) فقالت کان یصلی ثلث عشرۃ الخ

والوجہ الثامن عشر ان لہ ﷺ اوقات مختلفۃ وقت سفر وبیوت الاقارب، والامۃ ومسجدہ وبیوتہ التسعۃ فلعلہ صلی عشرین فی غیر بیت عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فنفیھا لعدم علمھا فلا تکون حجۃ۔

(۳) وقول ابن الھمام نعم ثبتت العشرون من زمن عمر فی الموطا عن یزید بن رومان قال کان الناس یقومون فی زمن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن الخطاب بثلث وعشرین رکعۃ اہ اقرار منہ بلا شعورہ علی بطلان مزعومہ سنیۃ ثمانیۃ رکعات التراویح واستحباب باقیھا لقول ابن الھمام نفسہ فی ذلک الکتاب فتح القدیر جمعہ ص ۲۶۴

والحاصل ان قول الصحابی حجة یجب علینا تقلیده عندنا مالم ینفه شیء اٰخر من السنة اه اقول ان هذا الحدیث لامنافی له واما مزعوم ابن الهمام حدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها فلیس بمناف ولا مخالف له بسبعة عشر وجها کما مرت انفا۔ والوجه الثانی انه قاصر فی الحوالة علی الموطأ فقط لانا نقلناه عن البیهقی فی السنن الکبری ثم سیف المقلدین ص ۳۴۴ ونصب الرایه رمضان ص ۳۹۴ ج ۱ وحاشیة البخاری ص ۱۵۴ ج ۴ وقال النووی فی الخلاصة اسناده صحیح اه ثم فتح القدیر ص ۲۰۵ وارشاد الساری ثم تحفة الاخیار ص ۲۹۲ وقد ثبتت مواظبة الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه بقوله کان الناس یقومون الخ لان المضارع للاستمرار والدوام علی مامر فی الحدیث الاول من البحث الاول من شرح الجامی ومختصر المعانی وفتح القدیر نفسه والکبیری والشامی وقد مر الجواب عن الایراد بعدم ادراک یزید بن رومان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فراجعه۔

(۴) قول ابن الهمام وروی البیهقی فی المعرفة عن سائب بن زید قال کنا نقوم فی زمان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر قال النووی فی الخلاصة اسناده صحیح اه فتح القدیر ص ۲۰۵ اقرار منه بمثل مامر انفا وقاصر فی الحوالة علی البیهقی والنووی لانا نقلناه ممن سواهما من مالک وفتح الباری والقاری والسبکی ونصب الرایه وعینی للبخاری وابن عبدالبر والزیلعی کما مر فی اول البحث الثانی وثبتت مواظبة الصحابة والتابعین بقوله کنا نقوم الخ باستمرار المضارع مع لفظ کان کما مر۔

(۵) قول ابن الهمام وفی الموطا بروایة باحدی عشرة الخ فتح القدیر ص ۲۰۵ ج ۱ مردود بوجوه:

الوجه الاول ان هذه الروایة متروکة ترکه الراوی الامام مالک لانه عمل بخلافه لانه عمل باحدی واربعین او غیره کما مر فی الوجه السابع والاربعین فبیان المذاهب الاربعة فصار هذا الحدیث متروکا علی اصول الحدیث۔

(۱) او عمل الراوی بخلافه بعد الروایة مماهو خلاف بیقین سقط العمل به الخ منار و نور الانوار سنة ص ۱۹۴

والوجه الثانی ان هذا الحدیث غیر مقبول لانه اعرض عنه الخلفاء وبقیة الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه لعملهم بعشرین رکعة مع المواظبة کما مر فی البحث الثانی وقالوا (۱) او اعرض عنه الائمة من الصدر الاول (صدر الصحابة) کان مردودا اه نور الانوار وقمر الاقمار ص ۱۹۱ کما مر مفصلا فی الوجه الرابع فی اجوبة القول الثانی لابن الهمام۔

الوجه الثالث ان قوله وجمع بانه وقع اولا ثم استقر الامر علی العشرین فانه متوارث اه فتح القدیر اقرار منه بلا شعور علی ان الخلفاء وبقیة الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنه ردوا هذا الحدیث بسبب حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه المذکور فی اول البحث الاول کما افاده ابو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنه بروایة ابی یوسف فی البحث الثالث من ستة کتب مشی ولی اللہ الدهلوی رضی اللہ تعالیٰ عنه ثم سیف المقلدین ص ۳۴۱ کما مر فی الاجوبة ضعف حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه۔

والوجه الرابع انهم (۱) وان لم یظهر من السلف الا الرد کان مستنکرا فلا یقبل اه منار و سنة ص ۱۸۵

(۵) قول ابن الھمام فتحصل من ھذا کلہ ان قیام رمضان سنة احدی عشرة بالوتر جماعة فعلہ علیہ الصلوة والسلام اہ فتح القدیر مردود بسبعة عشر وجھا المذکورة فی تردید القول الثانی۔

والوجہ الثامن عشر ان القول السادس غلط فاحش لان قیام رمضان عشرین ثابت من رسول اللہ ﷺ فی حدیث ابن عباس بلفظ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة الخ کما مر فی الحدیث الاول ولا شک ان المضارع (یصلی) للدوام والاستمرار کما مر من شرح الجامی ومختصر المعانی وفتح القدیر والکبیری والشامی فثبتت مواظبة ﷺ الفعلیة الحقیقیة علی العشرین فبطل قول الثمانیة۔

والوجہ التاسع عشر: قولھم ونماز تراویح را در عرف آنوقت قیام رمضان میگفتند ودر صحاح ستہ بروایات صحابہ مرفوعہ الی النبی ﷺ تعیین عدد قیام رمضان مصرح نشدہ الی قولہ لیکن در مصنف ابن ابی شیبہ وسنن بیہقی وطبرانی بروایت ابن عباس وارد شدہ کان رسول اللہ ﷺ یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر وروی البیھقی فی سننہ باسناد صحیح عن السائب ابن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعة مجموعة الفتاویٰ مولانا عبد الحی (جلد ۳، ص۔ ۵۹)۔

والوجہ العشرون قولھم وابن حجر المکی الھیتمی در شرح مشکوة مینویسد قول ائمتنا انہ ﷺ یصلی بالناس عشرین رکعة لعلہ اخذہ مما فی مصنف ابن ابی شیبة انہ کان یصلی عشرین رکعة ومما رواہ البیھقی انہ صلی بھم عشرین رکعة بعشر تسلیمات (اعتراض ومخالفة) لکن الروایتان ضعیفتان وفی صحیحی خزیمة وابن حبان انہ صلی بھم ثمان رکعة والوتر (ثم اجاب من الاعتراض۔ ورد علی المخالف) لکن اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة اہ مجموعة الفتاویٰ مولانا عبد الحی ص ۲۹۷ فبطل قول ابن الھمام۔

والوجہ الحادی والعشرون قول الامام اعظم ابی حنیفة علیہ الرحمة وذکر فی الاختیار ان ابا یوسف سئل اباحنیفة علیہ الرحمة عنھا وعما فعلہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فقال التراویح سنة مؤکدة لم یخترعہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ من تلقاء نفسہ ولم یامر بہ الا عن اصل لدیہ وعھد من رسول اللہ ﷺ اہ شامی ج ۱ ص ۴۷۲۔

والوجہ الثانی والعشرون وقال الصدر الشھید فی نسختہ من التراویح اعلم بان المشائخ اختلفوا فی کون التراویح سنة وانقطع الخلاف بروایة الحسن عن ابیحنیفة انھا سنة اہ ثم خلاصة ص۔ ۶۵ وزیلعی ج ۱ ص۔ ۱۷۸ وکبیری ص۔ ۴۴۹ وھندیہ ج ۱ ص۔ ۱۱۶ وابو المکارم ج ۱ ص۔ ۷۹ وشامی ص۔ ۴۷۲ فقول ابن الھمام مردود فی خلاف قول الامام الاعظم ابیحنیفة وباطل۔

والوجہ الثالث والعشرون ان تفسیر لیلتین او ثلاث فی رمضان ثم ترکہ لعذر بحدیث عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا احدی عشرة رکعة تفسیر بما لا یرضی بہ قائلہ لان المواظبة الفعلیة الحقیقیة منفیة بلفظ ترکھا الخ فی الاول وتلک المواظبة الفعلیة الحقیقیة مثبتة فی احدی عشرة رکعة فی حدیث عائشة فی رمضان وغیرہ فبطل ما زعمہ ابن الھمام

(٦) قول ابن الهمام ثم ترکه لعذر۔ افادانه لو لا خشية ذلک لو اظبة بکم اه فتح القدير صـ۵ ۲۰ اقرار منه بسنية عشرين رکعة لاقراره بان ترک عشرين رکعة فی المسجد بالجماعة کان لعذر فثبتت المواظبة الحکمية التی هی ايضا کافية لتحقق السنية فبطل ما زعمه ابن الهمام۔

(۷) قول ابن الهمام و لا شک فی تحقق الامن من ذلک بوفاته ﷺ فتکون سنة اه فتح القدير صـ۵ ۲۰ اقرار منه بلاشعوره بان السنة عشرون رکعة بالمواظبة الحکمية و اما ظنه بکون الثمانية تراويح فهو قول مزخرف صدر من ابن الهمام و اتباعه سهوا او غفلة لانه تهجد کما مر ثبوته بسبعة عشر وجها فی رد القول الثانی۔

(۸) قول ابن الهمام و کونها عشرين سنة الخلفاء الراشدين اه فتح القدير صـ۵ ۲۰ مردود بوجوه:

الوجه الاول ان کونها عشرين رکعة سنة رسول الله ﷺ کما مر الثبوت بخمسة عشر وجها فی البحث الاول۔ و الوجه الثانی انها کما هی سنة الخلفاء الراشدين علی زعمه کذلک هی سنة رسول الله ﷺ بقوله (المقدم علی الفعل بالقواعد) سننت لکم قيامه الخ کما مر نقله من اربعة عشر کتابا فی البحث الاول و بالمواظبة الحکمية و المواظبة الفعليه الحقيقية کما مرت فی بحث الاول۔ و الوجه الثالث ان علی فرض کون العشرين سنة الخلفاء الراشدين فهی ايضا سنة رسوله ﷺ لان سنية اتباعهم بحکم رسوله ﷺ حيث قال عليکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدی و عضوا عليها بالنواجذ اه کما مر نقله من اثنی عشر کتابا فی البحث الاول ۔ و الوجه الرابع ان فرض کونها سنة الخلفاء الراشدين بالاستقلال فهی ايضا من افراد السنة ولهذا ذکر رسول الله ﷺ حکم الفردين بلفظ واحد و هو عليکم اه و عبر من الفردين بلفظ واحد و هو السنة اه فی قوله عليکم بسنتی و سنة الخلفاء الخ و ايّد اللزوم الذی هو معنی عليکم بقوله عضوا الخ۔

(۹) قول ابن الهمام و قوله عليه السلام عليکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدين ندب الی سنتهم اه فتح القدير صـ۵ ۲۰ مردود بوجوه۔ الوجه الاول ان قول ندب اه بمعنی المستحب کما زعم مخالف لقوله عليه السلام و سنة الخلفاء اه۔ و الوجه الثانی انه مخالف لقوله عليه السلام عليکم الخ بمعنی الزموا کما مر فی البحث الرابع هذا المعنی من کتب النحو و الحديقة و الترغيب و الترهيب و غيرهما فبطل القول بالندب و الاستحباب۔ و الوجه الثالث انه مخالف لقوله عليه السلام و عضوا عليها بالنواجذ اه کما مر

(۱۰) قول ابن الهمام و لا يستلزم کون ذلک سنة اذ سنته بمواظبة بنفسه الا بعذر اه فتح القدير صـ۵ ۲۰ مردود بوجوه: الوجه الاول ان سنة الخلفاء يستلزم ان يکون سنة رسول الله ﷺ و الدليل عدد رکعات التراويح عشرين لان العدد لا دخل للاجتهاد فيه حمله علی السماع من رسول الله ﷺ۔ و الوجه الثانی ان سنة الخلفاء سنته عليه الصلوة و السلام لامره باتباع الخلفاء کما مر فی الوجه الثالث من القول التاسع۔ و الوجه الثالث قول الامام الاعظم ابی حنيفة کما مر من الاختيار و الشامی صـ۲ ۴۷۔ و الوجه الرابع ان قوله اذ سنته بمواظبته بنفسه الا بعذر اه اقرار منه بلاشعوره بمقصود اهل السنة و الجماعة و هو سنية عشرين رکعات التراويح له عليه السلام بسبب الاستثناء بقوله الا بعذر اه۔ و الوجه الخامس ان القول السابع و هذا الاستثناء اقرار منه بان المواظبة الحکمية کافية لاثبات سنية التراويح کما قال

فی التعلیق الممجد صـ ۱۲۱ فبطل مزعوم ابن الھمام۔ والوجہ السادس ان علی فرض کون التراویح عشرین رکعۃ سنۃ الخلفاء بالاستقلال فلابدلھا من مواظبۃ الخلفاء وقدمرت مواظبتھم من تسعۃ کتب فی أخر البحث الاول۔

(۱۱) قول ابن الھمام: وبتقدیر عدم ذلک العزر انما استفدناہ انہ کان یواظب علی ما وقع منہ وھو ما ذکرناہ لہ فتح القدیر صـ ۲۰۵ مردود بوجہ وھو ان ماذکرہ (ھو ثمان رکعات) ھو التھجد المثبت بسبعۃ عشر وجھا کما مرت فی اجوبۃ القول الثانی والصحیح الواقع منہ علیہ الصلوۃ والسلام بالدوام والاستمرار ھی عشرون رکعۃ علی ما فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلفظ یصلی الخ المضارع للاستمرار کما فی شرح الجامی ومختصر المعانی وفتح القدیر والکبیری والشامی۔

(۱۲) قول ابن الھمام فیکون العشرون مستحبا وذلک القدر منھا سنۃ مردود بخمسۃ واربعین وجھا علی ما مرت فی البحث الاول والثانی والثالث۔

والوجہ السادس والاربعون ان فی ھذین الجملتین تناقض لان صریح مفھوم الجملۃ الاولی ان ثمانی رکعات مستحبۃ کما ان اثناعشرۃ رکعۃ مستحب ولا شک ان معنی الجملۃ الثانیۃ ان الثمانیۃ سنۃ مؤکدۃ فحاصل التناقض ان الثمانیۃ لیست بسنۃ وانھا سنۃ۔

والوجہ السابع والاربعون ان فی قول ابن الھمام کالاربع بعد العشأ مستحبۃ والرکعتان منھا ھی سنۃ اہ تناقض بنحو ما مر أنفا۔ ولا شک ان کلام المتناقض باطل مردود غیر مقبول کما فصلتھا فی بحث التناقض من کتابی المسمی بالمعارف فراجعہ۔

(۱۳) ظاھر کلام المشائخ ان السنۃ عشرون اہ مردود بوجوہ: الوجہ الاول ان تخصیص سنیۃ العشرون بالمشائخ غلط لانھا سنۃ رسول اللہ ﷺ کما مر ثبوتہ بخمسۃ عشر دلیلا فی البحث الاول فبطل زعم تخصیص المشائخ۔ والوجہ الثانی: انھا سنۃ الخلفاء الراشدین کما مر ثبوتھا فی البحث الثانی بالواحد والعشرین دلیلا فبطل زعم تخصیص السنیۃ بالمشائخ۔ والوجہ الثالث: انھا سنۃ مؤکدۃ باجماع الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم کما مر ثبوتہ فی البحث الثالث فبطل ما زعم۔ الوجہ الرابع: انھا سنۃ علی المذاھب الاربعۃ کما مر ثبوتہ فی البحث الثالث۔ والوجہ الخامس: ان العشرین سنۃ علی مذھب الامام الاعظم ابیحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما مر ثبوتہ فی البحث الثالث فبطل زعم تخصیص المشائخ۔

والوجہ السادس: ان جعلہ کلام المشائخ مقابل الدلیل کلام مزخرف لانہ لا شک ان ھذہ المشائخ نقلوا سنۃ رسولہ ﷺ وسنۃ الخلفاء الراشدین وسنۃ اجماع الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم وسنۃ المذاھب الاربعۃ۔

(۱۴) قول ابن الھمام ومقتضی الدلیل ما قلنا اہ مردود بسبعۃ عشر دلیلا کما مر بیانھا فی تردید القول الثانی ولا شک ان مرادہ بالیل حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا وھو دلیل التھجد دون التراویح فظھر انہ غلط فاحش۔

(۱۵) قول ابن الھمام فالاولی حـ ما ھو عبارۃ القدوری من قولہ یستحب لا ماذکرہ المصنف فیہ فتح القدیر صـ ۲۰۵ مردود بازید من اربعین وجھا کما مر بیانھا فی البحث الاول والثانی والثالث۔

والوجہ السادس والاربعون: قول ابن نجیم المصری ولا ینافیہ (ای السنیۃ) قول القدوری انہا مستحبۃ کما فہمہ من الہدایۃ عنہ لانہ انما قال یستحب ان یجتمع الناس اھ وھو یدل علی ان الاجتماع مستحب ولیس فیہ دلالۃ علی ان التراویح مستحبۃ کذا فی العنایۃ اھ بحر ج ۲ ص۔ ۶۶ وشامی ص۔ ۴۷۲ فبطل ما زعم ابن الہمام۔

والوجہ السابع والاربعون: ان فعلہ ﷺ والاستمرار الدائم المذکور فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی البحث الاول یرد زعم ابن الہمام کما قال ابن نجیم المصری وقد سنہا رسول اللہ ﷺ وندبنا الیہا واقامہا فی بعض اللیالی ثم ترکہا خشیۃ ان تکتب علی امتہ کما ثبت ذلک فی الصحیحین وغیرہما اھ بحر ص۔ ۶۶

والوجہ الثامن والاربعون: انہ علیہ الصلوۃ والسلام واظب مواظبۃ حکمیۃ کما اقر بہ ابن الہمام بقولہ (۱) فعلہ علیہ الصلوۃ والسلام ثم ترکہ لعذر افاد انہ لولا خشیۃ ذلک لواظبت لکم اھ فتح القدیر ص۔ ۲۰۵ وقد مر من التعلیق الممجد ص۔ ۱۴۱ ولاشک ان مدار السنیۃ المؤکدۃ علی المواظبۃ مطلقا اھ فبطل قول ابن الہمام۔

والوجہ التاسع والاربعون: ان سنیۃ العشرین مؤکدۃ تکفی لہ مواظبۃ الخلفاء الراشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما قال ابن نجیم المصری بقولہ ثم وقعت المواظبۃ علیہا فی خلافۃ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ووافقہ علی ذلک تمام الصحابۃ کما روی ذلک فی السنن ثم مازال الناس من ذلک الصدر الی یومنا علی اقامتہا بلا نکیر اھ بحر ص۔ ۶۶

والوجہ الخمسون ان التراویح بعشرین رکعۃ سنۃ مؤکدۃ کقولہم (۱) کیف لا وقد ثبت منہ ﷺ علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الحدیث۔ رواہ ابو داؤد اھ ثم بحر ص۔ ۶۶ فبطل قول الاستحباب۔

والوجہ الحادی والخمسون ان التراویح العشرین رکعۃ سنۃ مؤکدۃ باجماع الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والتابعین ومن بعدہم کما مر من عشرۃ کتب فبطل قول الاستحباب والوجہ الثانی والخمسون ان التراویح العشرین رکعۃ مذہب الامام الاعظم ابیحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما مر من اربعۃ وثلثین کتابا فبطل قول ابن الہمام بالاستاحباب۔

والوجہ الثالث والخمسون ان التراویح العشرین رکعۃ مذہب الامام الاعظم ابیحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کما مر من اربعۃ وثلثین کتابا فبطل قول ابن الہمام بالاستحباب۔ والوجہ الثالث والخمسون ان قولہ الاستحباب مخالف لاجماع المذاہب الاربعۃ۔ والوجہ الرابع الخمسون ان صاحب القدوری سکت عن بیان صفۃ التراویح (کونہا سنۃ) استقلالا وذکر لفظ الاستحباب فالظاہر انسحابہ (شمولہ) علی مجموعہ الصلوۃ والاجتماع والتسلیم بین کل ترویحۃ (کل اربع رکعات) والجلوس (ای بین الترویحتین) اھ سعدی چلپی تراویح ج ۱ ص۔ ۳۳۳ فبطل قول ابن الہمام۔

البحث الخامس فی اجوبۃ اقوال الروافض

واما ما قال رئیس الروافض المحلی فی کتابہ المسمی بمنہاج الکرامۃ وھو احق بان یسمی بمنہاج الضلالۃ فی المعائب الفاروقیۃ الثالث عشر انہ ابتدع التراویح مع انہ قال علیہ الصلوۃ والسلام ایہا الناس ان الصلوۃ باللیل فی شہر رمضان من النافلۃ جماعۃ بدعۃ وصلوۃ الضحی بدعۃ الا فلا تجتمعوا لیلا فی رمضان ولا تصلوا صلوۃ الضحی

فان قلیل فی سنة خیر من کثیر من بدعة۔ الا ان کل بدعة ضلاله و ان کل ضلالة سبیلها الی النار۔ و خرج عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لیلا فی رمضان فرأ المصابیح فی المساجد فقال ما ھذا قالوا ان الناس قد اجتمعوا الصلوة التطوع فقال بدعة و نعمت فاعترف بانھا بدعة انتھی۔

مردود بوجوہ:

الوجہ الاول ان قولہ انہ (ای عمر ص) ابتدع التراویح اہ اقرار بجھلہ المرکب لان التراویح لا یصدق علیھا تعریف البدعة الشرعیة (وھی مالم یوجد فی القرون المشھود لھا بالخیر ولم یوجد لہ اصل من الاصول الشرعیة کما فی شرح السید للمشکوة والھدی السادی لابن حجر وفتح الباری لہ وشرح الاربعین لابن حجر المکی) لثبوت فعلھا عنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الصحیحین وغیرھما لیلتین او ثلثا ثم ترکہ لعذر شرعی۔

و الوجہ الثانی ان ھذا التعریف لا یصدق علیھا لثبوت فعلھا علیہ الصلوة و السلام عشرین رکعة فی حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی اول البحث الاول و الوجہ الثالث ان ھذا التعریف یا یصدق علیھا لثبوتھا بقولہ علیہ الصلوة و السلام وسننت لکم قیامہ الخ کما مر فی الوجہ الثامن من البحث الاول و الوجہ الرابع انہ لا یصدق علیھا لثبوتھا من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ و التابعین بالاحادیث الصحیحة الکثیرة کما مرت فی البحث الثانی و الوجہ الخامس انہ لا یصدق علیھا لثبوتھا باجماع الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ و التابعین ومن بعدھم کما مر فی البحث الثالث فبطل قول الرافضی المحلی و الوجہ السادس ان قولہ مع ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الخ کذب و افتراء علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فلیتبوأ مقعدہ من النار لان التراویح لو کانت بدعة منھیا عنھا لابطلھا امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی خلافتہ و قد مر ثبوتھا منہ فی البحث الثانی و الوجہ السابع انھا لو کانت بدعة منھیا عنھا لابطلھا امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی خلافتہ و قد مر ثبوتھا منہ بخمسة احادیث فی البحث الثانی و الوجہ الثامن انھا لو کانت بدعة منھیا عنھا لابطلھا بقیة الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہ و قد مر ثبوتھا منھم بعشرین احادیث فی البحث الثانی ولم ینعقد اجماعھم علی فعلھا کما مر فی البحث الثالث۔

و الوجہ التاسع ان جمیع اھل العلم بالحدیث یعلمون علما قطعیا ان ھذا کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لانہ لم یروہ احد فی کتاب من کتب الاحادیث و لا فی غیرھا و لا سند لہ اصلا و لا یقبل روایة الفرق الضالة سیما الروافض فیما یؤیّد عقیدتھم التی ھی ھنا اتھام امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و الوجہ العاشر ان استدلالہ بقولہ الا ان کل بدعة ضلالة اہ من قبیل وضع الکلام الصحیح فی غیر محلہ لانھا بدعة لغویة عامة مخصوصة البعض اذ المراد منھا البدعة السیئة کما صرح بہ عز الدین بن عبد السلام فی کتاب القواعد و النووی فی تھذیب الاسماء و اللغات و علی القاری فی المرقات و ابن ملک فی شرح مشارق الانوار و السیوطی فی رسالتہ حسن المقصد فی عمل المولد و رسالتہ المصابیح فی صلوة التراویح و القسطلانی فی شرح البخاری و الزرقانی فی شرح الموطأ و الحافظ ابو شامہ فی کتابہ الباعث فی انکار البدع و الحوادث و البدعة السیئة ما احدث مما خالف کتابا او سنة او اثر او اجماعا فھذہ البدعة ھی السیئة الضلالة رواہ ابو نعیم فی حلیة الاولیاء عن الامام الشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ و قد مر ثبوت حسن التراویح

باربعین دلیلا فی البحث الاول والثانی والثالث فبطل ظن المحلی والوجہ الحادی عشر ان استدلالہ المذکور أنفا غلط فاحش لان حدیث کل بدعۃ ضلالۃ باقٍ علی عمومہ اذ المراد البدعۃ الشرعیۃ وقد مر تعریفھا فی الوجہ الاول ھنا کما صرح السید فی شرح المشکوۃ وابن حجر فی شرح مقدمۃ البخاری وفتح الباری وابن حجر المکی فی شرح الاربعین ولا یصدق ھذا التعریف علی التراویح بوجوہ خمسۃ مذکورۃ اولا فی تردید الرافضی المحلی فلا ضلالۃ اصلا والوجہ الثانی عشر ان استدلالہ بقول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خرج عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الی قولہ فقال بدعۃ ونعمت فاعترف بانھا بدعۃ الخ غلط فاحش لان المراد البدعۃ اللغویۃ التی ھی احداث شیء علی غیر مثال سابق ولھا خمسۃ اقسام واجبۃ ومندوبۃ ای الشاملۃ للسنۃ ومباحۃ ومکروھۃ ومحرمۃ ولا شک ان المراد البدعۃ اللغویۃ الحسنۃ بقرینۃ قول عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعمت اہ لانھا کلمۃ تجمع المحاسن ولا شک ان المراد بالحدث اللغوی الحسن ھنا ھیئۃ مرکبۃ من امور امر عمر واھتمامہ باجتماع الناس علی امام واحد فی المسجد بجماعۃ التراویح عشرین رکعۃ مع السرج والمصابیح ھذہ الامور ملتقطۃ من ھذا الحدیث والعبارت الاٰتیۃ۔

(۱) عن عبدالرحمن بن عبد القاری قال خرجت مع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی رمضان الی المسجد فاذا الناس اوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسہ ویصلی الرجل فیصلی بصلوتہ الرھط فقال عمر واللہ انی لارانی لو جمعت ھؤلاء علی قار واحد لکان امثل فجمعھم علی ابی ابن کعب ثم خرجت معہ لیلۃ اخری والناس یصلون بصلوۃ قاریھم فقال عمر نعمت البدعۃ ھذہ الخ رواہ مالک فی الموطا والبخاری عنہ۔

(۲) بعد از مطمئن گشتن حضرت عمر از فرضیت آن بسبب انقطاع وحی در خلافت خود در ۱۴ ہجری بطوریکہ مرضی مبارک مصطفوی ﷺ یافتہ ودانستہ بود آنرا ترویج داد یعنی در مسجد باجماعت حکم کرد وہمین اجتماع را نعمت البدعۃ ھذہ گفت نہ کہ توالی قیام رمضان ویا تعداد رکعات آنرا کہ بسیت بود صحابہ کرام درین نماز بسہ وجہ تصرف کردہ اند برائی تیسیر اول اجتماع در مساجد وبھمیں معنی نعمت البدعۃ ہذہ کہ حضرت عمر فرمودہ و نور اللہ قبر عمر کما نور مساجدنا کہ حضرت علی فرمودہ اہ شاہ ولی اللہ ثم سیف المقلدین ص ۱۴۱ ۔

(۳) ومن المولوم بجمیع الاخبار المذکورۃ فی ادائھم التراویح فی عھد الخلفاء امر وابہ واھتموا بہ غایۃ الاھتمام ولم ینکرہ احد من الصحابۃ مع کون ذلک العصر مجمعا لاجلۃ الصحابۃ اہ تحفۃ الاخیار ص ۲۰۷ ۔

(۴) غرضھم ان اول من امر بہ واھتم بالجمع عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وصلوۃ ابی بن کعب فی الزمن النبوی ﷺ المعلوم من الحدیث لم یکن من امر النبی ﷺ بل کان رأیھم فحسنہ رسول اللہ ﷺ حین اطلع علیہ کما رواہ ابو داؤد بل اظن ان جعل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابی بن کعب امام فی التراویح لھذہ النکتۃ المذکورۃ اہ تحفہ ص ۲۰۴ وبنحوہ قال الزرقانی فی شرح الموطا ثم تحفۃ الاخیار ص ۲۰۹، ۱۹۰ والوجہ الثالث عشر انہ قال الزرقانی واذا اجتمع الصحابۃ علی ذلک مع عمر زال عنہ اسم البدعۃ اہ شرح الموطأ الزرقانی ثم تحفۃ الاخیار ص ۱۹۰ وقد مر

ثبوت اجماع الصحابۃ والتابعین ومن بعدھم وحکم منکر التراویح فی البحث الثالث۔ الخاتمۃ فی کون ختم القرآن فی التراویح سنۃ الختم فی التراویح سنۃ مؤکدۃ بوجوہ کثیرۃ الوجہ الاول قولھم الختم فی التراویح سنۃ مرۃ اہ زیلعی وشلبی تراویح ص۔ ۱۷۹ وھدایہ ص۔ ۱۳۱ والمتقی ومجمع الانھر ص۔ ۱۳۳ وتنویر الابصار والدر المختار والشامی ص۔ ۴۷۵ والکنز والمستخلص والکافی ثم الھندیہ ص۔ ۱۲۴ والصدر الشھید ثم الخلاصۃ ص۔ ۶۷ والمختصر وابو المکارم ص۔ ۸۰ وجامع الرموز ص۔ ۹۶ والجوھرہ ص۔ ۹۸ والجوہ الثالث قولھم (۳) الختم مرۃ سنۃ ای قرء الختم فی التراویح سنۃ مصححۃ فی الخانیۃ وغیرھا وعزاہ فی الھدایۃ الی اکثر المشائخ وفی الکافی وفی برھان وھو المروی عن ابیحنیفۃ والمنقول فی الاثار اہ شامی ص۔ ۴۷۵ ومجمع الانھر ص۔ ۱۳۳ والوجہ الرابع قولھم وسن ختم القرآن فیھا ای التراویح مرۃ فی الشھر علی الصحیح وھو قول الاکثر رواہ الحسن عن ابیح نور الایضاح والمراقی ص۔ ۲۴۸ والمختصر والبرجندی ص۔ ۱۴۱ واباالمکارم ص۔ ۸۰ وجامع الرموز ص۔ ۹۶ والوجہ الخامس لو حصل الختم لیلۃ التاسع عشر اوغیرھا لا یترک التراویح فی بقیۃ الشھر لانھا سنۃ اہ الجوھرہ ص۔ ۹۸ والسراج ثم الھندیہ ص۔ ۱۲۵ وفتح القدیر ص۔ ۲۰۶ والشامی ص۔ ۴۷۶ والوجہ السادس وقال الحسن عن ابیحنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقرء فی کل رکعۃ عشر آیات ونحوھا وھو الصحیح لان سنۃ الختم فیھا مرۃ وھو یحصل بذلک الخ زیلعی ص ۱۷۹ وممع الانھر ص۔ ۱۳۳ وفتح القدیر ص ۲۰۲ وعینی الھدایۃ والشامی وھندیہ والخانیہ والبرجندی والکفایہ وابو المکارم وجامع الرموز (۱) اذا اطلقوا السنۃ لا یریدون بہ الا سنۃ النبی علیہ الصلوۃ والسلام اہ شرح انجنۃ ص۔ ۸۰ والوجہ السابع وری البیھقی باسنادہ عن ابی عثمان الھندی قالہ دعی عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ثلثہ من القراء فاستقرئھم فامر اسرعھم قراءۃ ان یقرء الناس ثلثین آیۃ فی رکعۃ واوسطھم بخمس وعشرین آیۃ والبطأھم بعشرین آیۃ کبیری ص۔ ۴۵۶ وعینی الھدایۃ تراویح ص۔ ۸۷۱ والمرقاۃ ثم تحفۃ الاخیار ص ۱۹۲ والوجہ الثامن وقال بعضھم الافضل ان یقرء فی کل رکعۃ ثلثین آیۃ لان عمر امر بذلک فیقع فیھا ثلث ختم اہ زیلعیہ ص۔ ۱۷۹ وفتح القدیر ص ۲۰۶ وکبیری ص ۴۵۶ فان قلت ما المراد فی قول المصنف رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان السنۃ فیھا الختم قلت قال فی الدرایۃ ای سنۃ الخلفاء الراشدین الخ عینی الھدایہ تراویح ص ۸۷۶ وقال علیہ الصلوۃ والسلام علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین الخ کما مر مرارا الختم فی التراویح سنۃ رسول اللہ ﷺ (۱) عن جبیر بن نفیر عن ابی ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال صمنا مع رسول اللہ ﷺ فلم یصل حتی بقی سبع من الشھر فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل ثم لم یقم بنا فی السادسۃ وقام بنا فی الخامسۃ حتی ذھب شطر اللیل فقلنا یا رسول اللہ لو نفلتنا لیلتنا فقال انہ من قام مع الامام حتی ینصرف کتب لہ قیام لیلۃ ثم لم یقم بنا حتی بقی ثلث من الشھر فصلی بنا فی الثالثۃ ودعی اھلہ ونسائہ حتی یخوفنا ان یفوتنا الفلاح فقلت وما الفلاح قال السحور رواہ ابو داود والترمذی والنسائی ص ۱۵۳ وابن ماجہ ثم المشکوۃ ص ۱۰۲ وکشف الغمہ ص ۱۱۶ اقول اعلم ان قولہ فقام بنا حتی ذھب ثلث اللیل اہ وقولہ وقام بنا فی الخامسۃ حتی شطر اللیل اہ وقولہ فصلی بنا فی الثالثۃ حتی یخوفنا ان تفوتنا الفلاح اہ یدل صریحا علی ختم القرآن من رسول اللہ

ﷺ(۲)ونحوہ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رواہ النسائی ج ا صـ۲۰۲ (۳)ونحوہ عن نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورواہ النسائی ج ا صـ۱۸۲

تمت بالخیر

بحرمۃ سید الانبیاء والمرسلین

(۸) باب نمبر آٹھ: نماز کیلئے شلوار وغیرہ ٹخنوں سے اونچا کرنے اور نیفہ موڑنے کا بیان

بعض مفتیان کرام فقہ حنفی سے بے خبر کہتے ہیں کہ نماز میں شلوار کو موڑنا اور پینٹ کے پائنچے موڑنا مکروہ تحریمی اور نماز واجب الاعادہ ہے حالانکہ یہ بات کسی بھی سلیم العقل اور سلیم الفطرت شخص سے پوشیدہ نہیں کہ آج جتنا مشکل اور تکلیف دہ وقت دین اور دین والوں پر آچکا ہے چشم فلک نے شاید ہی اتنے درد اور کرب والے لمحات پہلے کبھی دیکھے ہوں۔ آج کفر اور اس کے کارندے پوری تیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ مسلح ہو کر تاجدارِ کائنات ﷺ کے لائے ہوئے دینِ فطرت کے خلاف اور مسلمانوں کی رہی سہی عزت کو بھی اپنے ناپاک قدموں تلے روندنے کے لئے میدان میں اتر چکے ہیں۔ محسنِ کائنات آقائے دو عالم ﷺ کے خاکے شائع کر کے مسلمانوں کے ایمان اور جذبات کو ٹھیس پہنچائی جارہی ہے۔ کائنات کی سب سے سچی اور محفوظ کتاب قرآن مجید کی توہین کر کے اہل ایمان کی غیرت کو للکارا جارہا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں صلیبی جنگ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر کے مسلمانوں کے املاک، عزت وآبرو کو پامال کیا جارہا ہے۔ مختلف این جی اوز کی صورت میں اپنے گماشتوں کے ذریعے غریب اور پس ماندہ علاقوں میں مسلمانوں کو عیسائیت اور قادیانیت کی طرف پھیرنے کے لئے تحریک بڑے زور وشور سے چلائی جارہی ہے۔

تو ایسے پُر فتن اور فساد کے دور میں ہم سب پر لازم ہے کہ اللہ کے محبوب اور مقرب بندوں کا دامن تھام لیں اور اپنے دین ومذہب، جو کہ فقہ حنفی ہے، پر کماحقہ عمل کریں۔

خادمِ اولیاء واصفیاء، فقیر الحاج عبد الحق شاہ سیفی عرض کرتا ہے کہ استدلال کرنے والا مجتہد ہوگا یا مقلد۔ اگر مجتہد ہوگا تو وہ استدلال کرے گا قرانِ مقدس سے یا سنتِ رسول ﷺ سے یا اجماع یا قیاس سے جو ان تمام سے مستنبط ہے اور اس کی تفصیل اصولِ فقہ شریف میں مذکور ہے اس کو بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے اور اگر استدلال کرنے والا مقلد ہو تو اس کی دلیل اپنے مجتہد کا قول ہو گی۔

جیسا کہ صاحب کشف المبہم نے اپنے اس قول میں لکھا ہے:

"واما المقلد فمسنده قول مجتهده (الخ)

ترجمہ: اور جو مقلد ہے تو اس کا استدلال اپنے مجتہد کا قول ہو گا۔ [1]

شرح طریقہ محمدیہ کے مؤلف لکھتے ہیں:

ولذا کان دلیل المقلد هو قول المجتهد الخ ایضاً۔

---

[1] (کشف المبهم، ص ۱۱)

(ترجمہ) اور اس لئے کہ مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہے۔[1]

جب تمہیں مذکورہ بالا بیان سے معلوم ہوا کہ مقلد کی دلیل صرف اور صرف اپنے مجتہد کا قول ہوتا ہے، پس جاننا چاہیئے کہ اگر تعارض تمہیں معلوم ہو جائے نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تو مقلد کی دلیل فقہاء کا قول ہے کیونکہ ان کا وہ قول نہ نص سے ہوگا اور نہ وہ اپنے علم کے مطابق نص سے استنباط کرے گا کیونکہ احکامات کا نصوص سے نکالنا مجتہد کا کام ہے نہ کہ مقلد کا کیونکہ اگر کوئی نص ہو تو اس نص کی دوسری نص معارض ہوگی یا اس کے لئے کوئی تاویل یا تخصیص ہوگی، یا اس کے لئے کوئی ناسخ وغیرہ ہوگا اس قبیلہ سے جو خاصہ مجتہد کا اور مقلد کے خیال کی رسائی اس کی طرف ممکن نہیں ہے تو یہ نص کے مقابل میں رائے پر عمل کرنا ہے۔

جیسا کہ بریقہ شرح طریقہ محمدیہ نے اپنے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ولذا کان دلیل المقلد ھو قول المجتھد لا النصوص اذ استخراج الاحکام منھا لیس الا منصب المجتھد وقد قالوا اذا تعارض النص وقول الفقھاء یؤخذ بقول الفقھاء اذ یحتمل کون النص اجتھادیا ولہ معارض قوی وتاویل وتخصیص وناسخ وغیرھا مما یختص بمعرفتہ المجتھد وان ذالک کالرائے فی مقابلۃ النص الخ۔

ترجمہ: "اور مقلد کی دلیل مجتہد کا قول ہوتا ہے نہ کہ نصوص کیونکہ احکامات کا نکالنا یہ مجتہد کا مرتبہ ہے نہ کہ دوسرے کا، اس لئے کہا گیا ہے کہ جب نص اور فقہاء کے قول کے درمیان تعارض واقع ہو جائے تو فقہاء کا قول لیا جائے گا۔ کیونکہ نص اجتہادی یا اس کے مقابل میں قوی دلیل ہو یا وہ تاویل کے باب سے ہو یا تخصیص اور ناسخ کے قبیل سے ہو وغیرہ تو اس کا جاننا مجتہد کا کام ہے یہ اس کے ساتھ خاص ہے اگرچہ ان کی رائے مقابل نص میں واقع ہو"۔[2]

اور اسی مؤلف بریقہ نے ذکر کیا ہے:

وکان احتجاج المعترض بالحدیث والکتب الضعیفۃ کان رایا فی مقابلۃ النص وترجیح المرجوح علی الراجح وقد کان دلیل المقلد ھو قول من قلدہ لاغیر فالاحتجاج بالنص ھو منصب الاجتھاد الخ۔

ترجمہ: "اور جب احتجاج معترض کا حدیث سے ہو اور کتب ضعیفہ سے اور رائے نص کے مقابلہ میں ہو اور مرجوح کی راجح پر ترجیح ہو تو مقلد کی دلیل اسی کی ہوگی جس کی وہ تقلید کرتا ہے کیونکہ احتجاج نص کے ساتھ اجتہاد کے قبیل سے ہے۔[3]

---

[1] (شرح طریقہ محمدیہ، ج ۱، ص ۶۵، ج ۱، ص ۲۵۴، ج ۱، ص ۱۴۷، ج ۲، ص ۱۰۱)

[2] (بریقۃ ج ۱ ص ۶۵)

[3] (بریقہ ج ۲ ص ۱۰۱، وایضا ج ۱ ص ۱۴۷، ص ۹۱)

آگے لکھتے ہیں:

”وان ادلة المقلدليست الا قول المجتهد لهذا اذا ظهر التعارض بين اقوال الفقهاء وبين آيات وحديث فيقدم قول الفقهاء لان معرفة على وجه التحقيق المجتهد فلعل لتلك الآية مثلاً معارضاً او مخصصا او تاولاً او ناسخاً اطلع عليه المجتهد ولم تطلع انت۔

ترجمہ: اور کیونکہ مقلد کے دلائل مجتہد کے دلائل کی طرح نہیں ہوسکتے بلکہ وہ مجتہد کا قول ہوتا ہے اس لئے جب اقوال فقہاء اور آیات وحدیث کے درمیان تعارض پیدا ہو جائے تو فقہاء کے قول کو مقدم رکھوگے کیونکہ اس کا جاننا اور تحقیق مجتہد کے لئے ہے تو شاید وہ آیت معارض ہوگی یا مخصص یا اس میں تاویل ہوگی یا اس کے لئے ناسخ ہوگی جب کہ مجتہد کو اس پر اطلاع مل گئی ہوگی اور تمہیں اس کی اطلاع نہ ہو“۔[1]

اور مقلد اپنے مجتہد کے قول سے خروج نہیں کرے گا جیسا کہ اس کو امام شعرانی نے اپنی میزانِ شعرانی میں ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

ومن شان المقلدان لا يخرج عن قول امامه۔

ترجمہ: مقلد کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے امام کے قول سے نہ نکلے اور مقلد پر واجب ہے کہ وہ اپنے مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے اور اس پر جزماً یقین رکھے کہ وہ اپنے ربّ کی طرف سے ہدایت پر ہے۔[2]

اور اسی بات کو امام شعرانی نے اپنی کتاب میزان الکبریٰ میں لکھا ہے:

فيجب على كل مقلدان لا يعترض على قول مجتهدالى ان قال وكذالك يجب عليه الاعتقاد الجازم بان ذالك الامام على هدى من ربه فى ذالك۔

تو ہر مقلد پر واجب ہے کہ وہ مجتہد کے قول پر اعتراض نہ کرے آگے لکھا ہے کہ اور اس طرح اس چیز پر پختہ یقین رکھنا واجب ہے کہ وہ امام اس مسئلہ میں اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہے۔[3]

آگے امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مزید لکھا ہے:

”فاعتقادک یا اخی الصحة فی کلام ائمة الهدی واجب علیک الخ“۔

---

[1] (بریقہ ج ۱ ص ۲۵۴)
[2] (میزان شعرانی ص ۱۳)
[3] (میزان الکبریٰ ج ۱ ص ۵۹)

ترجمہ: تو اے میرے بھائی، ہدایت کے اماموں کے کلام کی صحت پر یقین رکھنا تم پر واجب ہے اور مقلد کو یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں الجھے۔[1]

اور اسی بات کو مؤلف تفسیرات احمدیہ لکھتے ہیں:

ولیس للمقلد ان ینازع المجتہد فی حکمہ۔

اور مقلد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مجتہد کے قول میں جھگڑے۔[2]

اور کسی مقلد کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ مجتہد کو خطاوار ٹھہرائے اور نہ ان کے کلام میں طعن کرے کہ وہ اللہ کی شریعت کو اچھی طرح جانتے ہیں اور اللہ نے ان کا حکم ماننا لازم کیا ہے (کہ وہ اولوا الامر میں داخل ہیں) پس جس نے کسی مجتہد کی طرف خطاء کی نسبت کی تو اس نے گویا شارع علیہ السلام کی طرف خطاء کی نسبت کی کیونکہ شارع نے اس کے حکم کو ثابت کیا ہے۔

اور اسی بات کو صاحبِ میزان شعرانی نے اپنی کتاب "میزان الکبریٰ" میں یوں لکھا ہے:

لا ینبغی لاحد قط ان یخطئ مجتہدا او یطعن فی کلامہ لان الشرع الذی ھو حکم اللہ تعالیٰ قد قدر حکم المجتہد فصار شرع للہ تعالیٰ بتقریر اللہ تعالیٰ ایاہ فکل من خطأ مجتہدا بعینہ فکانہ خطأ الشارع فیما قررہ حکماً الخ۔

ترجمہ: کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی مجتہد کو مخطی سمجھے یا اس کے کلام میں طعن کرے کیونکہ وہ شرع اللہ کا حکم ہوتا ہے تو مجتہد کا قول قرار پایا گیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی تقریر شرع اللہ کا ہوا خاص اسکے لئے تو مجتہد کو بعینہ خطاوار سمجھا تو گویا اس نے شارع کو خطاءوار سمجھا اس نے اس کے حکم کو مقرر کیا ہے۔[3]

تقلید اور فقہ حنفی کی ضرورت اور اہمیت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نظر میں

امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہ حنفی کی تقلید خود بھی کی اور مریدین و محبین کو بھی اس امر پر کاربند رہنے کا حکم دیا کیونکہ ان کے نزدیک یہ مذہب مقامات کمالات نبوّت کا حامل ہے اور امت کی ایک کثیر تعداد اس سے وابستہ ہے چنانچہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے مریدین کو نصیحت کرتے ہوئے مکتوب ۲۸۶ دفتر اول میں یوں رقم طراز ہیں: جس طرح کتاب و سنت کے مطابق اعتقاد رکھنا ضروری ہے اسی طرح کتاب و سنت پر اس طریقہ کے مطابق جو ائمہ مجتہدین نے ان سے استنباط فرمایا ہے اور ان سے حلال و حرام، فرض و واجب، اور سنت و مستحب اور مکروہ و مشتبہ احکام پر عمل کرنا اور ان کا علم حاصل کرنا بھی ضروری ہے اور مقلدین کو اس امر کی اجازت نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف از خود ہی کتاب و سنت سے احکام

---

[1](میزان الکبریٰ ج ا ص ٦٢)

[2] (تفسیراتِ احمدیہ ص ٢٠٩)

[3](میزان، ص ٢٦)

اخذ کرتا پھرے اور ان پر عمل کرے۔ عمل میں اپنے مجتہد کے مذہب میں جس کا تابع ہے قول مختار کو اختیار کرے اور رخصت سے بچتے ہوئے عزیمت پر عمل کرے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خطا کی صورت میں بھی مجتہد کی تقلید کو لازم قرار دیتے ہیں، چنانچہ دفتر اول مکتوب ۳۱ میں اپنے عزیز کو یوں نصیحت فرماتے ہیں "تقلید اول (اہل کشف) بر تقدیر احتمال خطا جائز نباشد و تقلید ثانی (المجتہد) بر تقدیر احتمال خطا جائز است۔" یعنی اہل کشف کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں جائز نہیں ہے اور مجتہد کی تقلید احتمال خطا کی صورت میں بھی جائز ہے۔" آپ دفتر سوم مکتوب ۲۲ میں ملا مقصود علی تبریزی کو لکھتے ہیں: "بر مجتہد چہ جائے اعتراض است کہ خطاء او را نیز یک درجہ ثواب است و تقلید او اگرچہ خطا کند موجب نجات است" یعنی "اور مجتہد پر کیا اعتراض کہ اس کی غلطی بھی ایک ثواب کا درجہ رکھتی ہے اور اگرچہ وہ خطا کر جائے پھر بھی اس کی تقلید نجات کا سبب ہے۔"

امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک اولیاء اللہ اور صوفیا باوجود اپنی عظمت و بزرگی کے، تقلید کے مکلف ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے بچوں کے نام مکتوب ۵۵ دفتر دوم میں لکھتے ہیں:

"ارباب ولایت خاصہ اور عام مؤمنین مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں۔ کشف اور الہام سے ان کو کوئی فضیلت نہیں مل سکتی اور وہ تقلید سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصری، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، اور شبلی رحمہم اللہ احکامِ اجتہاد میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں زید، عمر، بکر اور خالد کے ساتھ جو کہ عام مؤمنین ہیں، برابر ہیں۔" امام ربّانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ چونکہ حنفی المسلک تھے اس لیے اپنے مکتوبات اور دیگر تصانیف میں جابجا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں توصیفی کلمات لکھتے ہیں۔

ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے مکتوب ۵۵ دفتر دوم میں راقم ہیں:

"حاسدوں اور بیہودہ اور فاسد نظریوں پر ہزار ہا افسوس ہے، فقہ کے بانی حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہیں، اور فقہ کے تین چوتھائی حصے آپ کو مسلم ہیں اور باقی چوتھائی حصہ میں باقی ائمہ سب شریک ہیں۔ فقہ میں صاحب خانہ آپ رحمہ اللہ ہیں اور باقی سب ان کے اعیال۔ باوجود اس مذہب کے التزام کے مجھے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے محبت ذاتی ہے اور میں ان کو بزرگ جانتا ہوں اسی واسطہ سے بعض اعمال نافلہ میں اس کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسرے لوگ باوجود کمال علم و ان کے تقویٰ کے امام صاحب رحمہ اللہ کے آگے بچوں کی طرح نظر آتے ہیں"۔

اسی مکتوب میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"مثل روح اللہ مثل امام اعظم کوفی است کہ ببرکت فروع و تقویٰ و بدولت متابعت سنۃ درجہ علیا در اجتہاد و استنباط یافتہ است دیگر ان در فہم آن عاجز و قاصر اند" یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی سی

ہے، جنہوں نے ورع و تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی دولت سے اجتہاد اور استنباط میں وہ درجہ بلند حاصل کیا ہے جس کو دوسرے لوگ سمجھ نہیں سکتے"۔

بعد میں فرمایا: "امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہ جس نے ان کی فقاہت کی باریکی سے تھوڑا سا حصہ حاصل کیا ہے، فرمایا ہے کہ **الفقهاء كلهم عيال ابی حنيفة**۔ فقہاء سب ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے عیال ہیں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ جیسے مذہب حنفی کے تقلید کرنے والے بلکہ اپنے ساتھ جڑے ہر اس شخص کو مذہب حنفیہ کا پابند ہونے کی تلقین کرتے ہیں جو ان کا مرید ہے یا ان سے محبت رکھتا ہے۔ خود بھی ایک سرے بھی مذہبِ حنفیہ کے اقوال سے عملی اختلاف نہیں کیا، اس بات کی شہادت ایک مکتوب شریف میں موجود ہے: مکتوب ۲۹ دفتر اول: "وہ پانی جس سے ازالہ حدث کیا گیا ہو یا بہ نیت عبادت و ثواب وضو کے لئے استعمال کیا گیا ہو لوگوں کے لئے اس کا پینا جائز قرار نہ دیں۔ کیونکہ یہ پانی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نجاست غلیظہ کا حکم رکھتا ہے۔ ہاں وضو سے بچے ہوئے پانی کو انہوں نے شفاء کہا ہے۔ اگر عقیدت کے طور پر کوئی طلب کرے تو وضو سے بچے ہوئے پانی میں سے دیں۔ اس فقیر کو ایک دفعہ دہلی میں یہ آزمائش پیش آئی، بعض دوستوں کو خواب میں حکم دیا گیا کہ وہ فقیر کے وضو کا مستعمل پانی پیئیں ورنہ ضرر عظیم لاحق ہو گا۔ ہر چند اس سے باز رہنے کی کوشش کی لیکن نتیجہ نہ نکلا۔ کتب فقہ کی طرف رجوع کیا تو خلاصی کی ایک صورت نکل آئی کہ اگر تین بار اعضاء دھو لینے کے بعد چوتھی بار بغیر نیت عبادت اعضاء پر پانی پھیر دیں تو وہ مستعمل نہ ہو گا۔ اس حیلہ سے بے نیت قربت اعضاء پر پانی چلا کر اسے پینے کے لئے دیا۔

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فقہ حنفی کی عظمت کو اپنے کشف کی بنا پر مکتوب ۵۵ دفتر دوئم میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

بغیر تکلف کہا جا سکتا ہے کہ کشف کی نظر سے اس مذہب کی نورانیت بہت بڑے دریا کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اور باقی مذاہب حوضوں اور نہروں کی مانند نظر آتے ہیں اور ظاہر کی نظر سے دیکھیں تب بھی یہی سب کچھ دکھائی دیتا ہے کہ مسلمانوں کا سواد اعظم امام اعظم رحمہ اللہ کے مذہب پر ہے"۔

مکتوب ۲۸۲ دفتر اول میں فرماتے ہیں:

"اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات فقہ شافعی کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں اور کمالاتِ نبوت کا منسب فقہ حنفی کے ساتھ ہے۔ اگر بالفرض محال اس امت میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا تو فقہ حنفی کے موافق عمل کرتا۔ اس وقت حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کے اس سخن کی حقیقت بھی معلوم ہو گئی جو انہوں نے فصول ستہ میں نقل کیا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام نزول کے بعد امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے"۔

بظاہر یہ بات بڑی عجیب ہے مگر مکتوب ۵۵ دفتر دوم میں اس کی تشریح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

اور یہ خواجہ محمد پارسا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فصول ستہ میں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب کے موافق عمل کریں گے، ممکن ہے کہ اسی مناسبت کے باعث امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضرت عیسی علیہ السلام کے ساتھ لکھا ہے۔ یعنی روح اللہ کا اجتہاد حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اجتہاد کے موافق عمل ہوگا۔ نہ یہ کہ ان کے مذہب کی تقلید کریں گے کیونکہ روح اللہ علیہ السلام کی شان اس سے برتر ہے کہ علماء امت کی تقلید کریں۔ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فقہ حنفی سے گہری دلچسپی تھی۔ ان کتب کا نہ صرف خود مطالعہ فرماتے بلکہ مریدین کو بھی مطالعہ کی تلقین فرماتے۔ علم فقہ کے مقابلے میں باقی تمام علوم کو ہیچ سمجھتے تھے۔ مکتوب ۸ دفتر اول میں اپنے پیرو مرشد سے اپنی خواہش بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”اور علماء و طلباء سے بہت محبت پیدا ہوگئی ہے اور ان کا طریقہ اچھا معلوم ہوتا ہے اور آرزو کرتا ہوں کہ ان لوگوں کے گروہ میں ہوں اور تلویح کے مقدمات اربعہ سے طالب علمی کے وقت سے مباحثہ کیا کرتے تھے اور کتاب ہدایہ فقہ کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ مکتوب ۲۹ دفتر اول میں کتب فقہ کی کتب تصوف پر فوقیت کا ذکر کر کے ان کے مطالعہ کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں۔ شیخ نظام تھانیسری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو لکھتے ہیں: پس چاہیئے کہ جس طرح آپ کی مجلس میں کتب تصوف کا ذکر رہتا ہے، اسی طرح فقہ کی کتابیں فارسی میں بہت ہیں۔ مثلاً مجموعہ خانی، عمدۃ الاسلام، اور کنز خاری وغیرہ کتب تصوف اگر نہ بھی مذکور ہوں تو کچھ خوف نہیں کیونکہ وہ احوال سے تعلق رکھتی ہیں اور قال میں نہیں آتی اور کتب فقہ کے مذکور نہ ہونے میں ضرر کا احتمال ہے“۔

مکتوب ۲۴۴ میں فرماتے ہیں:

”عقائد کے درست کرنے کے بعد احکام فقہ کا سیکھنا ضروری ہے اور فرض و واجب حلال اور حرام سنت و مندوب و مشتبہ و مکروہ کے جانے بغیر چارہ نہیں ہے اور ایسا ہی اس علم کے موافق عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ فقہ کی کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں اور اعمال صالحہ کے بجالانے میں بڑی کوشش مد نظر رکھیں۔ مکتوب ۴ دفتر دوئم میں فرماتے ہیں: مطالعہ کتب فقہ از دست نہ دہد و نشر احکام از شریعت فرماید و بمتابعت سنۃ سنیہ ترغیب کند واز بدعت تحذیر نماید۔“ یعنی فقہ کی کتب کا مطالعہ نہ چھوڑیں اور احکام شریعت کو پھیلائیں۔ اور سنت نبویہ ﷺ کی ترغیب دیں اور بدعات سے لوگوں کو ڈرایا جائے۔ فقہ کی فارسی کتابیں ترغیب الصلوٰۃ وتیسیر الاحکام وغیرہ ہر وقت اپنے پاس رکھیں۔ اور مسائل شرعیہ کو ان میں سے دیکھ کر ان پر عمل کریں۔ ان تمام مکاتیب میں امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہ کی اہمیت اور مطالعہ کی اہمیت دلائی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پوری عزیمت سے فقہاء کبار کے مختار اور مفتٰی بہ قول پر عمل کرتے تھے اور ایسا عمل جس میں کچھ جواز اور کچھ کراہت کا پہلو فقہاء بیان کرتے تو آپ

کراہیت کے پہلو کو ترجیح دے کر اس پر عمل نہ کرتے اور فرماتے کہ اگر جواز و عدم جواز اور حل و حرمت کا اختلاف ہو جائے تو جانب عدم جواز اور جانب حرمت کو ترجیح دینی چاہیئے۔

جیسے مکتوب ۳۱۳ میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا:

"گویم اگر تعارض در جواز و عدم جواز و حل و حرمت واقع شود ترجیح بجانب عدم جواز است و جانب حرمت را۔"

میں کہتا ہوں کہ اگر کسی مسئلہ میں فقہاء کے درمیان جواز و عدم جواز اور حلال و حرام کا تعارض واقع ہو جائے تو عدم جواز کے پہلو کو ترجیح دی جائے۔

بعض علماء کے نزدیک سنت اور دوسروں کے نزدیک بدعت ہو تو اس کے بارے میں علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اذا تردد الحکم بین سنۃ و بدعۃ کان ترک السنۃ راجحاً علی فعل البدعۃ۔[1]

اور امام اہل سنت مجدد دین و ملت شاہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے فتاویٰ ج ۳ ص ۶۸۴ میں سنت اور مکروہ میں تعارض کی صورت میں ترک ہی اولیٰ سمجھتے ہیں۔ اور علماء کو اپنے مذہب کے مفتیٰ بہ قول کے خلاف فتویٰ دینا اور عمل کرنا بغیر اشد ضرورت صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا علماء وقت کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو اپنے مذہب سے آگاہ کریں اور مذہب کی کتابیں پڑھیں اور پڑھائیں۔ خصوصاً صوفیانِ وقت کو درکار ہے کہ اپنے اپنے حلقوں میں حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح اپنے مریدین کو بھی فقہ حنفی کے پابند رہنے کی تلقین کریں۔

اب ہم اپنے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان کی کامل نجات دو چیزوں پر موقوف ہے:

(۱) امتثالِ اوامر (یعنی اوامر فرائض، واجبات اور سنن مؤکدہ کو بجالانا)۔

(۲) اجتناب عن النواہی (یعنی منکرات و معاصی سے پرہیز کرنا)۔

پھر منکرات اور گناہوں کی دو قسمیں ہیں، ظاہری گناہ اور باطنی و مخفی گناہ، اور دونوں کا چھوڑنا نجات کے لئے ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ (الأنعام ۱۲۰)

یعنی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہوں کو چھوڑ دو۔

---

[1] (ردالمحتار ج ۱ ص ۴۵۰)

البتہ بعض وجوہ کے اعتبار سے ظاہری گناہ بہ نسبت باطنی گناہ کے زیادہ خطرناک ہیں، اس لئے ان کے چھوڑنے میں پہلے خوب اپنی ہمت استعمال کرنی چاہیئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

کل امتی معافی الا المجاھرین۔

یعنی میری پوری امت لائقِ عفو ہے مگر وہ جو ظاہری گناہ کرتے ہیں۔[1]

وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کو معاف کر دیا جائے۔۔۔ اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری گناہ مخفی گناہ کی نسبت زیادہ شدید ہے۔

حضراتِ فقہاء کرام رحمھم اللہ نے بھی رمضان المبارک میں روزہ چھوڑ کر جہراً کھانے پینے والے کو واجب القتل قرار دیا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ: ولو أکل عمداً شھرۃً بلا عذر یقتل وتمامہ فی شرح الوھبانیۃ۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: قولہ: وتمامہ فی شرح الوھبانیۃ) قال فی الوھبانیۃ:

ولو أکل الانسان عمداً وشھرۃ	**ولا عذر فیہ قیل بالقتل یؤمر**

قال الشرنبلالی رحمہ اللہ تعالیٰ: صورتھا: تعمد من لا عذر لہ الأکل جھاراً یقتل لانہ مستھزئ بالدّین او منکر لماثبت منہ بالضرورۃ، ولا خلاف فی حلّ قتلہ والامر بہ فتعبیر المؤلّف بقیل لیس بلازم الضعف اھ۔[2]

اس سے بھی پتہ چلا کہ جہری گناہ بہت سنگین گناہ ہے، گویا بزبانِ حال یہ شخص اعلانیہ دین کا مذاق اڑاتا ہے یا دین کے مسئلہ کا انکار کر رہا ہے۔

قارئین کرام: ان سنگین اور جہری گناہوں میں سے جس طرح رمضان المبارک میں روزہ چھوڑ کر کھلے عام کھانا پینا اور ڈاڑھی منڈوانا اور مٹھی سے کم کاٹنا وغیرہ ہیں اسی طرح ”مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا“ بھی ایک جہری اور سنگین گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِي الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ (القصص ۷۶)

ترجمہ: بیشک قارون موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے تھا پھر اس نے ان پر زیادتی کی اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں جب اس سے اس کی قوم نے کہا اِترا نہیں بیشک اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

---

[1] (بخاری ۲:۸۹۶)

[2] (الشامیۃ ۳/۴۴۹، ط، رشیدیہ کوئٹہ)

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی، قرطبی، متوفی ،٦٦٨،ھ ،لکھتے ہیں:

قوله تعالى: (فَبَغَى عَلَيْهِمْ) بغيه أنه زاد في طول ثوبه شبرا ،قاله شهر بن حوشب وفي الحديث: "لا ينظر الله إلى من جر إزاره بطرا" فَبَغَى عَلَيْهِمْ۔

اس (قارون) کی بغاوت یہ تھی کہ اس نے اپنے کپڑے کی لمبائی ایک بالشت زیادہ رکھی ہوئی تھی، یہ حضرت شہر بن حوشب کا فرمان ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے: جس آدمی نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[1]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر ۴)

ترجمہ: اور اپنے کپڑے پاک رکھو۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی، قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ،٦٦٨،ھ لکھتے ہیں:

وَمَنْ ذَهَبَ إِلَى الْقَوْلِ الثَّامِنِ قَالَ: إِنَّ الْمُرَادَ بِهَا الثِّيَابُ الْمَلْبُوسَاتُ، فَلَهُمْ فِي تَأْوِيلِهِ أَرْبَعَةُ أَوْجُهٍ: أَحَدُها- مَعْنَاهُ وَثِيَابَكَ فَأَنْقِ، وَمِنْهُ قَوْلُ امْرِئِ الْقَيْسِ: ثياب بني عوف طهارى نقية۔

الثَّانِي- وَثِيَابَكَ فَشَمِّرْ وَقَصِّرْ، فَإِنَّ تَقْصِيرَ الثِّيَابِ أَبْعَدُ مِنَ النَّجَاسَةِ، فَإِذَا انْجَرَّتْ عَلَى الْأَرْضِ لَمْ يُؤْمَنْ أَنْ يُصِيبَهَا مَا يُنَجِّسُهَا، قَالَهُ الزَّجَّاجُ وَطَاوُسٌ. الثَّالِثُ- وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ مِنَ النَّجَاسَةِ بِالْمَاءِ، قَالَهُ مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ وَابْنُ زَيْدٍ وَالْفُقَهَاءُ. الرَّابِعُ- لَا تَلْبَسْ ثِيَابَكَ إِلَّا مِنْ كَسْبٍ حَلَالٍ لِتَكُونَ مُطَهَّرَةً مِنَ الْحَرَامِ. وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: لَا تَكُنْ ثِيَابُكَ الَّتِي تَلْبَسُ مِنْ مَكْسَبٍ غَيْرِ طَاهِرٍ. ابْنُ الْعَرَبِيِّ وَذَكَرَ بَعْضَ مَا ذَكَرْنَاهُ: لَيْسَ بِمُمْتَنِعٍ أَنْ تُحْمَلَ الْآيَةُ عَلَى عُمُومِ الْمُرَادِ فِيهَا بِالْحَقِيقَةِ وَالْمَجَازِ، وَإِذَا حَمَلْنَاهَا عَلَى الثِّيَابِ الْمَعْلُومَةِ الطَّاهِرَةِ فَهِيَ تَتَنَاوَلُ مَعْنَيَيْنِ: أَحَدُهُمَا- تَقْصِيرُ الْأَذْيَالِ، لِأَنَّهَا إِذَا أُرْسِلَتْ تَدَنَّسَتْ، وَلِهَذَا قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لِغُلَامٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَقَدْ رَأَى ذَيْلَهُ مُسْتَرْخِيًا: ارْفَعْ إِزَارَكَ فَإِنَّهُ أَتْقَى وأنقى وأبقى. وَقَدْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ، لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ، وَمَا كَانَ أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ فَفِي النَّارِ فَقَدْ جَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغَايَةَ فِي لِبَاسِ الْإِزَارِ الْكَعْبَ وَتَوَعَّدَ مَا تَحْتَهُ بِالنَّارِ، فَمَا بَالُ رِجَالٍ يُرْسِلُونَ أَذْيَالَهُمْ، وَيُطِيلُونَ ثِيَابَهُمْ، ثُمَّ يَتَكَلَّفُونَ رَفْعَهَا بِأَيْدِيهِمْ، وَهَذِهِ حَالَةُ الْكِبْرِ، وَقَائِدَةُ الْعُجْبِ، وَأَشَدُّ مَا فِي الْأَمْرِ أَنَّهُمْ يَعْصُونَ وَيَنْجَسُونَ وَيُلْحِقُونَ أَنْفُسَهُمْ بِمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ مَعَهُ غَيْرَهُ وَلَا أَلْحَقَ بِهِ سِوَاهُ. قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ وَلَفْظُ الصَّحِيحِ: "مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ". قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! إِنَّ أَحَدَ شِقَّيْ إِزَارِي يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَ ذَلِكَ مِنْهُ؟ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

[1] (تفسير القرطبى، القصص، تحت الاية: ٧٦، ج، ١٣، ص، ٢٠٥، دار الكتب العلميه، بيروت)

وَسَلَّمَ: (لَستَ مِمَّنْ يَصْنَعُهُ خُيَلاءَ) فَعَمَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ بِالنَّهْيِ، وَاسْتَثْنَى الصِّدِّيقَ، فَأَرَادَ الأَدْنِيَاءُ إِلْحَاقَ أَنْفُسِهِمْ بِالرُّفَعَاءِ، وَلَيسَ ذَلِكَ لَهُمْ۔

جو آٹھویں قول کی طرف گیا ہے تو اس نے کہا: یہاں ثیاب سے مراد ملبوسات ہیں، ان کے نزدیک اس معنی کی چار وجوہ ہیں:

(۱) اس کا معنی ہے اپنے کپڑوں کو پاک رکھو: اسی معنی میں امراء القیس کا شعر ہے: ثياب بني عوف طهاری نقية۔

(۲) اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر رکھ، کیونکہ کپڑوں کو سمیٹ کر رکھنا نجاست سے دوری کا باعث ہوتا ہے جب کپڑے زمین پر گھسٹیں تو وہ نجاست لگنے سے محفوظ نہیں ہوتے: زجاج اور طاؤس نے یہی بات کہی ہے۔

(۳) اپنے کپڑوں کو پانی کیساتھ پاک کرلو؛ یہ محمد بن سیرین ابن زید اور فقہاء (رحمۃ اللہ علیہم) کا نقطہ نظر ہے۔

(۴) حلال کمائی سے ہی کپڑا پہنو تاکہ وہ حرام سے پاکیزہ ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے: جو تو لباس پہنتا ہے وہ حرام کمائی کا نہ ہو علامہ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو کچھ کہا جس کا ہم نے ذکر کیا یہ ممتنع نہیں کہ آیت کو عموم مراد پر محمول کیا جائے وہ حقیقت ہو یا مجاز ہو۔

جب ہم اسے پاکیزہ، معروف کپڑوں پر محمول کریں گے تو یہ دونوں معنوں کو شامل ہو گا:

(۱) دامنوں کو سمیٹنا کیونکہ جب انھیں ڈھیلا چھوڑا جائے تو وہ آلودہ ہو جاتے ہیں؛ اس وجہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انصار کے ایک نوجوان کو فرمایا جب انہوں نے اس کا دامن ڈھیلا دیکھا: اپنا تہبند اونچا کرلو کیونکہ یہ زیادہ تقوی، زیادہ پاکیزگی اور زیادہ عرصہ باقی رہنے کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مومن کا تہبند اس کی نصف پنڈلی تک ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر وہ پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو ٹخنوں سے بھی نیچے ہو وہ آگ میں ہے" نبی کریم ﷺ نے تہبند کی انتہا ٹخنہ معین کی ہے اور جو اس سے بھی نیچے ہو اس پر دھمکی دی ہے ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے دامنوں کو نیچے چھوڑے رکھتے ہیں، اپنے کپڑوں کو لمبا کرتے ہیں پھر اپنے ہاتھوں سے انہیں اوپر اٹھاتے ہیں یہ تکبر کی حالت ہے اور عجب (اپنے عمل پر خوشی کا اظہار کرنا) کا طریقہ ہے (اس معاملہ میں سب سے شدید معاملہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں، کپڑوں کو ناپاک کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ جا ملاتے ہیں) جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے غیر کو نہیں ملایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو لاحق کیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے کپڑے کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا" صحیح کے الفاظ یہ ہیں: جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسکی طرف نظر رحمت

نہیں فرمائے گا"۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ ﷺ میرے تہبند کا ایک پہلو ڈھیلا رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ میں اس کا خیال رکھوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے نہی کو عام رکھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کو مستثنیٰ قرار دیا تو کمینے لوگوں نے اپنے آپکو بلند مرتبہ لوگوں کیساتھ ملانے کا قصد کیا۔ یہ ان کے لئے جائز نہیں۔[1]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں مفسر قرآن صوفی باکمال علامہ اسماعیل حقی حنفی، قدس سرہ، متوفی ۱۱۳۷ھ، لکھتے ہیں:

(وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ) جميع ثوب من اللباس أى فطهرها مما ليس بطاهر بحفظها وصيانتها عن النجاسات وغسلها بالماء الطاهر بعد تلطخها فإنه قبيح بالمؤمن الطيب أن يحمل خبيثاً سواء كان في حال الصلاة أو في غيرها وبتقصيرها أيضاً فإن طولها يؤدى إلى جر الذيول على القاذورات فيكون التطهير كناية عن التقصير لأنه من لوازمه ومعنى التقصير أن تكون إلى إنصاف الساقين أولى، الكعب فإنه عليه السلام جعل اية طول لإزار إلى الكعب وتوعد على ما تحته بالنار. وحضرت مرتضى رضى الله عنه كفت كوتاه كن جامهرا. فإنه أتقى وأنقى وأبقى وهو أول ما أمر به عليه السلام من رفض العادات المذمومة فإن المشركين ما كانوا يصونون ثيابهم عن النجاسات۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر ۴)

ترجمہ: اپنے کپڑے پاک رکھو۔ ثیاب، ثوب کی جمع ہے یعنی لباس، کپڑوں کو اس سے پاک رکھیں جو پاک نہیں ہے اسے نجاسات سے محفوظ اور بچائے رکھیں اور جب میلے ہو جائیں تو پاک پانی سے دھوئیں کیونکہ پاک مومن کے لیے یہ کام قبیح ہے کہ وہ خبیث (ناپاک) اشیاء کا حامل (اٹھانے والا) ہو، نماز کی حالت میں ہو یا غیر نماز میں ہو اور اسے لمبا بھی نہ رکھے کیوں کہ لمبے کپڑے کا دامن پلیدیوں پر گھسیٹا جائے گا اور نجاست آلود ہو جائے گا۔ تطہیر (پاک کرنے) تقصیر (لمبانہ کرنے) سے کنایہ ہے کیونکہ یہ اس کے لوازم سے ہے۔ اور تقصیر کا مطلب یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک یا ٹخنوں تک اونچا ہونا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے تہبند کی لمبائی کی انتہاء ٹخنے تک بیان فرمائی، اور اس سے جو نیچے ہو اس پر آگ کی وعید بیان فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اپنے تہبند کو لمبانہ کر کیونکہ اس میں تقویٰ زیادہ ہے اور طہارت و نفاست زیادہ ہے، اور زیادہ باقی رہنے والا ہے۔ یہی وہ پہلا امر ہے جو رسول اللہ ﷺ کو ہوا کہ مذمومہ عادات کا چھوڑنا لازم ہے اس لیے کہ مشرکین اپنے کپڑوں کو نجاسات سے بچاتے نہیں تھے۔[2]

قال عبد الرحمن بن زيد بن أسلم كان المشركون ما كانوا يصونون ثيابهم عن النجاسات فأمره الله تعالى بأن يصون ثيابه عن النجاسات۔

---

[1](تفسير القرطبى، المدثر، تحت الاية: ۴، ج ۱۹، ص ۶۴، دار الكتب العلميه، بيروت)

[2](تفسير روح البيان، المدثر، تحت الاية ۴، ج ۱۰، ص ۲۲۸، ۲۲۷، دار الكتب العلميه، بيروت)

ترجمہ: حضرت عبد الرحمن بن زید بن اسلم رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: مشرکین اپنے کپڑوں کو نجاسات سے بچاتے نہیں تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نجاسات سے اپنے کپڑے بچانے کا حکم فرمایا۔[1]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

أن المراد من قوله فَطَهِّرْ أی فقصر وذلک لأن العرب کانوا یطولون ثیابهم ویجرون أذیالهم فکانت ثیابهم تتنجس ولأن تطویل الذیل إنما یفعل للخیلاء والکبر فنهی الرسول (صلی اللہ علیہ وسلم) عن ذلک۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَطَهِّرْ سے مراد یہ ہے کہ اپنے کپڑے زیادہ لمبے نہ کر۔ کیونکہ عربی لوگ اپنے کپڑے لمبے رکھتے تھے اور اپنے دامنوں کو گھسیٹتے تھے، تو ان کے کپڑے نجاست آلود ہو جاتے تھے، کیونکہ دامن کا لمبا کرنا فخر و تکبر ہی کے لیے کیا جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمادیا۔[2]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر ۴) بالماء من النجاسة لأن الصلاة لا تصح إلا بها وهی الأولى فی غیر الصلاة، أو فقصر مخالفة للعرب فی تطویلهم الثیاب وجرّهم الذیول إذ لا یؤمن معه إصابة النجاسة، أو طهر نفسک مما یستقذر من الافعال۔

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (المدثر ۴)

ترجمہ: اپنے کپڑوں کو پاک رکھیں۔ یعنی پانی کے ساتھ اپنے کپڑوں کو نجاست سے پاک کریں کیونکہ نماز اس کے بغیر درست نہیں ہوتی ہے اور نماز کے علاوہ میں پاک رکھنا اولیٰ ہے، یا اپنے کپڑوں کو زیادہ لمبا نہ کرو۔ عرب والوں کی اس عادت کی مخالفت کرتے ہوئے، کہ وہ اپنے کپڑوں کو لمبا رکھتے ہیں اور چادروں کے دامن کو زمین پر گھسیٹتے ہیں اس لیے کہ ایسی حالت میں نجاست سے حفاظت نہیں رہ سکتی۔[3]

وقال طاوس رضی اللہ عنہ: ثیابک فقصر لأن تقصیر الثوب طهارة لها۔

ترجمہ: حضرت طاؤس رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: اپنے کپڑوں کو لمبا نہ رکھو کیونکہ کپڑوں کا لمبا نہ ہونا ان کی پاکی (کا سبب) ہے۔[4]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں امام ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۳۳۳ھ) لکھتے ہیں:

وقال بعضهم: ای قصر ثیابک، ولا تطول لها، فتبلغ الطرافها [الارض، فتصیبها] النجاسة۔

---

[1] (تفسیر کبیر، المدثر، تحت الآیة: ۴، ج، ۳۰، ص، ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (تفسیر کبیر، المدثر، تحت الآیة: ۴، ج، ۳۰، ص، ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (تفسیر مدارک التنزیل و حقائق التاویل، المدثر، تحت الآیة: ج ۴، ۳ص، ۴۸۳)

[4] (تفسیر مظهری المدثر تحت الآیة: ۴ ج۷ ص ۲۸۲ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ: اور بعض نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ آپ زیادہ لمبے کپڑے نہ پہنیں، مبادا وہ ان کپڑے کے کنارے زمین تک پہنچیں، تو ان کو نجاست لگ جائے۔[1]

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں عمدۃ المفسرین شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں:

احتمال دویم آنکہ جامہ طاہر راز نجاسات معنوی پاک دارد نجاست معنوی جامہ آنست کہ از کسے بغصب نگرفتہ باشد وبدزدی وخیانت ودیگر وجوہ حرام کسب نکردہ وآنچہ استعمال آن حرام ست مثل ریشمین باف برائے مرد باستعمال نیارند ودر قطع ودوخت آن اسراف وامور نامشروعہ را مرتکب نشوند مثل دراز کردن دامن از شتالنگ۔

ترجمہ: دوسرا احتمال یہ ہے کہ کپڑے کو معنوی نجاست سے پاک رکھیں اور کپڑے کی معنوی نجاست یہ ہے کہ کسی سے چھینا ہوا نہ ہو اور چوری، خیانت اور دوسرے حرام طریقوں سے کمایا ہوا نہ ہو، اور وہ جس کا استعمال حرام ہے جسے مرد کے لیے ریشمی کپڑا استعمال میں نہیں لاتے اور اس کے کاٹنے سینے میں اسراف اور غیر شرعی امور کے مرتکب نہ ہوں جیسے دامن کو ٹخنے سے لمبا کرنا۔[2]

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ (المرسلات ٤٨)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو نہیں پڑھتے۔

عَنْ قَتَادَةَ (وَإِذا قيل لهُم ارْكعُوا) قَالَ: عَلَيْكُم بِإِحْسَان الرُّكُوع فَإِن الصَّلَاة من الله بمَكَان قَالَ: وَذكر لنا أَن حُذَيْفَة رأى رجلا يُصَلِّي وَلَا يرْكَع كَأَنَّهُ بعير نافر قَالَ: لَو مَاتَ هَذَا مَاتَ على شَيْء من سنة الإِسلام قَالَ: وَحدثنَا أَن ابْن مَسْعُود رأى رجلا يُصَلِّي وَلَا يرْكَع وَآخر يجر إِزَاره فَضَحِك قَالُوا: مَا يضحكك يَا ابْن مَسْعُود قَالَ: أضحكني رجلَانِ أَحدهمَا لَا ينظر الله إِلَيْهِ وَالْآخر لَا يقبل الله صلَاته۔

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ (المرسلات ٤٨) کی تفسیر میں فرمایا: تم پر اچھے طریقے سے رکوع کرنا لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نماز میں ایک خاص مرتبہ اور درجہ ہے۔ فرمایا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ وہ رکوع نہیں کرتا، گویا کہ وہ بدکنے والا اونٹ ہے تو فرمایا: اگر یہ آدمی اسی حالت میں فوت ہو گیا تو یہ اسلام کے طریقوں میں سے

---

[1] (تفسیر تاویلات اہل سنت، المدثر، تحت الآیۃ: ۴، ج۵ص، ۳۱۱، مکتبہ معروفیہ، کوئٹہ)

[2] (تفسیر عزیزی مسمی بہ فتح العزیز المدثر تحت الآیۃ ۴ ج ۲ ص ۲۵۵ مکتبہ حقانیہ کوئٹہ)

کسی پر نہیں مرے گا۔ فرمایا: ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا، وہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع نہیں کرتا اور دوسرا اپنے تہ بند کو گھسیٹ رہا ہے، تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ ہنس پڑے۔ لوگوں نے کہا: اے ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کون سی چیز آپ کو ہنسا رہی ہے؟ تو آپ رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: مجھے دو آدمیوں نے ہنسایا ہے، ان میں سے ایک وہ جس کی طرف اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا اور دوسرا وہ جس کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرمائے گا۔[1]

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی، قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، متوفی، ۶۶۸، ھ لکھتے ہیں:

الْأُولَى - قَوْلُهُ تَعَالَى: (وَلا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً) هَذَا نَهْيٌ عَنِ الْخُيَلَاءِ وَأَمْرٌ بِالتَّوَاضُعِ. وَالْمَرَحُ: شِدَّةُ الْفَرَحِ. وَقِيلَ: التَّكَبُّرُ فِي الْمَشْيِ. وَقِيلَ: تَجَاوُزُ الْإِنْسَانِ قَدْرَهُ. وَقَالَ قَتَادَةُ: هُوَ الْخُيَلَاءُ فِي الْمَشْيِ. وَقِيلَ: هُوَ الْبَطَرُ وَالْأَشَرُ. وَقِيلَ: هُوَ النَّشَاطُ وَهَذِهِ الْأَقْوَالُ مُتَقَارِبَةٌ وَلَكِنَّهَا مُنْقَسِمَةٌ قِسْمَيْنِ: أَحَدُهُمَا مَذْمُومٌ وَالْآخَرُ مَحْمُودٌ، فَالتَّكَبُّرُ وَالْبَطَرُ وَالْخُيَلَاءُ وَتَجَاوُزُ الْإِنْسَانِ قَدْرَهُ مَذْمُومٌ وَالْفَرَحُ وَالنَّشَاطُ مَحْمُودٌ. وَقَدْ وَصَفَ اللَّهُ تَعَالَى نَفْسَهُ بِأَحَدِهِمَا، ففي الحديث الصحيح لله أفرح بتوبة العبد من رجل ... الحديث. والكسل مَذْمُومٌ شَرْعًا وَالنَّشَاطُ ضِدُّهُ. وَقَدْ يَكُونُ التَّكَبُّرُ وَمَا فِي مَعْنَاهُ مَحْمُودًا، وَذَلِكَ عَلَى أَعْدَاءِ اللَّهِ وَالظَّلَمَةِ. أَسْنَدَ أَبُو حَاتِمِ بْنُ حِبَّانَ عَنِ ابْنِ جَابِرِ بْنِ عَتِيكٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُبْغِضُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنَ الْخُيَلَاءِ مَا يُحِبُّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللَّهُ فَأَمَّا الْغَيْرَةُ الَّتِي يُحِبُّ اللَّهُ الْغَيْرَةُ فِي الدِّينِ وَالْغَيْرَةُ الَّتِي يُبْغِضُ اللَّهُ الْغَيْرَةُ فِي غَيْرِ دِينِهِ وَالْخُيَلَاءُ الَّتِي يُحِبُّ اللَّهُ اخْتِيَالُ الرَّجُلِ بِنَفْسِهِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَعِنْدَ الصَّدَقَةِ وَالِاخْتِيَالُ الَّذِي يُبْغِضُ اللَّهُ الْخُيَلَاءُ فِي الْبَاطِلِ وَأَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ فِي مُصَنَّفِهِ وَغَيْرِهِ. وَأَنْشَدُوا:

وَلَا تَمْشِ فَوْقَ الأرض إلا تواضعا	فكم تحتها قوم هموا مِنْكَ أَرْفَعُ
وَإِنْ كُنْتَ فِي عِزٍّ وَحِرْزٍ ومنعة	فكم مات من قوم هموا مِنْكَ أَمْنَعُ

مسئلہ نمبر ا:

قولہ تعالیٰ: وَلا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً۔ یہ غرور اور تکبر سے نہی ہے اور تواضع اور انکساری کا حکم ہے۔ المرح کا معنی ہے بہت زیادہ خوشی اور فرحت کا اظہار کرنا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی چلنے میں تکبر کا اظہار کرنا (یعنی اکڑ کر چلنا) ہے۔ بعض نے کہا ہے: انسان کا اپنی قدر اور مقام سے تجاوز کر جانا ہے۔ اور حضرت قتادہ رضی اللہ تعالی عنہ نے کہا ہے: اس سے مراد چال چلن میں غرور اور خود پسندی کا اظہار کرنا ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے: اس کا معنی کسی نعمت پر اترانا اور اس کا شکر ادا نہ کرنا ہے۔ اور اکڑنا ہے۔ بعض نے کہا ہے: اس سے مراد نشاط اور چستی کا اظہار کرنا ہے۔ یہ تمام اقوال معنوی اعتبار سے قریب قریب ہیں لیکن

---

[1] (وأخرج عبد بن حميد وتفسير طبرى ابن جرير ج ۲۹ ص ۲۹۰ دار احياء التراث العربى بيروت وابن المنذر الدر المنثور المرسلات تحت الاية: ۴۸ ج ۶ ص ۵۳۲ مكتبة الرحاب القاهره)

یہ دو قسموں میں منقسم ہیں: ان میں سے ایک قسم مذموم (قابل مذمت) ہے اور دوسری محمود (قابل تعریف) ہے، پس تکبر کرنا، اترانا، غرور کرنا، اور انسان کا اپنی قدر سے تجاوز کرنا یہ سب مذموم ہے اور فرحت وانبساط اور نشاط وچستی کا اظہار کرنا محمود اور اچھا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان دو میں سے ایک کے ساتھ (یعنی فرحت اور نشاط) اپنے آپ کو متصف فرمایا ہے، پس صحیح حدیث میں ہے: اللہ افرح بتوبة العبد من رجل۔۔۔۔الحدیث۔ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے اس آدمی کی نسبت زیادہ خوش ہوتا ہے۔[1]

اور سستی شرعاً مذموم ہے اور نشاط اس کی ضد ہے۔ اور کبھی تکبر اور جو چیزیں اس کے معنی میں ہیں محمود اور اچھی ہوتی ہیں، اور وہ یہ کہ جب یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور ظالموں کے خلاف ہوں۔ حضرت ابو حاتم محمد بن حبان نے ابن جابر بن عتیک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم سے اور انہوں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مسند روایت بیان کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”غیرت میں سے وہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ مبغوض اور ناپسند جانتا ہے اور وہ بھی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور غرور اور تکبر میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ عزوجل پسند فرماتا ہے اور اس میں سے ایک وہ یہ جسے اللہ تعالیٰ مبغوض قرار دیتا ہے، پس وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ وہ غیرت ہے جو دین کے بارے میں ہو اور وہ غیرت جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ وہ غیرت ہے جو دین کے معاملہ میں نہ ہو اور وہ رعونت و تکبر جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ آدمی کا جنگ کے وقت اور صدقہ دیتے وقت اپنے نفس کے ساتھ اظہار فخر کرنا ہے اور وہ تکبر و غرور جسے اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ باطل اور غلط کاموں میں اس کا غرور اور تکبر کرنا ہے“۔[2]

اسے ابو داؤد نے اپنی مصنف وغیرہ میں نقل کیا ہے۔

اور انہوں نے یہ اشعار بھی کہے ہیں:

ولاتمش فوق الارض الاتواضعا　　　فکم تحتھا قوم ھمو منک ارفع

ترجمہ: تو زمین کے اوپر تواضع اور انکساری کے بغیر نہ چل پس اس کے نیچے کتنی قومیں ہیں جو تجھ سے بلند اور ارفع تھیں۔

وان کنت فی عزو حرز و منعة　　　فکم مات من قوم ھم منک امنع

ترجمہ: اور اگر تو عزت، حفاظت اور قوت میں ہے تو قوم میں سے کتنے مر گئے جو تجھ سے زیادہ محفوظ اور طاقتور تھے۔[3]

---

[1] (مجمع الزوائد کتاب التوبة باب الحث علی التوبة جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۲ حدیث ۱۷۴۹۸)

[2] (مجمع الزوائد کتاب التوبة باب الحث علی التوبة جلد ۱۰ صفحہ ۳۲۲ حدیث ۱۷۴۹۸)

[3] (تفسیر القرطبی، ج، ۱۰، ص، ۱۷۰، ۱۶۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

علامہ موسیٰ شاہین لاشین لکھتے ہیں:

انسان کو تکبر نہیں کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ انسان کے تکبر کی مذمت کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا (اسراء ۳۷)

ترجمہ: اور زمین میں اتراتا نہ چل بیشک تو ہر گز زمین نہ چیر ڈالے گا اور ہر گز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کو ایک حقیر بوند سے پیدا کیا، جو اگر کپڑے پر لگ جائے تو کپڑا نجس ہو جاتا ہے، وہ مسکین تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت دے کر سربلند کیا اور وہ مغرور ہو گیا، اس نے گمان کیا کہ وہ تمام مخلوقات سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو علم سے ایک قطرہ عطا کیا تو اس نے گمان کیا کہ وہ سب سے بڑا عالم ہے۔

حالانکہ قرآن مجید میں وہ پڑھتا ہے:

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (الأسراء ۸۵)

ترجمہ: اور تمہیں علم نہ ملا مگر تھوڑا۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (یوسف ۷۶)

ترجمہ: اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔

انسان یہ بھول گیا کہ وہ جمادات اور اجرام فلکیہ کے مقابلہ میں ایک ذرہ سے بھی کم تر ہے اور اپنے جہل اور غرور کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ جب وہ زمین پر چلے گا تو اپنے قدموں سے زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور اپنا سر اس طرح بلند کرتا ہے گویا کہ وہ پہاڑوں سے بھی سربلند ہے، اگر انسان اپنی ابتداً اور انتہاء پر غور کرلیتا کہ اس کی ابتداً بھی مٹی ہے اور انتہاء بھی مٹی میں مل جانا ہے تو وہ اپنے کپڑوں کو نہ گھسیٹتا اور اپنے قد سے بڑے کپڑے نہ سلواتا۔[1]

علامہ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر ابن کثیر، شافعی، متوفی، ۷۷۴ھ، لکھتے ہیں:

يَنْهَاهُ عَنِ التَّبَخْتُرِ فِي الْمِشْيَةِ عَلَى وَجْهِ الْعَظَمَةِ وَالْفَخْرِ عَلَى النَّاس كَمَا قَالَ تَعَالَى: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحاً إِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا (الإسراء ۳۷) يَعْنِي لَسْتَ بِسُرْعَةِ مَشْيِکَ تَقْطَعُ الْبِلَادَ فِي مشيتک هذه، ولست بدقک الأرض برجلک تخرق الْأَرْضَ بِوَطْئِکَ عَلَيْهَا، وَلَسْتَ بِتَشَامُخِکَ وَتَعَاظُمِکَ وَتَرَفُّعِکَ تَبْلُغُ الْجِبَالَ طُولًا، فَاتَّئِدْ عَلَى نَفْسِکَ فَلَسْتَ تَعْدُو قَدْرَکَ. وَقَدْ ثَبَتَ فِي الْحَدِيثِ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي فِي بُرْدَيْهِ يَتَبَخْتَرُ فِيهِمَا، إِذْ خسف الله به الأرض فهو يتجلل فيها إلى يوم القيامة وَفِي الْحَدِيثِ الْآخَرِ: إِيَّاکَ وَإِسْبَالُ الْإِزَارِ فَإِنَّهَا من

[1] (فتح المنعم، ج۸، ص ۳۳۹، دار الشرق، القاہرہ ۱۴۲۹ھ) (نعم الباری، ج ۱۲، ص، ۲۵۲)

المخيلة لَا يُحِبُّهَا اللهُ (كَمَا قَالَ فِي هَذِهِ الْآيَةِ: (إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ) وَلَمَّا نَهَاهُ عَنِ الِاخْتِيَالِ فِي الْمَشْيِ أَمَرَهُ بالقصد فيه، فإنه لا بد لَهُ أَنْ يَمْشِيَ فَنَهَاهُ عَنِ الشَّرِّ وَأَمَرَهُ بالخير، فقال: (واقصد في مشيک) أَيْ لَا تَتَبَاطَأْ مُفْرِطًا وَلَا تُسْرِعْ إِسْرَاعًا مُفْرِطًا وَلَكِنْ بَيْنَ ذَلِکَ قَوَامًا كَمَا قَالَ تَعَالَى: وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا (الفرقان ٦٣)۔

لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو تکبر کرنے سے بھی منع کیا۔ اسی طرح زمین پر اکڑ کر چلنے سے بھی منع کیا ہے، زمین پر اکڑ کر چلنے سے کوئی انسان اپنی رفتار کو اتنی تیز نہیں کر سکتا کہ اس سے شہروں کے فاصلے مٹ سکیں اور نہ ہی زمین پر چلنے سے وہ پھٹ سکتی ہے۔ اسی طرح انسان بڑائی اور عظمت کی وجہ سے پہاڑ کی بلندیوں کو بھی نہیں چھو سکتا، لہذا آپے سے باہر ہونے کی ضرورت نہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ ایک شخص دو چادر اوڑھ کر ناز و نخرے سے چل رہا تھا کہ اتنے میں اللہ کے حکم سے زمین پھٹ پڑی اور وہ اندر دھنسنے لگا اور قیامت تک دھنستا رہے گا۔[1]

دوسری حدیث شریف میں جناب نبی کریم ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ ازار لٹکانے سے پرہیز کرو، یہ تکبر ہے جو اللہ کو پسند نہیں ہے۔[2]

قرآن کریم میں بھی اس کو فرمایا گیا: إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ (لقمان ۱۸) کہ اللہ تعالی کسی بھی اترانے والے کو پسند نہیں کرتا۔ تکبر اور اترانے سے منع کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ میانہ روی اختیار کی جائے، اس لئے آگے چال چلن میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور پھر فرمایا کہ اللہ جل و علی شانہ کے بندے زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب جاہل اور ناواقف لوگ ان سے بات کرتے ہیں تو یہ ان سے سلامتی سے بات کرتے ہیں۔[3]

حدیث شریف ہے:

ما اسفل من الكعبين من الازار فی النار۔

یعنی ٹخنوں کا جو حصہ تہہ بند میں ڈھکا رہے گا وہ جہنم میں ہو گا۔[4]

اس حدیث میں اس گناہ پر جہنم کی وعید آئی ہے اور قاعدہ شرعیہ ہے کہ جس گناہ پر جہنم کی وعید ہو وہ کبیرہ گناہ ہوتا ہے لہذا کھڑے ہونے اور چلنے کی حالت میں اوپر سے آنے والے کپڑے (مثلاً شلوار، پتلون، تہہ بند، جبہ وغیرہ) سے مردوں کا ٹخنے ڈھانکنا گناہِ کبیرہ اور حرام ہے۔

---

[1] (صحیح البخاری، فی احادیث الانبیاء، باب ۵۴، وصحیح مسلم فی اللباس والزینۃ رقم: ۳، ومسند احمد، ج، ۲، ص، ۳۱۵)

[2] (سنن ابو دائود، فی اللباس، باب، ۲۸، مسند احمد، ج، ۵، ص، ۶۳)

[3] (البدایۃ والنہایۃ، ج، ۲، ص، ۱۳۶، ۱۳۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[4] (بخاری صفحہ ۲/ ۸۶۱)

محمد اشفاق الرحمٰن، کاندھلوی، لکھتے ہیں:

قلت قال میرک ظاهر بعض الاحادیث تحریم الاسبال یقتضی ان تحریم اسبال الازار مخصوص بالجر لاجل الخیلاء و قال بعض العلماء یعلم من بعض الاخبار تحریم الاسبال لغیر الخیلاء ایضاً لحدیث ابی هریرة فی البخاری ما سفل من الکعبین فی النار و کحدیث لایقبل الله صلاة رجل مسبل ازاره و کحدیث فان جر الثوب من المخلیة ان الثوب مطلقاً ممنوع وان کان فی المخیلة اشد کراهة۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ میرک نے کہا بعض احادیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے اسبال کی حرمت تکبر کی بناء پر ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ بعض دیگر احادیث سے معلوم ہوتا کہ مطلق اسبال حرام ہے خواہ تکبر سے ہو یا نہ ہو جیسے بخاری کی حدیث ابوہریرہ میں ہے جو ٹخنوں سے نیچے ہوں وہ آگ میں ہے اور حدیث ہے "بے شک ازار لٹکانے والے کی نماز اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا" اور حدیث شریف ہے کہ ازار کا کھینچنا تکبر سے ہے۔ پس کپڑے کا لمبا کرنا (ٹخنوں سے نیچے ہو جانا) مطلقاً ممنوع ہوا اگرچہ تکبر کی وجہ سے زیادہ سخت کراہت ہے۔[1]

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی لکھتے ہیں:

باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار اي هذا باب يذكر فيه ما أسفل من الكعبين فهو في النار ويذكر معناه في الحديث لأن قوله ما أسفل من الكعبين من لفظ الحديث وقوله فهو في النار ليس لفظ الحديث هكذا بل هو ما أسفل من الكعبين من الإزار ففي النار واقتصر في الترجمة في الجزء الثاني وأطلقها ولم يقيدها بلفظ الإزار قصدا للتعميم في الإزار والقيمص ونحو ذلک۔

(باب ما أسفل من الكعبين فهو في النار) یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ (جس کا) جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو، وہ دوزخ میں ہے۔ اور حدیث میں اس طرح نہیں ہے بلکہ حدیث میں اس طرح سے ہے: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو، وہ دوزخ، میں ہے اور امام بخاری نے عنوان میں صرف جز ثانی پر اقتصار کیا ہے اور اس کو مطلق رکھا ہے اور تہبند کیساتھ مقید نہیں کیا تاکہ عموم رہے، خواہ قمیص ٹخنوں کے نیچے ہو یا تہبند ٹخنوں کے نیچے ہو یا کوئی اور کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہو۔[2]

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

في هذا الحديث ما أسفل من الكعبين ففي النار من الثياب ذلک قال وما ذنب الثياب ؟ وقال الخطابي يريد أن الموضع الذي يناله الإزار من أسفل الكعبين من رجله في النار كنى بالثوب عن بدن لابسه۔ وهذا مطلق يجب حمله على المقيد وهو ما كان للخيلاء قوله ففي النار۔

[1] (کشف المغطاعن وجہ الموطا حاشیہ مؤطا امام مالک، فی اسبال الرجل ثوبہ، ص ۱۵۲۱، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

[2] (عمدۃ القاری، ج ۲۱، ص ۴۴۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ترجمہ: اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہے وہ دوزخ میں ہو گا تو کپڑے کا کیا گناہ ہے؟ (اس کا جواب یہ کہ) حضرت خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ دوزخ میں وہ جگہ ہو گی جو اس کے پاؤں کے ٹخنوں کے نیچے والے حصہ کو شامل ہو گا۔ کپڑے سے مراد کپڑا پہننے والا ہے اور کپڑے کو پہننے والے کے بدن سے کنایہ کیا ہے۔ اور یہ مطلق ہے اس کو مقید پر محمول کرنا (قید لگانا) ضروری ہے، اور وہ جس نے تکبر کی نیت سے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکایا، وہ دوزخ میں ہو گا۔[1]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری حنفی نقشبندی قدس سرہ لکھتے ہیں:

أَيْ فَهُوَ أَيْ صَاحِبُهُ فِي نَارِ جَهَنَّمَ بِسَبَبِ الْإِسْبَالِ النَّاشِئِ عَنِ التَّكَبُّرِ وَالِاخْتِيَالِ. قَالَ الْأَشْرَفُ: مَا مَوْصُولَةٌ وَصِلَتُهُ مَحْذُوفَةٌ وَهُوَ كَانَ، وَأَسْفَلَ مَنْصُوبٌ خَبَرًا لِكَانَ، وَيَجُوزُ أَنْ يُرْفَعَ أَسْفَلَ أَيِ الَّذِي هُوَ أَسْفَلُ، وَعَلَى التَّقْدِيرِ هُوَ أَفْعَلُ، وَيَجُوزُ أَنْ يُجْعَلَ فِعْلًا وَهُوَ مَعَ فَاعِلِهِ صِلَتُهُ أَيِ الَّذِي سَفَلَ مِنَ الْإِزَارِ مِنَ الْكَعْبَيْنِ. وَقَالَ السُّيُوطِيُّ: وَيَجُوزُ كَوْنُ مَا شَرْطِيَّةً وَأَسْفَلَ فِعْلٌ مَاضٍ اهـ. وَهُوَ الْأَظْهَرُ، وَفِي غَيْرِهِ تَكَلُّفٌ مُسْتَغْنًى عَنْهُ، وَيُؤَيِّدُهُ رِوَايَتُهُ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ بِلَفْظِ: (فَفِي النَّارِ) قَالَ الْخَطَّابِيُّ: يَتَنَاوَلُ هَذَا عَلَى وَجْهَيْنِ، أَحَدُهُمَا: أَنَّ مَا دُونَ الْكَعْبَيْنِ مِنْ قَدَمِ صَاحِبِهِ فِي النَّارِ عُقُوبَةً لَهُ عَلَى فِعْلِهِ، وَالْآخَرُ: أَنَّ فِعْلَهُ ذَلِكَ فِي النَّارِ أَيْ هُوَ مَعْدُودٌ وَمَحْسُوبٌ مِنْ أَفْعَالِ أَهْلِ النَّارِ. قَالَ النَّوَوِيُّ: الْإِسْبَالُ يَكُونُ فِي الْإِزَارِ وَالْقَمِيصِ وَالْعِمَامَةِ، وَلَا يَجُوزُ الْإِسْبَالُ تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ إِنْ كَانَ لِلْخُيَلَاءِ، وَقَدْ نَصَّ الشَّافِعِيُّ عَلَى أَنَّ التَّحْرِيمَ مَخْصُوصٌ بِالْخُيَلَاءِ لِدَلَالَةِ ظَوَاهِرِ الْأَحَادِيثِ عَلَيْهَا، فَإِنْ كَانَ لِلْخُيَلَاءِ فَهُوَ مَمْنُوعٌ مَنْعَ تَحْرِيمٍ، وَإِلَّا فَمَنْعُ تَنْزِيهٍ، وَأَجْمَعُوا عَلَى جَوَازِ الْإِسْبَالِ لِلنِّسَاءِ، وَقَدْ صَحَّ عَنِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَهُنَّ فِي إِرْخَاءِ ذُيُولِهِنَّ، وَأَمَّا الْقَدْرُ الْمُسْتَحَبُّ فِيمَا يَنْزِلُ إِلَيْهِ طَرَفُ الْقَمِيصِ وَالْإِزَارِ فَنِصْفُ السَّاقَيْنِ، وَالْجَائِزُ بِلَا كَرَاهَةٍ مَا تَحْتَهُ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَبِالْجُمْلَةِ يُكْرَهُ مَا زَادَ عَلَى الْحَاجَةِ، وَالْمُعْتَادُ فِي اللِّبَاسِ مِنَ الطُّولِ وَالسَّعَةِ اهـ. وَالظَّاهِرُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ هُوَ الْمُعْتَادُ الشَّرْعِيُّ لَا الْمُعْتَادُ الْعُرْفِيُّ۔

ترجمہ: یعنی اس قسم کی ازار پہننے والا شخص جہنم کی آگ میں ہو گا اس اسبال کی وجہ سے جو تکبر اور اختیال سے پیدا ہوا ہے۔ ''من الازار'' یہ ''ما'' کے لئے بیان ہے۔ ای من ازار الرجل اشرف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ''ما'' موصول ہے اور اس کا صلہ محذوف ہے اور وہ ''کان'' ہے اور ''اسفل'' منصوب ہے کیونکہ ''کان'' کی خبر ہے۔ اسفل کا مرفوع ہونا بھی جائز ہے۔ ای ''الذی ھو اسفل'' اور دونوں تقدیروں کی بنا پر یہ ''افعل'' (اسم تفصیل) ہو گا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کو فعل بنایا جائے اور یہ اپنے فاعل کے ساتھ مل کر صلہ ہو گا۔ ای ''الذی سفل من الکعبین'' امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ''ما'' کا شرطیہ ہونا اور ''اسفل'' کا فعل ماضی ہونا درست ہے۔ اھ۔ اور یہی بات زیادہ واضح ہے اور اس کے علاوہ ترکیب میں تکلف ہے جس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس کی تائید ''جامع الصغیر'' کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ اس میں ''ففی النار''

---

[1] (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۴۴۰ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کے الفاظ ہیں۔ امام خطابی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ اس میں دو توجیہات ہیں: ایک توجیہ یہ کہ "مادون الکعبین من قدم صاحبہ فی النار" پاؤں کا ٹخنے سے نیچے والا حصہ آگ میں ہو گا۔ اس کے فعل پر سزا اور عقوبت کی وجہ سے۔ دوسری توجیہہ یہ کہ اس کا یہ فعل آگ میں ہو گا۔

ای "ھو معدود محسوب من افعال اھل النار"۔

یعنی مادون الکعبین کو شمار کیا گیا ہے جہنمیوں کے افعال میں سے۔

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ 'اسبال" ازار، قمیص اور عمامہ سب میں ہوتا ہے اور اگر اسبال کی وجہ سے ہو اور تحت الکعبین ہو تو ناجائز ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صراحت کی ہے کہ یہ تحریم "خیلاء" کے ساتھ مخصوص ہے۔ کیونکہ احادیث کا ظاہر اس پر دلالت کر رہا ہے اگر اسبال "خیلاء" کے طور پر ہو تو ممنوع ہے، ممنوع تحریمی ہے ورنہ تو ممنوع تنزیہی ہو گا۔ عورتوں کے لئے اسبال کے جواز پر اجماع ہے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صحیح طور پر ثابت ہے: "لَهُنَّ فِي إِرْخَاءِ ذُيُولِهِنَّ" البتہ قمیص اور ازار کے اطراف میں قدر مستحب یہ ہے کہ یہ نصف ساقین تک ہو اور کعبین تک جائز بلا کراہت ہے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو زائد از حاجت ہو اور لمبائی و چوڑائی میں زائد ہو، معتاد طریقے سے وہ پہننا مکروہ ہے انتھی۔ ظاہر یہ ہے کہ معتاد میں اعتبار معتاد شرعی کا ہے نہ کہ معتاد عرفی کا۔[1]

عبد المحسن العباد لکھتے ہیں:

قولہ: (المسبل) ھذا ھو محل الشاھد، وھو مطلق یدل علی تحریم الإسبال مطلقاً، ولکن إذا کان بقصد خیلاء صار أشد وأعظم، وإذا کان بدون خیلاء فھو شدید وعظیم۔

ترجمہ: حدیث شریف میں المسبل کپڑا لٹکانے والا، یہ جگہ اس پر شاہد ہے، اور یہ مطلق طور پر کپڑا لٹکانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے، اور لیکن جب تکبر کے ارادہ سے ہو تو زیادہ سخت اور زیادہ عظیم گناہ ہے، اور جب بغیر تکبر کے ہو تو شدید اور عظیم گناہ ہے۔[2]

عبد المحسن العباد لکھتے ہیں:

(ما أسفل من الکعبین من الإزار فھو فی النار)، فھذا یدلنا علی تحریم الإسبال، وھو محرم فی الصلاۃ وفی غیر الصلاۃ، ولکنہ إذا کان فی الصلاۃ یکون الأمر أخطر۔

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کتاب اللباس ج۸ ص ۱۹۸، المکتبہ الرشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

[2] (شرح سنن ابی داود، عبدالمحسن العباد، ج، ۴۵۸، ص، ۱۴)

ترجمہ: ما أسفل من الكعبين من الإزار فهو في النار یہ تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کے حرام ہونے پر دلیل ہے، اور یہ نماز اور غیر نماز میں حرام ہے اور لیکن نماز میں زیادہ خطرناک معاملہ ہے۔[1]

رہی یہ بات کہ کف ثوب، لف ثوب اور اسبال کا مسئلہ جو پاک وہند میں بہت ہی وسیع پیمانے پر مشہور کر دیا گیا ہے اور کہا جاتا رہا ہے کہ اگر کوئی کف ثوب کی حالت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہو گی، اور کف ثوب کی تعریف یہ کر دی گئی ہے کہ "کوئی اس حال میں نماز پڑھے کہ اس نے لمبی شلوار یا پینٹ کے پائنچے موڑے ہوئے ہوں یا اس کو نیفہ سے اڑس (سمیٹ) لیا ہو۔" اور اس طرح لف ثوب کے معنی بھی یہی کرتے ہیں۔ اور خاص کر یہ مسئلہ علماء اہلسنت کے مابین زبان زد عام وخاص ہے۔ یہ مسئلہ تحقیق طلب تھا اور اب بھی ہے کیونکہ تحقیق کا دروازہ کھلا ہے اور ہر شخص کا حق ہے کہ وہ کسی بھی مسئلے پر جانبین کی حیثیت کو مد نظر رکھ کر اظہار حق کے لئے تحقیق کر سکتا ہے۔

کف ثوب، لف الثوب اور اسبال کی وضاحت اور احادیث مبارکہ میں یا فقہ حنفی میں جن امور کو مکروہ قرار دیا گیا ہے اور جس سے آپ ﷺ کو منع فرمایا گیا ہے وہ کیا ہے اور اس کی کیا کیفیت ہے؟ اس سے پہلے اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ علماء کے مابین اس مسئلہ میں مابہ النزاع کیا ہے؟ یعنی وہ کیا وجوہات ہیں کہ جن کی وجہ سے یہ نوبت آ پہنچی کہ لوگوں کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ قرار دی جاتی ہے۔

اسبال

سب سے پہلے ہم اسبال کی تعریف، اسبال سے متعلق احادیث اور اسبال کا حکم بیان کریں گے۔

اسبال کا معنی:

قصداً اپنے اختیار سے اوپر سے آنے والے کپڑے کے ساتھ کھڑے ہونے اور چلنے کی حالت میں ٹخنے ڈھانکنے کو اسبال کہتے ہیں۔

اسبال سے متعلق احادیث:

اسبال سے متعلق کتب احادیث میں چار قسم کی احادیث وارد ہوئی ہیں:

پہلی قسم: وہ احادیثِ مبارکہ جن میں تکبر کی قید ذکر کئے بغیر مطلقاً اسبال کو ناجائز اور حرام کہا گیا ہے۔

وعنه (اى عن أبى هريرة) عن النبى ﷺ قال ما اسفل من الكعبين من الازار فى النار۔

---

[1] (شرح سنن ابی داود، عبدالمحسن العباد، ج، ۴، ص، ۱۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ٹخنوں کا جو حصہ تہہ بند کے نیچے ہو گا وہ جہنم کی آگ میں جلے گا۔[1]

فائدہ: ظاہر ہے کہ جہنم کی وعید گناہ کبیرہ پر ہوتی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً ٹخنے ڈھانکنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے، نیز اس میں تکبر کا ذکر بھی نہیں۔

(۲) عن سالم بن عبد اللہ ان اباہ حدثہ ان رسول اللہ ﷺ قال بینما رجل یجرّ ازارہ خسف بہ فھو یتجلجل فی الارض الی یوم القیمۃ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص اپنے تہہ بند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکا کر چل رہا تھا کہ اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا پس وہ (سخت تکلیف کے ساتھ) قیامت تک زمین میں مسلسل دھنستا جائے گا۔[2]

فائدہ: اس حدیث میں بھی یہ نہیں ہے کہ وہ تکبر کی وجہ سے ٹخنے ڈھانک کر چل رہا تھا بلکہ اس شخص کو مطلقاً ٹخنے ڈھانپنے پر قیامت تک سخت ترین عذاب میں گرفتار کر دیا گیا۔

محترم قارئین! سوچنے کا مقام ہے کہ اتنی سخت وعید کے بعد بھی کیا یہ کہنا درست ہے کہ تکبر کے بغیر قصداً ٹخنے ڈھانپنا محض مکروہ تنزیہی ہے؟

(۳) عن ابی ذر عن النبی ﷺ انہ قال ثلثۃ لا یکلمھم اللہ و لا ینظر الیھم یوم القیامۃ و لا یزکیھم و لھم عذاب الیم قال من ھم یا رسول اللہ فقد خابوا و خسروا فاعادھا ثلثا من ھم یا رسول اللہ خابوا و خسروا قال المسبل و المنان و المنفق سلعۃ بالحلف الکاذب او الفاجر۔

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر نظر رحمت بھی نہیں فرمائے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ (ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کہتے ہیں میں نے کہا وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ وہ تو ذلیل و رسوا ہو گئے اور خسارے میں چلے گئے، تین مرتبہ (یہ کلمہ) دہرایا۔ میں نے کہا وہ کون لوگ ہیں یا رسول اللہ ﷺ؟ وہ تو رسوا ہوئے

---

[1] (بخاری شریف ۲/۸۶۱)

[2] (بخاری شریف، ۲/۸۶۱)

اور خسارے میں چلے گئے، آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ایک اپنی شلوار، تہہ بند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، دوسرا احسان جتلانے والا، تیسرا اپناسامان جھوٹی قسم سے فروخت کرنے والا یا فاجر۔[1]

اس حدیث مبارکہ میں تکبر وغیرہ کی قید کے بغیر اس عمل پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ان لوگوں سے بات نہ کرنے، ان کی طرف رحمت کی نظر نہ فرمانے، ان کو پاک نہ کرنے اور ''عذابِ الیم'' اور ناکامی اور خسارہ میں پڑنے کی بڑی بڑی وعیدیں آئی ہیں، اور ظاہر ہے کہ اتنی سخت وعیدیں کسی بڑے گناہ پر ہی ہو سکتی ہیں۔

اور اولاً تو مرد حضرات کے ٹخنے سے نیچے لباس لٹکانے کی اصل وجہ تکبر ہی ہوتی ہے، کہ اس غرض سے وہ ایسا کرتے ہیں، گویا کہ یہ عمل تکبر سے ہی ناشی اور پیدا ہوتا ہے، اور اسی وجہ سے مرد حضرات کا ٹخنے سے نیچے کپڑا لٹکانا خود تکبر کے قائم مقام ہے (احادیث سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے) اور اگر اس کے ساتھ کسی کی مستقل تکبر کی نیت بھی ہو تو پھر یہ دوہرا گناہ ہے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

اس حدیث میں ''لٹکانے'' کا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ گناہ اس صورت میں ہے جبکہ کپڑا اوپر سے نیچے کی طرف کو لٹکا ہوا ہو، جیسا کہ شلوار، پائجامہ، تہبند وغیرہ ہوتا ہے، اور موزہ کیونکہ اوپر سے نیچے کی طرف لٹکا ہوا نہیں ہوتا، اس لئے اس میں ممانعت نہیں۔

دوسری قسم: وہ احادیث مبارکہ کہ جن میں تکبر کی قید ہے:

(۱) عن ابن عمر رضی اللہ عنھما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لا ینظر اللہ الی من جر ثوبہ خیلاء۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہ فرمائے گا جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا۔[2]

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطراً۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا جس نے اپنا تہہ بند تکبر کی وجہ سے نیچے لٹکایا۔[3]

[1] (مسلم، حدیث ۳۰۶، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحریم اسبال الازار والمن بالعطیة الخ، واللفظ لہ، ورواہ ابو داؤد باب ماجاء فی اسبال الازار، سنن نسائی حدیث ۲۵۶۲، ابن ماجہ حدیث ۲۱۹۹، مسند أحمد حدیث ۲۱۳۱۸، مصنف ابی شیبة، باب فی جر الازار، سنن دارمی حدیث ۲۶۲۰، شعب الایمان للبیھقی، حدیث ۴۵۱۰، صحیح ابن حبان حدیث ۴۹۰۷، مسند بزار حدیث ۴۰۲۴)

[2] (بخاری شریف ۸۶۰/۲، قدیمی کراچی)

[3] (بخاری، ۸۶۱/۲)

(۳) عن سالم عن ابیه عن النبی ﷺ قال من جر ثوبه خیلاء لم ینظر الله الیه یوم القیامة فقال ابو بکر الصدیق (رضی الله تعالیٰ عنه) یا رسول الله ﷺ ان احد شقی ازاری یسترخی الی ان اتعاهد ذلک منه فقال النبی ﷺ لست ممن یصنعه خیلاء۔

حضرت سالم رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد محترم حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ جس نے اپنا کپڑا تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) گھسیٹا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا (یہ فرمان سنتے ہی) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میرے تہہ بند کا ایک حصہ نیچے لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ میں اس کا خیال رکھتا ہوں تو سرورِ عالم ﷺ نے فرمایا: آپ ان میں سے نہیں ہیں جو تکبر کی وجہ سے لٹکاتے ہیں۔[1]

(۴) عن عطیة عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ: من جرّ ازاره من الخیلاء لم ینظر الله الیه یوم القیامة قال: فلقیت ابن عمر بالبلاط فذکرت له حدیث ابی سعید عن النبی ﷺ فقال و اشار الی أذنیه سمعته اذنای و وعاه قلبی۔

حضرت عطیہ رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اپنا تہہ بند تکبر کی وجہ سے (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرمائے گا۔ حضرت عطیہ کہتے ہیں کہ میں مقام بلاط میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ملا اور میں نے ان کے سامنے حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی ہی حدیث ذکر کی تو انہوں نے اپنے کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ میرے کانوں نے اس کو (رسول اللہ ﷺ سے) سنا ہے اور میرے دل نے اسے محفوظ کیا ہے۔[2]

(۵) عن ابن مسعود رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ ان العبد اذا صلی فلم یتم صلاته خشوعها و لا رکوعها و اکثر الالتفات لم تقبل منه، و من جرّ ثوبه خیلاً لم ینظر الله الیه یوم القیامة و ان کان علی الله تعالی کریماً''۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بندہ نماز پڑھتا ہے اور اس کے خشوع (خضوع) اور رکوع (و سجود) کو مکمل نہیں کرتا بلکہ اِدھر اُدھر توجہ کرتا ہے تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، اور جو شخص نماز میں اپنے کپڑے (تہبند، شلوار وغیرۃ) کو تکبر کی وجہ سے (لٹکاتا ہوا) گھسیٹتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہ فرمائیں گے، خواہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کس قدر مرتبے والا ہو۔[3]

---

[1] (بخاری شریف ۸۶۰/۲)

[2] (سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس مطبوعہ بیروت ۵۱۴)

[3] (طبرانی فی الکبیر و الترغیب و الترھیب ج ۱ ص ۲۰۴ کنز العمال رقم ۱۹۹۲۹ ج ۷ ص ۲۰۴ دار الکتب العلمیہ بیروت و الترغیب و الترھیب ج ۳ ص ۶۷، مکتبہ روضۃ القرآن، پشاور)

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَيُكْرَهُ إسْبَالُ الْقَمِيصِ وَالْإِزَارِ وَالسَّرَاوِيلِ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَمَرَ بِرَفْعِ الْإِزَارِ. فَإِنْ فَعَلَ ذَلِكَ عَلَى وَجْهِ الْخُيَلَاءِ حَرُمَ، لِأَنَّ النَّبِيَّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - قَالَ: «مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرْ اللَّهُ إلَيْهِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَرَوَى أَبُو دَاوُد عَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: مَنْ أَسْبَلَ إزَارَهُ فِي صَلَاتِهِ خُيَلَاءَ فَلَيْسَ مِنْ اللَّهِ جَلَّ ذِكْرُهُ فِي حِلٍّ وَلَا حَرَامٍ۔

قمیص اور تہبند اور شلوار کو تکبر سے لٹکانا مکروہ ہے، کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنے کپڑے کو تکبر سے لٹکایا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) اور امام ابو داوٗد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہسے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے نماز میں کپڑا لٹکایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی حلال میں ہے اور نہ حرام میں ہے۔[1]

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی، حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

المعنى: فليس عند الله في شيء، وقد شاع بَيْنَ العَرب ضربُ المثل بقولهم فلان لا ينفع للحلال ولا للحرام، ويُريدون به أنه سَاقط من الأَعْين، لا يُلْتفتُ إليه، ولا يُعبا به وبأفْعاله، وكذلك معنى الحديث: من أسْبل إزاره في صلاته خُيلاء فليْس هو عند الله في شيء، ولا يَعْبا الله به ولا بصلاته، ثم إسبالُ الثوْب خارج الصلاة إن كان لأجل الاختيال يكره -أيضاً- وإن لم يكن للاختيال لا يكره، وكرهه البعض مطلقا في الصلاة وغَيْرها للاختيال وغيرها۔

مطلب یہ ہے کہ اس کی اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے، عرب میں ضرب المثل مشہور ہے، وہ کہتے ہیں: فلان لا ينفع للحلال ولا للحرام،، (فلاں کو نہ حلال سے نفع ہے اور نہ حرام سے نفع ہے) اور اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ وہ نظروں سے گر گیا ہے، اور نہ اس کی طرف توجہ کی جائے گی اور نہ اس کی پرواکی جائے گی، اور نہ اس کے کاموں کی پرواکی جائے گی، اور اسی طرح اس حدیث کا مطلب ہے: جس شخص نے تکبر کی وجہ سے اپنے تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکایا تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اور اللہ تعالیٰ نہ اس کی پرواکرے گا اور نہ اس کی نماز کی پرواکرے گا، پھر خارج نماز کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ ہے، اور اگر تکبر کی وجہ سے نہ ہو تو مکروہ نہیں ہے، اور بعض نے مطلق طور پر نماز میں اور نماز کے علاوہ میں، اور تکبر کی وجہ سے اور بغیر تکبر کے مکروہ قرار دیا ہے۔[2]

عبد المحسن العباد لکھتے ہیں:

(من جر ثوبه خيلاء لا ينظر الله إليه)، وهو حرام مطلقاً في الصلاة وفي غير الصلاة۔

---

[1] (المغنی ج ۱ ص ۳۴۱ دار الفکر، بیروت)

[2] (شرح ابی داود للعینی ج ۳ ص ۱۰۰ دار الکتب العلمیہ)

ترجمہ: (من جر ثوبه خيلاء لا ينظر الله إليه) اور یہ مطلقاً حرام ہے نماز میں ہو یا نماز کے علاوہ میں ہو۔[1]

عبد المحسن العباد لکھتے ہیں:

إسبال الإزار بغير قصد الخيلاء من الكبائر؛ لأن النهي عنه جاء مطلقاً يشمل ما كان بخيلاء وما كان بغير خيلاء، والكبائر تتفاوت، فليست على حد سواء؛ والاحاديث في تحريم الإسبال وردت على سبيل الإطلاق، فلا يقال: إنه يحمل على الخيلاء فقط، وإنه يجوز في غير الخيلاء، وإنما الراجح أن الإسبال يحرم وهو من الكبائر وإن انضاف إليه قصد الخيلاء فهو أعظم إثماً۔

ترجمہ: بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا کبیرہ گناہ ہے، کیونکہ ممانعت مطلق طور پر آئی ہے تکبر کے ساتھ ہو یا بغیر تکبر کے ہو کو شامل ہو گی، اور کبیرہ گناہوں میں تفاوت ہوتا ہے، تو حد میں برابر نہیں ہیں، اور لٹکانے کی تحریم میں احادیث مطلق طور پر وارد ہوئی ہیں، تو نہیں کہا جائے گا کہ وہ صرف تکبر پر محمول ہیں، اور بغیر تکبر جائز ہے، اور بے شک راجح لٹکانا حرام ہو گا اور وہ کبیرہ گناہ ہے اور اگر تکبر کے قصد کی اضافت اس کی طرف کر دی جائے تو وہ اعظم گناہ ہے۔[2]

عبد المحسن العباد لکھتے ہیں:

قوله: ((وجر الإزار)). يعني: إسبال الثياب، وهذا من الأمور المحرمة، وسواء كان مع قصد الخيلاء أو بدون قصد الخيلاء، ما دام الإنسان قد جر ثوبه فهو آثم، ولكنه إذا كان مع قصد الخيلاء يكون شراً إلى شر۔

قوله: (وجر الازار) یعنی کپڑوں کا لٹکانا، اور یہ حرام کیے ہوئے کاموں میں سے ہے، برابر ہے کہ تکبر کے قصد کے ساتھ ہو یا تکبر کے قصد کے بغیر ہو، جب تک انسان اپنے کپڑے کو گھسیٹتا ہے تو وہ گناہ گار ہوتا ہے اور لیکن جب تکبر کے قصد کے ساتھ ہوتا ہے تو برے سے بھی برا ہو گا۔[3]

تیسری قسم: وہ احادیث جن میں اسبال کو تکبر کی علامت اور نتیجہ کہا گیا ہے۔

(۱) عن جابر بن سليم (في حديث طويل) قال قال النبي ﷺ اياك واسبال الازار فانها من المخيلة وان الله لا يحب المخيلة۔

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (مجھے نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی) فرمایا: تہبند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔[4]

(۲) عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعا اياك وجر الازار فان جرّ الازار من المخيلة۔

---

[1] (شرح سنن ابی داود عبد المحسن العباد ج۴ ص۱۴۷)

[2] (شرح سنن ابی داود، عبد المحسن العباد، ج، ۲۳، ص، ۱۰۵)

[3] (شرح سنن ابی داود عبد المحسن العباد ج۲۳ ص ۳۹۹)

[4] (ابو داؤد ۲/۵۶۴)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت ہے کہ تہبند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانے سے بچو کیونکہ تہبند کو لٹکانا تکبر کے سبب سے ہوتا ہے۔[1]

شیخ ابو محاسن رکن الاسلام محمد بن ابو بکر المعروف امام زادہ سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

واسبال الازار والقمیص بدعة، ای تطویلهما، وهو من أعلام الکبر والخیلاء، ولبس السراویل سنة، وهو من أستر الثیاب للرجال والنساء واول من لبسه خلیل اللہ علیه السلام۔

ترجمہ: اور قمیص اور تہبند کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکانا بدعت ہے، یعنی ان کو لمبا رکھنا، اور یہ تکبر اور اترانے کی علامات میں سے ہے، اور شلوار پہننا سنت ہے، اور یہ مردوں اور اس میں عورتوں کے لیے زیادہ پردہ ہے، اس کو سب سے پہلے حضرت خلیل ابراہیم علیہ السلام نے پہنا۔[2]

اور بعض احادیث میں حضور ﷺ کا ارشاد مبارک اس طرح مروی ہے:

اتق اللہ ولا تحقرن من المعروف او الخیر شیئا، وایاک واسبال الازار فانه من المخیلة، وان اللہ لا یحب المختال۔ فقال رجل یا رسول اللہ ذکرت اسبال الازار، وقد یکون بساق الرّجل القرح او الشیٔ یستحیٖ منه۔ فقال لا بأس الیٰ نصف الساق، او الی الکعبین، انّ رجلا ممن کان قبلکم لبس بردة فتبختر فیها فنظر اللہ من فوق عرشه فمقته فأمر الأرض فاخذته فهو یتجلل بین الأرض۔ فاحذروا وقائع اللہ عزّ وجل۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اور نیکی یا خیر کے کسی بھی کام کو حقیر نہ سمجھو، اور اپنے آپ کو ازار لٹکانے سے بچاؤ، کیونکہ وہ تکبر میں سے ہے، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ اس کے جواب میں اس شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے ازار لٹکانے کا تذکرہ فرمایا؛ جب کہ کبھی کبھی ایک آدمی کی پنڈلی میں زخم ہوتا ہے یا کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جس کے اظہار سے وہ شرماتا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ: آدھی پنڈلی تک یا ٹخنوں تک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بلاشبہ تم سے پہلے لوگوں میں ایک شخص نے چادر (لنگی وغیرہ) پہنی، پھر اس میں اترایا (یعنی ٹخنوں سے نیچے اسے لٹکایا) تو اللہ تعالیٰ نے عرش کے اوپر سے اس کی طرف نظر کی اور اس پر ناراضگی فرمائی اور زمین کو حکم دیا۔ زمین نے اس کو دبوچ لیا پس وہ زمین کے درمیان دھنسا جارہا ہے، پس اللہ عزوجلّ کی پکڑ اور مؤاخذہ سے بچو اور ڈرو۔"[3]

مسند أبی جری جابر بن سلیم الهجیمی التمیمی رضی اللہ عنه عن أبی تمیمة الهجیمی قال: قال أبو جری جابر: رکبت قعودا الی فأتیت مکة فی طلب النبی صلی اللہ علیه وسلم، فإذا هو جالس، فقلت السلام علیک یا رسول اللہ، قال:

---

[1](فتح الباری ۱۰/۳۲۳، قدیمی کتب خانہ)

[2] (شرعة الاسلام اسبال الازار والقمیص ص۱۴۱ دارابشائرالسلامیة بیروت بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة السادس والثلاثون الوقحة قلة الحیاء ج۳ص ۷۵ مکتبة العلوم الدینیة کانسی روڈ کوئٹہ)

[3] (معرفة الصحابة لابی نعیم اصبهانی، حدیث ۱۵۳۲، جلد ۲ صفحه ۵۴۷، واللفظ لهٔ، المعجم الکبیر للطبرانی حدیث ۲۲۶۲)

وعليک، قلت إنا معشر أهل البادية، قوم فينا الجفاء، فعلمني كلاما ينفعني الله به، قال: اتق الله، ولا تحقرن من المعروف أو الخير شيئا، وإياک وإسبال الإزار، فإنه من المخيلة، وإن الله لا يحب المختال فقال رجل: يا رسول الله ذكرت إسبال الإزار، وقد يكون بساق الرجل القرح أو الشيء يستحي منه؟ فقال: لا بأس إلى نصف الساق أو إلى الكعبين، إن رجلا كان ممن قبلكم لبس بردة فتبختر فيها، فنظر الله إليه، من فوق عرشه، فمقته، فأمر الأرض فأخذته، فهو يتجلجل بين الأرض فاحذروا وقائع الله۔

(مسند ابی جری جابر بن سلیم ھجیمی تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ابو تمیمۃ ھجیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابو جری جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں اپنی سواری پر سوار ہو کر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طلب میں مکہ آیا، دیکھا تو آپ تشریف فرما ہیں، میں نے کہا: السلام علیک یا رسول اللہ! علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا علیک، میں نے عرض کیا ہم دیہاتی لوگوں میں سخت مزاجی ہوتی ہے آپ ﷺ مجھے کوئی ایسی بات سکھا دیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مجھے نفع دے۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈرا کر اور کسی نیکی یا بھلائی کو حقیر نہ سمجھنا، اور ازار (شلوار) لٹکانے سے بچنا، کیونکہ یہ تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ کسی متکبر کو پسند نہیں کرتا، اتنے میں ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ آپ نے ازار لٹکانے کا ذکر کیا، بعض دفعہ کسی انسان کی پنڈلی پر کوئی دانہ، پھوڑہ یا کوئی قابل حیا چیز ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: آدھی پنڈلی اور ٹخنوں تک کوئی حرج نہیں تم سے پہلے کسی شخص نے ایک چادر اوڑھی اور اس میں اترانے لگا اللہ تعالیٰ نے عرش سے اس کی طرف دیکھا، اور اس سے ناراض ہو کر زمین کو حکم دیا (کہ اسے نگل) تو زمین نے اسے پکڑ لیا سو وہ زمین کے درمیان حرکت کر رہا ہے اللہ تعالیٰ کے (عذاب کے) واقعات سے بچو۔[1]

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

هذا باب في بيان حكم من جر إزاره من غير قصد التخييل فإنه لا بأس به من غير كراهة وكذلک يجوز لدفع ضرر يحصل له كأن يكون تحت كعبيه جراح أو حكة أو نحو ذلک إن لم يغطها تؤذيه الهوام كالذباب ونحوه بالجلوس عليها ولا يجد ما يسترها به إلا إزاره أو ردائه أو قميصه وهذا كما يجوز كشف العورة للتداوي وغير ذلک من الأسباب المبيحة للترخص وقال شيخنا زين الدين، وأما جوازه لغير ضرورة لا لقصد الخيلاء فقال النووي إنه مكروه وليس بحرام، وحكي عن نص الشافعي رضي الله تعالى عنه، التفرقة بين وجود الخيلاء وعدمه۔

ترجمہ: جس شخص نے بغیر قصد تکبر تہبند ٹخنوں کے نیچے رکھا اس میں کوئی کراہت نہیں ہے نہ کوئی حرج ہے، اسی طرح کسی ضرر کو دور کرنے کے لیے بھی لباس لٹکانا جائز ہے مثلاً اس کے ٹخنوں کے نیچے کوئی زخم ہو یا خارش ہو، یا اگر وہ ٹخنوں کو نہ ڈھانپے تو اس پر مکھیاں اور دیگر حشرات الارض کے بیٹھنے کا خطرہ ہو، اور لمبی قمیص یا لمبے تہبند کے علاوہ کوئی چیز ڈھانپنے کے لیے

[1] (ابو نعیم، کنز العمال، رقم: ۸۸۷۰، ج۳، ص۳۳۲، ۳۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

میسر نہ ہو، یہ ایسا ہے جیسا کہ علاج کے لیے شرمگاہ کو کھولنا جائز ہے، ہمارے شیخ زین الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اگر کوئی عذر نہ ہو اور نہ ہی تکبر کا قصد ہو تو پھر علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ مکروہ ہے حرام نہیں ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تصریح کی ہے کہ تکبر کی نیت سے اور بغیر تکبر کے کپڑا لٹکانے میں فرق ہے۔[1]

شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

یعنی آں پارہ از قدم زیر شتالنگ کہ بروی ازار مسبل ست وبعضے گویند معنی آنست کہ این فعل مذموم ست واز افعال نار ست کذا قال الطیبی۔ رواہ البخاری تنبیہ بدانکہ جر واسبال اکثر در ازار درود یافتہ ووعید شدید در آن آمدہ تا آنکہ فرمود مسبل ازار راکہ نماز میگزارد باعادہ نماز ووضو چنانکہ در اوائل کتاب گذشت و در احادیث آمدہ کہ در شب نصف شعبان ہمہ آمرزیدہ شوند الا عاق ومدمن خمر ومسبل ازار و تحقیق آنست کہ اسبال در جمیع ثیاب رود ہر چہ کہ زیادہ بر قدر حاجت ووفق سنت بود اسبال ست و باعث تخصیص باز از بجہت کثرت وقوع است وچہ لباس اکثر مردم در عہد نبوت رداوازار بود ودر فصل ثانی از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، آمدہ کہ آنحضرت فرمود ﷺ الاسبال فی الازار و القمیص والعمامۃ من جر منہا شیئا خیلاء الحدیث۔ ودر حدیث اول از ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ پیش ازین حدیث مذکور شد جر ثوب مطلق شدہ وعزیمت در ازار تا نصف ساق ست وازار آنحضرت ﷺ این چنین بودی وفرمود ازار مومن تا نصف ساق ست ورخصت تا بالامی شتالنگ وحکم وامان قبا وپیراہن نیز ہمین ست و سنت در آستینہا تا بند دست ہست واسبال در عمامہ بارسال عذبہ زیادت بر عادتعدا وغایت آن تا نصف ظہر ست وزیادہ بران بدعت وداخل اسبال محرم واین توسیع وتطویل کہ در بعضے از دیار عرب متعارف شدہ است خلاف سنت وہر چہ از ان بطریق خیلاء ست حرام وانچہ بطریق عرف وعادت شائع شدہ وشعار قومی گشتہ لا باس بہ است اگرچہ افراط خالی از کراہت نیست و اسبال مر زنان رانیز حرام است، ودر حق ایشان زیادتی بر مردان بقدر شبر وبقدر ذراع کہ در شبر ست نیز رخصت ست بلکہ مستحب ست بقصد تستر۔

---

[1] (عمدة القاری کتاب اللباس ج ۲۱ ص ۴۳۸، ۴۳۷ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یعنی قدم کا وہ حصہ جو ٹخنوں سے نیچے ہے اور اس پر تہبند بطور فخر لٹکایا ہوا ہے۔ بعض شارحین نے کہا مطلب یہ ہے کہ یہ فعل مذموم ہے اور اہل نار کے افعال میں سے ہے۔ اسی طرح علامہ طیبی نے بیان کیا۔

تنبیہ: خیال رہے کہ اکثر طور پر گھسیٹنے اور لٹکانے کی مذمت تہبند کے بارے میں واقع ہوئی ہے اور اس پر شدید وعید واقع ہوئی ہے یہاں تک کہ تہبند لٹکانے والے کو اس حال میں ادا کی گئی نماز اور وضو کے لوٹانے کا حکم دیا۔ جیسے کہ مشکوٰۃ شریف کے ابتدائی حصے میں گزرا۔ احادیث میں آیا ہے کہ شعبان کی پندرہویں رات میں سب بخش دیئے جاتے ہیں سوائے والدین کے نافرمان، عادی شرابی، اور چادر لٹکانے والے کے، اور تحقیق یہ ہے کہ لٹکانا تمام کپڑوں میں پایا جاتا ہے، جو کپڑا سنت کی موافقت اور حاجت سے زیادہ ہو وہ اسبال (لٹکانے) میں داخل ہے، تہبند کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ عمل عموماً زیادہ واقع ہوتا ہے کیونکہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اکثر لوگوں کا لباس تہبند اور اوپر لینے والی چادر تھا۔ دوسری فصل میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لٹکانا تہبند، قمیص اور عمامہ میں پایا جاتا ہے، جس نے ان میں سے کسی چیز کو بطور تکبر لٹکایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، اس حدیث سے پہلے مذکور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہسے مروی حدیث میں مطلق کپڑے کے گھسیٹنے کا ذکر ہے۔ تہبند میں اصل یہ ہے کہ نصف پنڈلی تک ہو۔ نبی اکرمعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تہبند اسی طرح ہوتا تھا، اور ارشاد فرمایا کہ مومن کا تہبند آدھی پنڈلی تک ہے اور ٹخنے سے اوپر تک رخصت ہے، قبا اور پیراہن کے دامن کا بھی یہی حکم ہے۔

آستین میں سنت یہ ہے کہ ہاتھ کے جوڑ تک ہو، عمامہ میں لٹکانا یہ ہے کہ شملہ لمبائی میں عام عادت سے زیادہ ہو۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ نصف پشت تک ہو۔ اس سے زیادہ بدعت ہے اور حرام لٹکانے میں داخل ہے۔ عرب کے بعض علاقوں میں جو لمبائی اور چوڑائی میں زیادتی پائی جاتی ہے۔ خلاف سنت ہے اور اگر بطور تکبر ہو تو حرام ہے اور جو عرف اور عادت اور کسی قوم کی علامت کے طور پر ہو جائے تو اس میں حرج نہیں ہے، اگرچہ زیادتی کراہت سے خالی نہیں ہے، کپڑے کا حاجت سے زیادہ لٹکانا عورتوں کے لئے بھی حرام ہے۔ مردوں کی نسبت ان کے لئے ایک بالشت اور وہ کافی نہ ہو تو ایک ہاتھ کی زیادتی کی رخصت ہے بلکہ مستحب ہے تاکہ ستر کا مقصد پوری طرح حاصل ہو۔ اسی طرح حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے۔[1]

چوتھی قسم: وہ احادیث جن میں اسبال کو دیکھ کر اصلاح کی گئی ہے۔

---

[1] (اشعۃ اللمعات، کتاب اللباس، ج۳، ص۵۷۵، ۵۷۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۱) عن الاشعث بن سلیم قال سمعت عمّتی فحدثت عن عمها قال بینما انا امشی بالمدینة اذا انسان خلفی یقول ارفع ازارک فانه اتقی و ابقی فالتفت فاذا هو رسول الله ﷺ فقلت یا رسول الله انما هی بردة ملحاء قال امالک فی اسوة؟ فنظرت فاذا ازاره الی نصف ساقیه۔

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آواز دے کر مجھے کہا "ارفع ازارک فانه اتقی و ابقی" اپنی چادر کو اوپر اٹھاؤ کیونکہ اس میں (تیرے دل کی تکبر سے) زیادہ صفائی اور (تیرے کپڑے کی) بقاء ہے، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ (آواز دینے والے) رسول اللہ ﷺ تھے، میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ ایک ہلکی اور کم قیمت چادر ہے (لہٰذا اگر نیچے لگ کر ضائع بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ کے لئے میرے طرزِ حیات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک نصف پنڈلی تک اٹھا ہوا تھا۔[1]

(۲) عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال بینما رجل یصلی مسبلاً ازاره فقال له رسول الله ﷺ اذهب فتوضا فذهب فتوضا ثم جاء فقال اذهب فتوضا فقال له رجل یا رسول الله مالک امرته ان یتوضا ثم سکت عنه ثم قال انه کان یصلی وهو مسبلّ ازاره وان الله لا یقبل صلوٰة رجل مسبل۔

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص اپنا تہبند (ٹخنوں سے نیچے) لٹکا کر نماز پڑھ رہا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: جاؤ وضو کر آؤ، وہ چلا گیا پھر وضو کیا، پھر آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ وضو کر کے آؤ، تو ایک شخص نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ ﷺ نے اس کو وضو کرنے کا حکم کیوں فرمایا؟ پھر وہ خاموش ہو گئے پھر آپ ﷺ نے فرمایا: وہ نماز پڑھ رہا تھا اس حال میں کہ اس نے اپنا ازار (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا ہوا تھا اور بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جس نے ازار (ٹخنوں سے نیچے) لٹکایا ہو۔"[2]

فائدہ: آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تکبر کی وجہ سے لٹکانے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی، بلکہ مطلق ارشاد فرمایا۔

اس طرح گزری ہوئی حدیث میں حضرت عبید اللہ بن خالد سے بھی یہ نہیں پوچھا کہ آپ نے تکبر کی وجہ سے لٹکایا ہے بلکہ مطلق کپڑا لٹکا ہوا دیکھ کر ان کو منع فرمایا۔

قال الهیثمی: رواه أحمد ورجاله رجال الصحیح۔[3]

بعض حضرات نے اس حدیث کو ابو جعفر انصاری مدنی راوی کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے۔

---

[1] (شمائل ترمذی ۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)
[2] (ابو داؤد ۲/ ۵۶۵، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)
[3] (مجمع الزوائد ج۵ ص ۱۲۵)

مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ مقبول درجے کے راوی ہیں، ان سے امام بخاری نے ادب المفرد اور افعال العباد میں اور نسائی نے الیوم واللیلہ میں اور امام ابو داؤد، امام ترمذی وغیرہ نے سوائے مسلم کے روایات لی ہیں۔

اور علامہ ابنِ حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان کو مقبول قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے، اور بعض نے جو ان کا نام معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مجہول قرار دیا ہے، یا ان کا نام محمد بن علی قرار دیا ہے، یہ درست نہیں، کیونکہ ان کا پورا نام ابو جعفر محمد بن ابراہیم مؤذن انصاری مدنی ہے۔

روی له البخاری فی الأدب وفی أفعال العباد والنسائی فی الیوم الیلة والباقون سوی مسلم۔ روی له النسائی حدیث النزول، وروی له الباقون حدیث: ثلاث دعوات مستجابات لاشک فیهن وقال الترمذی: لایعرف اسمه۔[1]

وقال ابن حبان فی صحیحه: هو محمد بن علی بن الحسین۔

قلت: ولیس هذا بمستقیم لان محمد بن علی لم یکن مؤذنا لان أبا جعفر هذا قد صرح بسماعه من أبی هریرة فی عدة أحادیث، وأما محمد بن علی بن الحسین فلم یدرک أبا هریرة فتعین أنه غیره والله تعالیٰ أعلم وفی مصنف ابن أبی شیبة حدثنا أبو معاویة عن الاعمش عن ثابت بن عبید عن أبی جعفر الانصاری قال دخلت مع المصریین علی عثمان فلما ضربوه خرجت اشتد قد ملات فروجی عدوا حتی دخلت المسجد فاذا رجل جالس فی نحو عشرة وعلیه عمامة سوداء فقال: ویحک ما ورائِک؟ قال قلت: والله قد فرغ من الرجل قال فقال تبا لکم آخر الدهر۔ قال فنظرت فاذا هو علی بن أبی طالب۔ وبه عن الاعمش عن ثابت بن عبید عن أبی جعفر الانصاری/قال: رأیت أبا بکر الصدیق ولحیته ورأسه کأنهما جمر العضا وقد فرق أبو أحمد الحاکم بین هذا وبین الراوی عن أبی هریرة وأظن أنه هو وعنه أبو داؤد فی الصلاة عن یحیی بن أبی کثیر عن أبی جعفر غیر منسوب عن عطاء بن یسار عن أبی هریرة وأظنه هذا۔[2]

أبو جعفر المؤذن الأنصاری المدنی مقبول من الثالثة ومن زعم أنه محمد بن علی بن الحسین فقد وهم۔[3]

أبو جعفر المؤذن الأنصاری المدنی اسمه محمد بن ابراهیم: عن أبی هریرة ص وعنه یحیی بن أبی کثیر حسن الترمذی حدیثه۔[4]

امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس مقام پر ان کی حدیث کو حسن قرار دیا ہے اس کی عبارت یہ ہے:

قال أبو عیسی هذا حدیث حسن وأبو جعفر الرازی هذا الذی وروی عنه یحیی بن أبی کثیر یقال له أبو جعفر المؤذن ولا نعرف اسمه وقد روی عنه یحیی بن أبی کثیر غیر حدیث۔[5]

---

[1] (تهذیب الکمال ج۳۳ص ۱۹۱)

[2] (تهذیب التهذیب ج ۱۲، ص ۴۸، ۴۹)

[3] (تقریب التهذیب ج ۲ ص ۳۷۵)

[4] (لسان المیزان، ج۳ص ۲۶۹)

[5] (ترمذی حدیث نمبر ۳۳۷۰، ابواب الدعوات، باب ماذکر فی دعوة المسافر)

(۳) عن عمرو بن میمون.... وجاء رجل شاب فقال ابشر یا امیر المؤمنین ببشری اللہ لک من صحبة رسول اللہ ﷺ و قدم فی الاسلام ما قد علمت ثم ولیت فعدلت ثم شهادة قال وددت ان ذلک کفافا لا علی ولا لی فلما ادبر اذا ازاره یمس الأرض قال ردّوا علی الغلام قال یا ابن اخی ارفع ثوبک فانه انقی لثوبک و اتقیٰ لربّک۔

”حضرت عمرو بن میمون رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ (امیر المؤمنین کے زخمی ہونے کے بعد) ایک نوجوان شخص آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور کہا اے امیر المؤمنین آپ کو مبارک اور خوشخبری ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے نوازا اور شروع شروع میں اسلام لانے سے نوازا جو کہ آپ کو معلوم ہی ہے۔ پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکمران بنایا گیا پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدل و انصاف کیا اب شہادت کی موت نصیب ہو رہی ہے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا میں تو چاہتا ہوں کہ یہ (حساب و کتاب میں) نمٹا دیا جائے، نہ میرے اوپر کچھ ہو، نہ میرے لئے کچھ ہو، پھر جب وہ نوجوان واپس جانے لگا تو اس کا تہبند زمین کے ساتھ ٹکرا رہا تھا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس نوجوان کو میرے پاس واپس بلاؤ۔ پس آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بھتیجے! اپنے کپڑے کو اوپر اٹھا لو کیونکہ اس میں تیرے کپڑے کی زیادہ صفائی ہے اور تیرے ربّ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے زیادہ پرہیز گاری ہے۔“[1]

فائدہ: دیکھئے! امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس نوجوان سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا تم نے تکبر کی وجہ سے تہہ بند لٹکا رکھا ہے، بلکہ مطلقاً منع فرمایا۔

(۴) قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: واخرج الطبرانی من حدیث ابی امامة ”بینما نحن مع رسول اللہ ﷺ اذا لحقنا عمرو بن زرارة الانصاری فی حلة ازار و رداء قد اسبل فجعل رسول اللہ ﷺ یأخذبنا حیة ثوبه یتواضع للہ ویقول: عبدک وابن عبدک و امتک، حتی سمعها عمرو فقال: یا رسول اللہ انی حمش الساقین، فقال: یا عمرو ان اللہ قد احسن کل شئ خلقه، یا عمرو ان اللہ لا یحب المسبل“ الحدیث وأخرجه احمد من حدیث عمرو نفسه ”عن عمرو بن فلان“ وأخرجه الطبرانی ایضاً فقال: ”عن عمرو بن زرارة“ وفیه ”وضرب رسول اللہ ﷺ باربع اصابع تحت رکبة عمرو فقال: یا عمرو هذا موضع الازار“ الحدیث ورجاله ثقات وظاهره ان عمروا المذکور لم یقصد باسباله الخیلاء، وقد منعه من ذلک لکونه مظنة۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (جا رہے) تھے کہ پیچھے عمرو بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیں آکر ملے، انہوں نے تہہ بند اور چادر پہنی ہوئی تھی اور وہ ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھی، تو آپ ﷺ نے اسکے کپڑے کے ایک کنارے کو پکڑا اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع کرتے ہوئے فرمایا (یا اللہ! یہ) تیرا بندہ ہے اور

[1] (بخاری شریف ۱/۵۲۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ)

تیرے بندے اور بندی کا بیٹا ہے یہاں تک کہ عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی ان باتوں کو سن لیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں پتلی پنڈلی والا ہوں (اس لئے تہہ بند نیچے لٹکا رکھا ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے عمرو! رضی اللہ تعالیٰ عنہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو خوبصورت پیدا فرمایا ہے، اے عمرو! اللہ تعالیٰ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے والوں کے ساتھ محبت نہیں فرماتا اور طبرانی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہکے گھٹنے کے نیچے چار انگلیوں سے مارا اور فرمایا کہ اے عمرو! رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں تک ازار کی جگہ ہے۔"[1]

"حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں: یہ حدیث ظاہراً اس پر دال ہے کہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے تکبر کی وجہ سے ازار نہیں لٹکا رکھی تھی پھر بھی آپ ﷺ نے ان کو منع فرمایا کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے۔"

(۵) قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: واخرج الطبرانی من حدیث الشرید الثقفی قال: "ابصر النبی رجلاً قد اسبل ازارہ فقال: ارفع ازارک فقال: انی احنف تصطک رکبتای، قال: ارفع ازارک، فکل خلق اللہ حسن" واخرجہ مسدد وابو بکر بن ابی شیبۃ من طرق عن رجل من ثقیف لم یسم۔ وفی آخرہ "ذاک اقبح مما بساقک"۔

"حضرت شرید ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنا ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکایا ہوا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا ازار اوپر اٹھالو! اس نے کہا کہ میں ٹیڑھے پاؤں والا ہوں، میرے گھٹنے آپس میں ٹکراتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: اپنا تہہ بند اٹھالو، اللہ تعالیٰ کی تمام پیدا کردہ چیزیں خوبصورت ہیں!" اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اس عیب سے زیادہ قبیح ہے جو آپ کی پنڈلی میں ہے۔"[2]

فائدہ: ظاہر ہے کہ یہ صاحب جو محض اپنا عیب چھپانے کے لئے ڈھانپ رہے تھے نہ کہ تکبر کی وجہ سے، پھر بھی آپ ﷺ نے انہیں منع فرمادیا، معلوم ہوا کہ اپنے اختیار سے ٹخنے ڈھانپنا مطلقاً ممنوع ہے۔

(۶) قال الحافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ: واخرج النسائی وابن ماجۃ وصححہ ابن حبان من حدیث المغیرۃ بن شعبۃ "رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخذ بردا سفیان بن سھیل وھو یقول: یا سفیان لا تسبل، فان اللہ لا یحب المسبلین۔

"حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ سفیان بن سہیل رضی اللہ عنہ کی چادر کو پکڑ کر فرما رہے تھے: اے سفیان! (چادر کو) نہ لٹکاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ (ٹخنوں سے نیچے) چادر لٹکانے والوں سے محبت نہیں فرماتا۔[3]

[1] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[3] (فتح الباری ۱۰/۳۲۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

فائدہ: یہ نہیں فرمایا کہ جو تکبر سے لٹکائے اس سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں فرماتا بلکہ مطلق ارشاد فرمایا، معلوم ہوا کہ مطلقاً ممنوع ہے۔

عورتوں کا ازار

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلى الله عَلَيهِ وسَلم قَالَتْ سُئِلَ النَّبِيُّ صلى الله عَلَيهِ وسَلم عَنْ ذَيْلِ الْمَرْأَةِ فَقَالَ شِبْرًا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِذًا تَبْدُوَ أَقْدَامُهُنَّ قَالَ فَذِرَاعًا لاَ يَزِدْنَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عورت کے دامن کے متعلق سوال ہوا تو فرمایا: ایک بالشت (مرد سے) زیادہ کرے، میں عرض کیا یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! پھر تو عورت کے قدم نظر آئیں گے تو ارشاد فرمایا: ایک گز (ہاتھ) زیادہ کرے اور اس سے زیادہ نہ کرے۔[1]

وَعَن أم سَلمَة قَالَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ ذَكَرَ الْإِزَارَ: فَالْمَرْأَةُ يَا رَسُولَ اللهِ؟ قَالَ. تُرْخِي شِبْرًا فَقَالَتْ: إِذًا تَنْكَشِفُ عَنْهَا قَالَ: «فَذِرَاعًا لَا تَزِيدُ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: حضرت سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکم فرمایا کہ ازار میں درازی نہ کرنی چاہیے تو میں نے استفسار کیا کہ عورت کو پھر کیا کرنا چاہیے تو آپ ﷺ نے فرمایا اے کہ عورت اپنی ازار کو ایک بالشت دراز کرے۔ یعنی آدھی پنڈلیوں سے اور لٹکائے اور بعض نے کہا کہ ٹخنوں سے نیچے ایک بالشت تو اس وقت میں نے کہا کہ اگر ایسا بھی کرے تب بھی کھلا رہے گا یعنی بالشت بھر میں بھی ستر کے کھلنے کا احتمال ہے۔ پس اگر پنڈلی کی درازی کی وجہ سے مثلا فرمایا ستر کھلا رہے تو ایک گز دراز کرے یعنی شرعی گز اور دراز کا معنی یہ ہے کہ پہنچے ایک بالشت یا ایک شرعی گز (ہاتھ) دراز کرے تاکہ یہ مقدار زمین تک پہنچے اور قدم ڈھکے رہیں پھر ممانعت میں مبالغہ کرتے ہوئے فرمایا کہ عورت ایک گز سے زیادہ نہ کرے۔[2]

مذکورہ بالا حدیث کے تحت عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

رسول کریم ﷺ نے اسبال سے جو مباح فرمایا ہے، وہ صرف ضرورت کے تحت اجازت دی ہے کیونکہ دامن ڈھیلا کرنے سے منع کرنے کے بعد جو عورت کو اسبال کا حکم دیا ہے وہ صرف اتنی مقدار کہ جس سے وہ اپنا ستر قائم رکھ سکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شلوار اور چادر وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا واجب اور نیچے رکھنا حرام ہے۔[3]

---

[1] (سنن الدارمی، باب فی ذیول النساء، ج، ۲، ص، ۳۶۱)

[2] (سنن ابو داؤد، رقم: ۴۱۱۷، وسنن الترمذی، رقم: ۱۷۳۱، وسنن النسائی، رقم: ۵۳۳۶، وسنن ابن ماجه، رقم: ۳۵۸۰، وموطا امام مالک، رقم: ۱۳، ومسند احمد، ج، ۶، ص، ۳۰۹)

[3] (حاشیه مؤطا امام مالک، فی اسبال الرجل ثوبه، ص، ۵۶۱، مکتبه رحمانیه، لاهور)

کفِ ثوب

یہ جاننا چاہیئے کہ صورت مسئولہ میں جس کف ثوب کا تذکرہ ہے اور جس سے نماز کے مکروہ ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے یہ بعض علماء اہل سنت کی تحقیق ہے کیونکہ جمہور فقہائے احناف، افغانستان کی اکثریت اور پاکستان کے دیہاتی اور قبائلی علاقہ جات اور دیگر ممالک کے علماء اہل سنت کے ہاں صورت مسئولہ میں نماز میں کوئی کراہت نہیں پائی جاتی اور نماز بلا کراہت جائز ہے، اسی طرح علماء دیوبند بھی اس مسئولہ طریقے اور کیفیت پر نماز کے جواز اور عدم کراہت کے قائل ہیں یعنی ان کے نزدیک بھی اگر کسی نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس نے شلوار یا پتلون کو نیفے یا پائنچے سے موڑا ہوا ہو تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہے کیونکہ ان جمہور فقہائے احناف، اکثر علماء اہل سنت کے ہاں کف ثوب کی وہ تعریف نہیں ہے جو بعض علماء اہل سنت کرتے جس سے مکروہ قرار دی جائے۔

علماء دیوبند کے حکیم الامت لکھتے ہیں: مسئلہ: نماز میں ادھر ادھر سے اپنے کپڑے کو سمیٹنا، سنبھالنا کہ مٹی نہ بھرنے پاوے مکروہ ہے۔[1]

امامِ اہلسنت مجدد دین وملت حضرت شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز میں آستین چڑھانے کے مسئلے میں مسلم شریف کی دو حدیثیں لکھنے کے بعد فقہائے احناف کے حوالے سے لکھتے ہیں: تمام متون مذہب میں ہے: کرہ کف ثوبہ۔ کپڑوں کو اٹھانا مکروہ ہے....... اور بعض کتابوں میں ہے کرہ لف ثوبہ۔

غنیۃ میں ہے:

یکرہ ان یکف ثوبہ وھو فی الصلوۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین یدیہ او من خلفہ عند السجود او یدخل فیھا وھو مکفوف کما اذا دخل وھو مشمر الکم او الذیل۔

عمل قلیل کے ساتھ نماز میں کپڑا چڑھانا مکروہ ہے یا بایں طور کہ پیچھے یا آگے سے سجدہ کے وقت اٹھائے یا نماز میں کپڑا اٹھائے ہوئے داخل ہونا جیسا کہ نماز میں داخل ہوتے وقت اس نے آستین یا دامن چڑھایا ہوا تھا۔[2]

---

[1] (بہشتی زیور، ص ۳۳، حصہ دوم، جو چیزیں نماز میں مکروہ اور منع ھیں ان کا بیان، ایچ ایم سعید)

[2] (فتاویٰ رضویہ، ج ۷ ص ۳۱۰-۳۱۱، باب مکروھات الصلوۃ، رضا فائونڈیشن، لاھور)

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی لکھتے ہیں:

کپڑے یا بدن یا داڑھی کے ساتھ کھیلنا، کپڑا سمیٹنا مثلاً سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے اٹھا لینا اگرچہ گرد سے بچانے کے لئے ہو اور اگر بلا وجہ ہو تو اور زیادہ مکروہ، کپڑا لٹکانا مثلاً سر یا مونڈھے پر اس طرح ڈالنا کہ دونوں طرف کنارے لٹکتے ہوں یہ سب مکروہ تحریمی ہے۔[1]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی کی عبارات سے معلوم ہوا کہ کف ثوب یعنی کپڑا سمیٹنا اس کو کہتے ہیں کہ جب نمازی سجدہ کے لئے جاتا ہے تو وہ اپنے کپڑے کو مٹی سے بچانے کے لئے یا بغیر کسی وجہ کے اٹھاتا ہے تو یہ مکروہ ہے نہ کہ نماز سے پہلے پائنچے یا نیفہ سے موڑنا۔

یاد رہے کہ بہار شریعت کی تیسری جلد پر امام احمد رضا خان محدث بریلوی کی تصدیق و تقریظ بھی موجود ہے۔

کف ثوب کی یہی تعریف اور کیفیت جمہور فقہائے احناف، امام احمد رضا خان محدث بریلوی سمیت اکثر علماء اہل سنت اور علماء دیوبند نے بیان کی ہے۔

اگرچہ بعض علماء اہلسنت یوں لکھتے ہیں:

پائنچوں کو نیچے سے موڑ لینا یا ازار بند کی جگہ سے اڑس لینا "کف ثوب" ہونے کی وجہ سے مکروہ تحریمی کے حکم میں ہے۔

درج بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض علماء بریلوی نے کف ثوب کے حکم کے ساتھ ساتھ "کف ثوب ہونے کی وجہ سے "جمہور فقہائے احناف، اکثر علماء اہلسنت، امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی رحمہم اللہ کے ساتھ اختلاف کیا ہے اور کف ثوب کی ایسی تعریف بیان فرمائی ہے جو ان علماء نے نہیں کی، جس کی وضاحت آرہی ہے۔

اب ہم احادیث مبارکہ اور فقہ حنفی سے کف ثوب اور لف ثوب کی وضاحت کرتے ہیں کہ کف ثوب اور لف ثوب کیا ہے جو مکروہ ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعة اعضاء و لا یکف شعرا و لا ثوبا الجبهة و الیدین و الرکبتین و الرجلین۔

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ سات اعضاء یعنی پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنوں اور دونوں پاؤں پر سجدہ کریں اور موئے مبارک اور کپڑے کو نہ سمیٹیں۔[2]

---

[1] (عامہ کتب) (بہار شریعت حصہ سوم، ص ۱۶۲، مکروہات کا بیان، شیخ غلام علی، کراچی)

[2] (بخاری ص ۱۱۲ ج ۱ باب السجود علی سبعة اعظم نور محمد کراچی)

فقہائے احناف کف ثوب کے بارے میں لکھتے ہیں:

(۱) علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ای رفعه بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود وقیل ان یجمع ثوبه ویشده فی وسطه۔۔۔ ولما فیه من التجبر المنافی لوضع الصلوۃ وهو الخشوع والخضوع۔

کف ثوب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹنا۔ ایک قول یہ ہے کہ کپڑے لپیٹ کر درمیان سے باندھ لینا (اس کی کراہت کی وجہ یہ ہے کہ) اس میں تجبر (تکبر) کی ایک قسم پائی جاتی ہے جو نماز کے مقصد یعنی خشوع وخضوع کے منافی ہے۔[1]

(۲) علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(وقیل ان یجمع ثوبه الخ) لانه صنیع اهل الکتاب۔۔۔ (قوله لما فیه من التجبر) قال فی منیة المصلی ویکره کل ما کان من اخلاق الجبابرة۔

"ایک قول یہ ہے کہ کپڑے لپیٹ کر درمیان سے باندھ لینا کیونکہ یہ اہل کتاب کا طریقہ ہے۔۔۔ اس میں ایک قسم کا تکبر ہے، منیۃ المصلی میں ہے کہ متکبرین کا کوئی بھی عمل نماز میں مکروہ ہے۔"[2]

(۳) شیخ جلال الدین خوارزمی لکھتے ہیں:

(وقوله ولا یکف ثوبه) والکف ان یرفع الثوب من بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود کذا فی المغرب۔

(شارح کا قول کپڑے نہ سمیٹنے) کف ثوب یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں۔[3]

(۴) ابی محمد محمود بن احمد العینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کف ثوب کی تعریف یوں لکھتے ہیں:

المراد من کف الثوب القبض والضم وأن یرفعه من بین یدیه أو من خلفه اذا أراد السجود۔

یعنی کف ثوب سے مراد ہے کہ کپڑوں کو ضم کرلینا، یا سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لینا۔

(۵) عبد الرّحمن الجزیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نماز کی مکروہات کے بارے میں باب لگاتے ہیں:

{رفع المصلی ثوبه من خلفه أو قدامه وهو یصلّی۔} منها رفع ثوبه بین یدیه أو من خلفه فی الصلاة لقوله ﷺ: "أمرت أن أسجد علی سبعة أعظم وأن لا أکف شعراً ولا ثوباً" ورواه الشیخان۔

---

[1] (امداد الفتاح، ص ۳۷۹، فصل فیما یکره فی الصلوۃ، صدیقی پبلشرز کراچی)

[2] (طحطاوی، ص ۳۵۰، فصل فیما یکره فی الصلوۃ، قدیمی کراچی)

[3] (کفایه علی الهدایه، مع فتح القدیر ص ۳۵۹، ج ۱، فصل ویکره للمصلی الخ، حقانیه پشاور)

بعض مکروہات میں سے یہ ہے کہ کپڑوں کو نماز میں آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لینا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑے نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں۔[1]

(۶) علامہ سید احمد الطحطاوی الحنفی لکھتے ہیں:

(وکره كفه) سواء كان من بين يديه أو من خلفه عند الانحطاط۔

یعنی کف ثوب مکروہ ہے اور اس کی تعریف یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ نمازی سجدہ میں جاتے وقت کپڑوں کو آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لے۔[2]

(۷) البرجندی شرح لمختصر الوقایہ میں ہے:

وكفه اى كف الثوب وهو القبض والضم وان يرفعه بين يديه او من خلفه اذا اراد السجود۔

یعنی کف ثوب یہ ہے کہ کپڑوں کو ضم کر لینا یا سجدہ میں جاتے وقت آگے سے یا پیچھے سے سمیٹ لینا۔[3]

(۸) علامہ ابو بکر بن علی بن محمد حدادیمنی لکھتے ہیں:

ولا يكف ثوبه وهو ان يرفعه من بين يديه او من خلفه اذا اراد السجود قال عليه السلام امرت ان اسجد على سبعة اعظم لا اكف ثوبا ولا اعقص شعرا۔

نمازی کپڑے کو نہ سمیٹے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹے لئے جائیں، آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑے نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں۔[4]

(۹) علامہ شمس الدین محمد خراسانی قہستانی لکھتے ہیں:

(وكفه) اى ضم الثوب ورفعه من بين يديه او من خلفه عند السجود كما فى الكرمانى۔

(کف ثوب یہ ہے) کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹنا اور اٹھانا جیسا کہ کرمانی میں ہے۔[5]

(۱۰) امام برہان الدین ابو المعالی محمود بن صدر الشریعۃ ابن مازہ البخاری لکھتے ہیں:

كذلك يكره له ان يكف ثيابه او يرفعها لئلا يتترب لان فيه نوع تجبر ويكره للمصلى ما هو من اخلاق الجبابرة۔

---

[1] (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، ج ۱، ص ۲۵۰)

[2] (حاشيه طحطاوى ج ۱، ص ۲۷۰)

[3] (مختصر الوقايه، ج ۱، ص ۱۳۰)

[4] (الجوهرة النيرة، ص ۷۵، ج ۱، باب صفة الصلوة، قديمى كراچى)

[5] (جامع الرموز، ص ۱۹۴، ج ۱، فصل يفسد الصلوة، ايچ ايم سعيد)

ترجمہ: اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ (سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے) کپرے سمیٹے یا اٹھائے تا کہ مٹی میں نہ لگے۔اور اس میں تجبر (تکبر) کی ایک قسم پائی جاتی ہے اور نمازی کے لئے متکبرین کی روش اختیار کرنا مکروہ ہے۔[1]

(۱۱) علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

ویکرہ ان یکف ثوبہ لما روی عن النبی ﷺ انہ قال امرت ان اسجد علی سبعة اعظم وان لا اکف ثوبا ولا اکف شعرا ولان فیہ ترک سنة وضع الید۔

نمازی کے لئے کپڑا سمیٹنا مکروہ ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے سات اعضاء پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ کہ میں کپڑوں کو نہ سمیٹوں اور بالوں کی چوٹی نہ بناؤں اور اس میں (ناف پر) ہاتھ رکھنے کے سنت طریقے کا ترک آ رہا ہے۔[2]

(۱۲) فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

یکرہ للمصلی۔۔۔ان یکف ثوبہ بان یرفع ثوبہ من بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود کذا فی معراج الدارية۔

اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹے یا اٹھائے جیسا کہ معراج الدرایہ میں ہے۔[3]

(۱۳) علامہ عالم بن علاء انصاری دہلوی لکھتے ہیں:

وکذلک یکرہ لہ ان یکف ثوبہ او یرفعہ لئلا یتترب۔

اسی طرح نمازی کے لئے مکروہ ہے کہ وہ (سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے) کپڑے سمیٹے یا اٹھائے تا کہ مٹی نہ لگے۔

(۱۴) علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

ویکرہ ایضا کف ثوبہ۔۔۔وھو رفعہ بین یدیہ او من خلفہ اذا اراد السجود۔

کف ثوب مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں۔[4]

(۱۵) علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

وکرہ کفہ ای رفعہ ولو لتراب کمشمر کم او ذیل۔

کپڑا اٹھانا اور چڑھانا مکروہ ہے اگرچہ مٹی سے بچانے کے لئے ہو، جیسا کہ آستین یا دامن کو چڑھانا۔[5]

---

[1] (المحیط البرھانی، ص ۱۳۹، ج ۲، الفصل الرابع: مایکرہ فی الصلوۃ، ادارۃ القرآن کراچی)

[2] (بدائع الصنائع، ص ۲۱۶ ج ۱، فصل واما بیان مایستحب فیھا ومایکرہ، رشیدیہ، کوئٹہ)

[3] (فتاویٰ عالمگیری، ج ۱، ص ۱۰۵، باب السابع فیما یفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوۃ ومالا یکرہ، رشیدیہ، کوئٹہ)

[4] (النھر الفائق ص ۲۸۱، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ مایکرہ فیھا، امدادیہ ملتان)

[5] (الدر المختار ص ۶۴۰، ج ۱، الباب، مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

(۱۶) علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

(قولہ رفعه) ای سواء کان من بین یدیه او من خلفه عند الانحطاط للسجود۔ بحر۔

ماتن کا قول کپڑے سمیٹنا، خواہ آگے سے ہو یا پیچھے سے، جب سجدہ کے لئے جھکتا ہو۔ [1]

(۱۷) علامہ شلبی لکھتے ہیں:

وهو ان يضم اطرافه اتقاء التراب ونحوه۔

کف ثوب یہ ہے کہ کپڑے کے کنارے مٹی سے بچانے کے لئے سمیٹ لئے جائیں۔ [2]

احادیث مبارکہ اور فقہاء کے اقوال میں لفظِ "کف" آیا ہے جس کا مطلب سمیٹنا ہے اسی طرح بعض فقہاء کرام کی عبارات میں لفظ "لف" آیا ہے، جیسا کہ خلاصہ میں ہے: لف الثوب۔۔۔ الخ (الباب السادس فی المکروهات)۔ اس کا ترجمہ کف ہی کی طرح ہے، جیسا کہ صاحبِ خلاصہ نے خود اس کی وضاحت کی ہے: وهو رفع الثوب من بين يديه او من خلفه عند السجود وهو نوع تجبر۔

اجلہ حنفی فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات سے معلوم ہوا کہ کف ثوب اور لف ثوب اس کو کہتے ہیں کہ جب نمازی سجدہ کے لئے جائے تو اپنے کپڑوں کو مٹی سے بچانے کے لئے یا بلاوجہ آگے یا پیچھے سے اٹھائے، ان مذکور فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے وہ تعریف نہیں کی جو بعض علماء اہلسنت نے کی کہ نماز سے پہلے شلوار یا پتلون کے پائنچوں یا نیفے کو موڑ کر لپیٹ لیا جائے، اور ان فقہاء نے (سوائے علامہ شامی کے جس کی وضاحت آرہی ہے) اس کے ساتھ یہ بھی نہیں لکھا کہ اس سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ کف ثوب کی تعریف یہی ہے جو عبارات فقہ سے معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کف ثوب مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

کیا کف ثوب مکروہ تحریمی ہے؟

بعض علماء اہلسنت نے کف ثوب (جس کی تعریف فقہاء احناف کی عبارات سے واضح کر دی گئی یعنی سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا) کو علامہ شامی کے حوالے سے مکروہ تحریمی قرار دیا کہ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے بارے میں فرمایا: وحرر الخير الرملي مايفيد ان الكراهة فيه تحريمية۔ علامہ خیر الدین رملی نے لکھا ہے کہ کف ثوب مکروہ تحریمی ہے۔ [3]

---

[1] (الدر المختار ص ۶۴۰، ج ۱، الباب، مایفسد الصلوۃ و مایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[2] (حاشیه علی تبیین الحقائق، ص ۴۱۰، ج ۱، کتاب الصلوۃ باب مایفسد الصلوۃ و مایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[3] (شامی ص ۶۴۰، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ و مایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول جم غفیر فقہائے احناف کے مقابلے میں واجب القبول نہیں ہے یہ ان کی اپنی تحقیق ہے جس کی طرف کسی اور فقیہ نے التفات نہیں فرمایا، اور علامہ رملی (علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ مجتہد نہیں ہیں اور اگر مجتہد مان بھی لیا جائے پھر بھی ان کا قول خلاف مذہب ہونے کی وجہ سے نہیں مانا جائے گا) نے کف ثوب کی کراہت تحریمی کی کوئی علت اور دلیل بھی ذکر نہیں فرمائی حالانکہ علامہ شامی نے مکروہ تحریمی کی تعریف فرماتے ہوئے لکھا ہے: **قلت: وَيُعْرَفُ أَيْضًا بِلَا دَلِيلِ نَهْيٍ خَاصٍّ، بِأَنْ تَضَمَّنَ تَرْكَ وَاجِبٍ أَوْ تَرْكَ سُنَّةٍ. فَالْأَوَّلُ مَكْرُوهٌ تَحْرِيمًا، وَالثَّانِي تَنْزِيهًا۔** میں (شامی ج ۱ ص ۶۳۹ مطلب فی الْكَرَاهَةِ التَّحْرِيمِيَّةِ وَالتَّنْزِيهِيَّة) کہتا ہوں کہ مکروہ کی پہچان اس طرح بھی ہوتی ہے کہ اگرچہ اس میں کسی خاص نھی کی دلیل نہ ہو بایں طور کہ وہ کسی واجب یا سنت کے ترک کو متضمن ہو تو اس صورت میں پہلا (جب واجب ترک ہو جائے تو) مکروہ تحریمی ہے، اور دوسرا (جب سنت ترک ہو جائے تو) مکروہ تنزیہی ہے۔

اور یہ معلوم ہوا کہ کف ثوب کے عمل سے کسی ایسے عمل کا ترک لازم نہیں آتا جو نماز کے واجبات میں سے ہو۔

بلکہ علامہ شامی نے خود بحر کے حوالے سے اس کراہت تحریمیہ کا رد فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

وقیل لا بأس بصونه عن التراب۔ بحر عن المجتبیٰ۔

اگر مٹی سے کپڑوں کو بچانے کے لئے کپڑے سمیٹ لئے جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے (یعنی مکروہ نہیں ہے)۔[1]

معلوم ہوا کہ علامہ رملی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول واجب العمل والا فتاء نہیں ہے۔[2]

کہ جمہور کے مقابلے میں ایک قول کو لے کر کف ثوب پر کراہت تحریمی کا فتویٰ لگا کر لوگوں کی نماز کو واجب الاعادہ قرار دیا جائے۔ (یاد رہے کہ کراہت کا یہ اختلاف اس کف ثوب کے بارے میں ہے جس کی تفصیل اور وضاحت فقہائے احناف کی عبارات میں کر دی گئی ہے، پائنچے موڑنے یا نیفہ سے شلوار کو اڑسنے کو کسی فقیہ نے حتی کہ امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد امجد اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کف ثوب کی تعریف میں ذکر نہیں فرمایا بلکہ سب حضرات نے حدیث کی روشنی میں کف ثوب کی تعریف یہ کی ہے کہ سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا اور اٹھانا۔)

کف ثوب مکروہ نہیں ہے:

بعض فقہاء احناف نے کف ثوب کو مکروہ بھی قرار نہیں دیا، اور جنہوں نے مکروہ قرار دیا اس کی دو علتیں ذکر فرمادیں، ایک یہ کہ اس میں متکبرین کی نشانی پائی جائے اور دوسرے یہ کہ اس میں اہل کتاب (غیر مسلموں) سے تشبیہ آتی ہے، جیسا کہ

---

[1] (شامی، ص ۶۴۰، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ و مایکرہ فیھا، ایچ ایم سعید، کراچی)

[2] (بلکہ قاعدہ مسلمہ ھے کہ حق وھی ھوتا ھے جو جمھور کھتا ھے کمافی البدر الساری الی فیض الباری ج ۲ ص ۱۶۴ مکتبہ عزیزیہ فلعمل علی ماعلیہ جمھور العلماء فتح الملھم ج ۲ ص ۴۴۰ و بالجملۃ ان مذھب الامام و ھو مذھب المنصور و الیہ ذھب الجمھور فیض الباری ج ۴ ص ۱۸۴)

عباراتِ فقہاء سے معلوم ہو چکا ہے۔ اب اگر یہ علت بھی نہ ہو تو (حکم) کراہت بھی ختم ہو جائے گی اس لئے بعض علماء نے کف ثوب کو مکروہ قرار نہیں دیا بلکہ کپڑے چڑھا کر نماز ادا کرنا خود رسول اللہ ﷺ سے بھی ثابت ہے اور اگر آپ ﷺ کے اس عمل کو دیکھ کر اگر کوئی اس طریقے پر (کپڑا سمیٹ کر) نماز پڑھے گا تو مکروہ نہیں بلکہ مستحب قرار دینا چاہیئے اور یہی محبت رسول اللہ ﷺ کا تقاضا بھی ہے کہ محبوب کی ادا بھی محبوب ہونی چاہیئے نہ کہ مکروہ۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

وَعَنِ أَبِي جُحَيْفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْأَبْطَحِ فِي قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ أَدَمٍ، وَرَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ وَضُوءَ رَسُولِ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -، وَرَأَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُونَ ذَلِكَ الْوَضُوءَ فَمَنْ أَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهِ، وَمَنْ لَمْ يُصِبْ مِنْهُ أَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهِ، ثُمَّ رَأَيْتُ بِلَالًا أَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ. مُشَمِّرًا صَلَّى إِلَى الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ، وَرَأَيْتُ النَّاسَ وَالدَّوَابَّ يَمُرُّونَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَزَةِ.

ابو جحیفہ نے کہا میں نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ نیزہ لا کر زمین میں گاڑ دیا پھر اقامت کہی میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ حلہ کو چڑھائے (سمیٹے) آئے اور نیزہ کی طرف دو رکعتیں پڑھیں اور میں نے لوگوں کو اور جانوروں کو آپ ﷺ کے سامنے نیزے کے آگے چلتے دیکھا۔[1]

اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

رواه الثوری عن عون بن ابی جحیفة فقال فی حدیثه کأنی انظر الی بریق ساقیة قال الاسماعیلی: وهذا هو التشمیر، ویؤخذ منه ان النهی عن کف الثوب فی الصلوة محله فی غیر ذیل الازار۔

ثوری نے عون بن ابی جحیفہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی حدیث میں فرمایا: گویا میں رسول اللہ ﷺ کی پنڈلیوں کی چمک کو دیکھ رہا ہوں" اسماعیلی نے کہا یہی تشمیر (کپڑے کو چڑھانا، سمیٹنا) ہے۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ لیا جا سکتا ہے کہ نماز میں جس کف ثوب سے منع کیا گیا ہے اس کا محل تہبند (یا شلوار وغیرہ) کے علاوہ کپڑوں کو سمیٹنا اور چڑھانا ہے۔[2]

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اپنے ازار (تہبند) مبارک کو اتنا اونچا کر کے نماز پڑھی کہ آپ ﷺ کی پنڈلی مبارک کی چمک بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دیکھ لی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شلوار اوپر چڑھا کر (نیفہ سے یا پائنچوں سے موڑ کر) نماز پڑھنے میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ یہ ممنوع کف ثوب کا مقام نہیں ہے۔

---

[1] (بخاری ص ۵۴ ج ۱ باب فی الثوب الاحمر قدیمی کراچی)

[2] (فتح الباری شرح صحیح بخاری ص ۳۶۹ ج ۱۲ کتاب اللباس باب التشمیر فی الثیاب مکتبہ مصطفی البابی مصر) (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری، ج ۱۲، ص ۵۰۸، کتاب الباس، باب التشمیر فی الثیاب، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

التشمیر: بالشین المعجمة ازاره اذا رفعه۔۔۔وفیه التشمیر فی الصلوٰة مباح وعند المهنة والحاجة الیه وهو من التواضع ونفی التکبر والخیلاء۔

تشمیر شین کے ساتھ شمر ازارہ سے مشتق ہے جب کوئی کپڑے اٹھائے (سمیٹے) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نماز میں کپڑے سمیٹنا مباح ہے اور کام کاج یا ضرورت کے تحت کپڑے چڑھانا (بھی مباح ہے) اور یہ (کپڑے سمیٹنا) عاجزی کی دلیل ہے اور اس میں تکبر اور خود پسندی کی نفی ہے۔[1]

علامہ عینی کی تحقیق نے ان حضرات کو لاجواب کر دیا جو عوام الناس سے کہتے رہتے ہیں کہ نماز میں کف ثوب مکروہ ہے اور یہ کہتے ہیں کہ کپڑا اڑسنا یا سمیٹنا تکبر کی نشانی ہے حالانکہ علامہ عینی نے کف ثوب کو غیر مکروہ (مباح) اور عاجزی کی نشانی بتائی اور اسی نیت سے عوام نماز میں کپڑے سمیٹتے ہیں جو احسن طریقہ ہے۔

علامہ طحطاوی لکھتے ہیں:

وفی الخلاصة انه لا یکره قال الحلبی وهو المختار۔

خلاصہ میں ہے کہ کف ثوب (کپڑے سمیٹنا) مکروہ نہیں ہے اور یہی مختار ہے۔[2]

شمس الدین محمد خراسانی قہستانی لکھتے ہیں:

وقیل لا بأس به لصونه عن التتریب کما فی الزاهدی۔

کہا گیا کہ مٹی سے بچانے کے لئے کپڑے سمیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[3]

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

وقیل لا بأس بصونه عن التراب کما فی المجتبیٰ۔

کہا گیا کہ مٹے سے بچانے کے لئے کپڑے سمیٹنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ مجتبیٰ میں ہے۔

معلوم ہوا کہ کپڑوں کو مٹی سے پاک رکھنے کی نیت سے یا بغیر اس نیت کے بلاوجہ کپڑے سمیٹ لئے جائیں تو مکروہ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ کے عمل کی وجہ سے محبوب ہونا چاہیئے۔

---

[1] (عینی شرح بخاری، ص ۲۹۶ ج ۲۱ کتاب اللباس باب التشمیر فی الثیاب، بیروت)

[2] (طحطاوی، ص ۳۵۰، فصل فیمایکره فی الصلوة، قدیمی کراچی)

[3] (البحر الرائق، ص ۲۴، ج ۲، کتاب الصلوٰة، باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها، رشیدیه کوئٹه)

کف ثوب کی کراہت نماز کے اندر ہے نہ کہ باہر:

جیسا کہ احادیث مبارکہ اور فقہائے کرام کی کتب سے معلوم ہوتا ہے، مثلاً السنن الکبریٰ جلد ثانی صفحہ ۳۴۲ میں ابی بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے باب باندھا ہے:

باب کراھیة اسبال الازار فی الصلوۃ ۔یعنی باب شلوار کو نماز میں ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی کراہیت پر۔ جیسا کہ اس باب کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فی ظرفیت کے لئے ہے، اور مظروف ظرف کے اندر ہوتا ہے۔

اسی طرح کتاب کے شروع میں مذکورہ حدیث میں بھی کف ثوب کا جو ذکر ہے وہ نماز کے اندر مکروہ ہے۔

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال امر النبی ﷺ ان یسجد علی سبعة اعضاء و لا یکف شعرا و لا ثوبا الجبهة و الیدین و الرکبتین و الرجلین۔[1]

اس کی تائید مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ہوتی ہے:

أخبرنا حمید بن مسعدة عن یزید قال حدثنا شعبة و روح عن عمرو بن دینار عن طاوسٍ عن ابن عباس أن رسول اللہ ﷺ قال: أمرت أن أسجد علی سبعة و لا أکف شعراً و لا ثوبا۔[2]

اسی طرح عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (جلد۶، صفحہ ۹۱) میں حدیث کے اس حصے (**و لا یکف شعرا و لا ثوبا**) کی تشریح میں لکھتے ہیں:

و فیه کراھة کف الثوب و الشعر و ظاھر الحدیث النھی عنه فی حال الصلاۃ و الیه مال الداودی۔

ظاہر حدیث اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ کف ثوب نماز کے اندر مکروہ ہے اور داؤدی بھی اس طرف گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ کف ثوب نماز کے اندر مکروہ ہے، خاص طور پر سجدہ میں جاتے ہوئے کپڑے کو سمیٹ لینا۔ اس ہی بات کی تائید فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی فرمائی ہے جیسا کہ علامہ سراج الدین عمر بن ابراہیم ابن نجیم حنفی نے لکھا ہے: **و یکرہ ایضا کف ثوبه۔۔۔ و ھو رفعه بین یدیه او من خلفه اذا اراد السجود۔** کف ثوب مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے سمیٹ لئے جائیں۔[3]

---

[1] (بخاری، ص ۱۱۲، ج ۱، باب السجود علی سبعة اعظم، نور محمد کراچی)

[2] (السنن الکبریٰ ج ۱ ص ۲۳۵، باب النھی عن کف الشعر فی السجود)

[3] (النھر الفائق ص ۲۸۱، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ مایکرہ فیھا، امدادیه ملتان)

فقہائے کرام نے باب باندھا ہے:

باب فی کراھیۃ الصلوۃ۔ یعنی یہ باب نماز کے مکروہات کے بارے میں ہے، اور یہاں پر بھی فی ظرفیت کے لئے آیا ہے۔

اور ان ہی ابواب میں کف ثوب کا مسئلہ بھی مندرج ہے۔ یعنی کف ثوب نماز میں مکروہ ہے، نہ کہ باہر۔

اگرچہ بعض علماء اہل سنت نے علامہ شامی کے حوالے سے لکھا ہے کہ کف ثوب یعنی مسئولہ صورت مطلقاً (خواہ نماز سے پہلے ہو یا نماز کے اندر) مکروہ تحریمی ہے اور اس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

جیسے کوئی آستین چڑھا کر یا دامن سمیٹ کر نماز شروع کرے اور مصنف (صاحب در مختار) نے اپنے اس قول کے ذریعے اس جانب اشارہ دیا ہے کہ کراہیت صرف اثناء نماز میں کپڑے اڑسنے پہ ہی موقوف نہیں بلکہ اگر کسی نے نماز سے پہلے بھی ایسا کیا تو اس کی نماز مکروہ ہو گی۔

لیکن فقہائے احناف میں سے بعض فقہاء کا قول یہ ہے کہ کف ثوب یعنی کپڑے اٹھانا سمیٹنا اس وقت مکروہ ہے جب نماز کے اندر ہو جیسا کہ فتاویٰ رضویہ صفحہ ۳۱۰، ج ۷ کے حوالے سے گزر گیا، یعنی نماز سے پہلے پائنچے یا نیفہ موڑنے یا سمیٹنے سے نماز مکروہ نہیں ہو گی۔

شیخ ابراہیم حلبی لکھتے ہیں:

ویکرہ ایضا ان یکف ثوبہ وھو فی الصلوٰۃ بعمل قلیل بان یرفعہ من بین او من خلفہ عند السجود۔

نمازی کے لئے نماز کی حالت میں عمل قلیل کے ساتھ کپڑا چڑھانا مکروہ ہے وہ اس طرح کہ سجدہ میں جاتے وقت آگے یا پیچھے سے کپڑے اٹھائے۔

علامہ طاہر بن عبد الرشید لکھتے ہیں:

ویکرہ للمصلی ان یکف ثوبہ او یرفعھا۔

نمازی کے لئے کپڑا سمیٹنا یا اٹھانا مکروہ ہے۔[1]

فقہاء احناف کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے نماز سے پہلے وضو کرنے یا کسی کام کاج (محنت مزدوری) کے لئے آستین چڑھائی اور پھر اسی حالت میں نماز پڑھے تو اس کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔

[1] (خلاصۃ الفتاویٰ، ص ۵۸ ج ۱ ما یکرہ فی الصلوۃ، امجد اکیڈمی، لاہور)

آستین کہنی تک یا آدھی کلائی سے زیادہ چڑھائی ہو تو مکروہ ورنہ نہیں:

بعض علماء بریلوی کا شامی کے حوالہ سے لکھنا کہ جس نے آستین چڑھا کر نماز پڑھی تو وہ مکروہ تحریمی ہے، لیکن انہوں نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی کہ کتنی حد تک آستین چڑھا کر نماز مکروہ تحریمی ہے، اگر مطلق آستین چڑھا کر نماز مکروہ تحریمی ہے (جیسا کہ ان کے فتوے سے معلوم ہو رہا ہے) تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ بعض فقہائے احناف نے اس کی تحدید آدھی کلائی سے زیادہ کی فرمائی ہے اور امام احمد رضا خان محدث بریلوی اور مفتی محمد امجد اعظمی صاحب کا فتویٰ بھی ان بعض علماء کے خلاف ہے۔

علامہ طاہر بن عبد الرشید لکھتے ہیں:

ولو صلی رافعا کمیه الی المرفقین یکرہ۔

اگر کسی نے اس حال میں نماز پڑھی کہ آستین کہنیوں تک چڑھائی ہو تو مکروہ ہے۔[1]

علامہ سدید الدین کاشغری لکھتے ہیں:

وان یرفع کمیه الی المرفقین۔

آستین کو کہنیوں تک چڑھانا مکروہ ہے۔[2]

علامہ ابن نجیم حنفی لکھتے ہیں:

ویدخل ایضا فی کف الثوب تشمیر کمّین کما فی فتح القدیر وظاهرہ الاطلاق وفی الخلاصة ومنیة المصلی قید الکراهة بان یکون رافعاً کمیه الی المرفقین وظاهرہ انه لا یکرہ اذا کان یرفعها الی مادونها۔

اور کپڑا موڑنے میں آستینوں کا اڑسنا بھی شامل ہے اسی طرح فتح القدیر میں ہے اور بظاہر مطلق ہے لیکن خلاصہ اور منیۃ المصلی میں ہے کہ اگر آستینوں کو کہنیوں تک چڑھالیا تو مکروہ ہو گا اور کہنیوں سے کم تک آستین چڑھائی تو مکروہ نہیں ہو گا۔[3]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: علماء محققین فرماتے ہیں کہ اکثر کلائی پر سے آستین چڑھی ہونا ہی کراہت کو کافی ہے اگرچہ کہنی تک نہ ہو۔[4]

امام احمد رضا خان محدث بریلوی دوسری جگہ لکھتے ہیں: حیلہ میں ہے:

ینبغی ان یکرہ تشمیرهما الی مافوق نصف الساعد لصدق کف الثوب علی هذا۔

---

[1](خلاصة الفتاویٰ، ص ۵۸، ج ۱، مایکرہ فی الصلوة، امجد اکیڈمی لاهور)

[2](منیة المصلی، ص ۱۴۲، فصلی فیما یکرہ فی الصلوة، مکتبة الحرم لاهور)

[3](البحر الرائق ص ۲۴، ج ۲ کتاب الصلوة باب مایفسد الصلوة و مایکرہ فیها، رشیدیه کوئٹه)

[4](فتاویٰ رضویه، ص ۳۱۱، ج ۷، باب مکروهات الصلوٰة، رضا فائونڈیشن لاهور)

آستینوں کا نصف کلائی کے اوپر تک اٹھانا بھی مکروہ ہونا چاہیئے کیونکہ اس پر بھی کپڑا اٹھانا صادق آرہا ہے۔[1]

درج بالا عبارات احناف سے معلوم ہوا کہ آستین چڑھائے ہوئے نماز اس وقت مکروہ ہے جب کہنیوں تک ہو اگر کہنیوں سے کم ہو تو نماز مکروہ نہیں ہو گی، اسی لئے تو امام احمد رضا خان محدث بریلوی نے لفظ "ینبغی (چاہیئے)" والی عبارت نقل فرمائی جو اس بات پر دال ہے کہ حتمی طور پر مکروہ نہیں ہے۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ مسئلہ۔ کوئی آستین آدھی کلائی سے زیادہ چڑھی ہوئی یا دامن سمیٹے نماز پڑھنا بھی مکروہ تحریمی ہے، خواہ پیشتر سے چڑھی ہو یا نماز میں چڑھائی۔[2]

معلوم ہوا کہ آدھی کلائی یا اس سے کم آستین چڑھا کر پڑھنا مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہے حالانکہ اگر دیکھا جائے تو آدھی آستین چڑھانے میں بھی کپڑے کو کئی دفعہ موڑنا اور سمیٹنا ہوتا ہے جبکہ نماز سے پہلے شلوار یا پتلون کے پائنچے یا نیفہ میں اس قدر موڑنا نہیں آتا یعنی وہ آدھی پنڈلی تک نہیں موڑے جاتے، معلوم ہوا کہ جس طرح اس سے (آستین کو آدھی کلائی تک چڑھانے میں) نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں تو اس (یعنی شلوار یا پتلون کے پائنچے یا نیفہ موڑنے) سے بھی نماز مکروہ تحریمی نہیں ہونی چاہیئے۔

معلوم ہوا کہ کف ثوب (جس کی تعریف و تشریح اور کیفیت عبارات فقہ سے مبرہن ہوئی، یعنی سجدہ میں جاتے ہوئے کپڑوں کو سمیٹنا) ان دو علتوں کی وجہ سے جس کا تذکرہ ہو چکا ہے مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی جس سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔ مراد وہ کف ثوب نہیں جو دور حاضر یا ماضی قریب کے علماء و مفتیان اہل سنت کی تحقیق ہے کہ شلوار یا پتلون کے پائنچے موڑنا۔ دوسری بات یہ کہ بعض علماء بریلوی نے کف ثوب کے مکروہ تحریمی کے بعد یہ قاعدہ قانون لکھا: جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے گی اس کو دوبارہ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔

جب کہ ان ہی علماء اہل سنت نے ایک اور فتویٰ یوں دیا ہے کہ نماز میں ایک کام کو مکروہ تحریمی قرار دیا مگر بعد میں یہ لکھا کہ اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہے۔

لکھتے ہیں: نماز میں ترتیب سے سورتوں کو پڑھنا واجب ہے یہ احکام قرأت قرآن کے ہیں احکام الصلوۃ کے نہیں، اگر قصداً ترتیب کے خلاف پڑھے تو مکروہ تحریمی ہے مگر اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہو گی۔

---

[1] (فتاویٰ رضویہ، ص ۳۱۱، ج۷، باب مکروہات الصلوٰۃ، رضا فائونڈیشن لاہور)
[2] (بہار شریعت، ص ۱۶۲، حصہ سوم، مکروہات کا بیان، شیخ غلام علی کراچی)

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ مسئلہ۔ الٹا قرآن مجید پڑھنا، کسی واجب کو ترک کرنا مکروہ تحریمی ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ ایک کام اگرچہ مکروہ تحریمی ہو گا مگر پھر بھی اس سے نماز واجب الاعادہ نہیں ہو گی، ان بعض علماء نے اگرچہ اس کو احکام صلوۃ میں شمار نہیں کیا مگر مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو نماز کے مکروہات تحریمہ میں شمار کیا ہے۔

کن مکروہات سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے ؟

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تعاد الصلوۃ للاحتیاط علی وجہ لیس فیہ کراھۃ وھو الحکم فی کل صلوۃ ادیت مع الکراھۃ کما اذا ترک واجبا من واجبات الصلوۃ انتھی لان الاعادۃ بترک الواجب واجبۃ۔

نماز کو احتیاط کے طور پر اس طرح لوٹا دی جائے کہ جس میں کراہت نہ ہو اور یہ حکم ہر اس نماز کے لئے ہے جو کراہت سمیت ادا کی جائے جیسا کہ کسی نماز میں نماز کے واجبات میں سے کوئی واجب ترک ہو جائے کیونکہ ترک واجب سے نماز کا اعادہ واجب ہے۔

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ جو نماز کراہت تحریمی کے ساتھ پڑھی جائے اس کو دوبارہ پڑھنا جواب ہے، یہ قاعدہ قانون بھی مطلقاً نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ کراہت تحریمی ہے جس کا تعلق احکامِ نماز (یعنی واجبات نماز کے ترک کرنے) سے ہو، اب اگر مکروہ تحریمی کام جس کا تعلق نماز کے ساتھ نہ ہو (یعنی وہ نماز کے واجبات کا ترک کرنا نہ ہو) تو اس کی موجودگی میں نماز واجب الاعادہ نہیں ہو گی جیسا کہ اس کی ایک مثال گزر گئی ہے۔

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: کوئی ایسا واجب ترک ہوا جو واجباتِ نماز سے نہیں بلکہ اس کا وجوب امر خارج سے ہو تو سجدہ سہو واجب نہیں مثلاً خلاف ترتیب قرآن مجید پڑھنا ترک واجب ہے مگر موافق ترتیب پڑھنا واجباتِ تلاوت سے ہے واجباتِ نماز سے نہیں لہٰذا سجدہ سہو واجب نہیں۔[2]

جب یہ معلوم ہوا کہ نماز ان مکروہات تحریمیہ سے واجب الاعادہ ہوتی ہے جس کا تعلق نماز کے واجبات چھوڑنے سے ہوتا ہے اور یہ بھی اظھر من الشمس ہے کہ کسی بھی حنفی فقیہ نے نماز سے پہلے کپڑے کو نہ موڑنا (نہ سمیٹنا اور نہ اڑسنا) نماز کے لئے

---

[1] (بہار شریعت ص ۱۲۶، حصہ سوم، مکروہات کا بیان، شیخ غلام علی، کراچی)

[2] (بہار شریعت ص ۴۹، حصہ چہارم، سجدہ سہو کا بیان، شیخ غلام علی کراچی)

واجب قرار نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ کف ثوب کا تعلق نماز کے واجبات اور مکروہات سے نہیں بلکہ خارجی امور میں سے ہے جس کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ نہیں ہوتی۔

لوگ نماز شروع کرنے سے پہلے شلوار کو نیفہ سے اور پتلون کے پائنچے کیوں اڑستے اور موڑتے ہیں؟

نماز شروع کرنے سے پہلے بعض وہ اہل علم حضرات اور اکثر عوام الناس جن کی شلواریں یا پینٹ عام حالت میں ٹخنوں سے نیچے ہوتی ہیں (خواص اور اکثر اہل علم حضرات عام حالت میں بھی سنت نبوی ﷺ کے مطابق اپنی شلوار کو ٹخنوں سے اونچی ہی رکھتے ہیں) وہ اپنی شلواروں کو نیفہ سے اور پتلون کے پائنچے موڑ کر نماز شروع کرتے ہیں اس کی وجہ ان کے ذہن میں یہ ہے کہ انہوں نے سن رکھا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہوتا ہے وہ جہنم میں ہوتا ہے اس لئے یہ حضرات خاص کر نماز کی حالت میں اپنے ذہن کے مطابق اس گناہ سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں۔

جبکہ بعض اہل علم (علماء و طلباء، مدرسین و متعلمین) کا اس بات کی طرف کہ وہ عام زندگی میں یا نماز سے پہلے اپنے لباس کو ٹخنوں سے اونچا رکھ کر اس وعید شدید سے بچنے کی کوشش کریں جو لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کے بارے میں بیان ہوئی ہے، التفات کرنا تو درکنار بلکہ ان لوگوں کو بھی جو لباس کو سنت کے مطابق ٹخنوں کے اوپر رکھنا چاہتے ہیں یہ کہہ کر کہ "شلوار کو اڑسنا اور پتلون کے پائنچے موڑنا مکروہ تحریمی ہے اس سے نماز واجب الاعادہ ہو جاتی ہے" ان کو بھی گناہ اور وعید کا مستحق قرار دیتے ہیں حالانکہ دلائل ظاہرہ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اس طرح کرنا نہ مکروہ تحریمی ہے اور نہ اس سے نماز واجب الاعادہ ہوتی ہے۔

یہ اہل علم حضرات خواہ جس مکتبہ فکر سے بھی متعلق ہوں ایسا اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذہن میں لباس کو ٹخنوں سے اونچا نہ کرنے کی دو وجوہات ہیں۔

(۱) لباس کو ٹخنوں سے نیچے کرنا اس وقت گناہ اور ناجائز (حرام اور مکروہ تحریمی) ہے جب تکبر کی نیت ہو، اگر تکبر کی نیت نہ ہو تو پھر مکروہ نہیں جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: آپ اس وعید سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ آپ کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

(۲) لباس کو ٹخنوں سے اونچا کرنے میں تبلیغی جماعت (دیوبندی، جبریہ، جہمیہ) سے تشبیہ آتی ہے جو اپنے چھوٹے بھائی کی شلوار پہنے گھومتے رہتے ہیں، اور آپ ﷺ نے فرمایا جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ ان ہی میں سے ہو گا۔

مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں:

آج کل آدھی پنڈلی تک تہبند، منڈا ہوا سر بہت لمبی داڑھی وہابیوں کی نشانی ہے اس لئے ٹخنہ کے اوپر تہبند رکھے یعنی اس جائز کام پر عمل کرے، سر نہ منڈائے، داڑھی صرف ایک مشت رکھے زیادہ نہ رکھے تاکہ ان کی مشابہت سے بچے، **من تشبہ بقوم فھو منھم۔**[1]

معلوم ہوا کہ بعض اہل علم وغیرہ کے نزدیک ان دو وجوہات کی بناء پر ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانا جائز ہے۔ اب ہم ان دونوں وجوہات پر بحث کرتے ہیں کہ ان اہل علم کی بات کس حد تک مقبول اور صحیح ہے۔

لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام اور گناہ ہے:

اگرچہ بعض احادیث جو لباس کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کی مذمت اور وعید کے لئے علت تکبر کو قرار دیا ہے مگر چند احادیث ایسی بھی ہیں جن میں مطلقاً ٹخنوں کو چھپانے کی وعید ہے اور تکبر کا تذکرہ نہیں ہے۔

امام بخاری لکھتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال ما اسفل من الکعبین من الازار ففی النار۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند (یا شلوار) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ دوزخ میں ہے۔[2]

عن سالم بن عبد اللہ ان اباہ حدثہ ان رسول اللہ ﷺ قال بینما رجل ازارہ خسف بہ فھو یتجلجل فی الارض الی یوم القیمۃ۔

عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک شخص اپنا تہبند گھسیٹتا چل رہا تھا، کہ اسے دھنسایا گیا اور وہ اسی طرح قیامت تک زمین میں دھنستا رہے گا۔[3]

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما مرفوعا کل شیء جاوز الکعبین من الازار فی النار۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایت منقول ہے کہ تہبند (شلوار وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو تو وہ جہنم میں ہے۔[4]

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا عن النبی ﷺ: ماتحت الکعبین من الازار ففی النار۔

---

[1] (مرعات شرح مشکوۃ، ص ۱۰۱، ج ۶، لباس کا بیان)

[2] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب ما اسفل من الکعبین ففی النار، قدیمی کراچی)

[3] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء، قدیمی کراچی)

[4] (صحیح البخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تہبند کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہو تو وہ آگ میں ہے۔[1]

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال قال رسول اللہ ﷺ: ما خلف الکعبین ففی النار۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: آپ ﷺ نے فرمایا: جو کپڑا ٹخنوں کے نیچے ہو تو وہ آگ میں ہے۔[2]

رہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت جو امام بخاری نے روایت کی، لکھتے ہیں:

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ فقال ابو بکر الصدیق یا رسول اللہ ﷺ ان احد شقی ازاری یسترخی الا ان اتعاھد ذلک منہ فقال النبی ﷺ لست ممن یصنعہ خیلاء۔

ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا جو کوئی اپنا کپڑا تکبر سے نیچے رکھے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ فرمائے گا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا تہبند لٹک جاتا ہے مگر یہ کہ اس کا بہت ہی خیال رکھوں، ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم ان لوگوں میں سے نہیں جو یہ کام تکبراً کریں۔[3]

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: کپڑے سے مراد تہبند یا پائجامہ ہے اور نیچے سے مراد ٹخنوں کے نیچے ہے تکبراً فرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لئے یہ حرکت مکروہ تحریمی ہے۔۔۔(ابو بکر نے کہا) یعنی میں تو خود نہیں لٹکاتا خود ہی لٹک جاتا ہے، شکم کسی قدر بھاری ہے اس لئے پیٹ سے سرک جاتا ہے نہ ارادہ ہے نہ غرور۔۔۔(آپ ﷺ نے فرمایا) یعنی ہم نے تکبر و غرور سے تہبند نیچا رکھنے سے ممانعت کی ہے تم کو غرور سے دور کا بھی تعلق نہیں اور پھر قصداً لٹکاتے بھی نہیں لہٰذا تم اس حکم کی زد میں نہیں آتے۔

درج بالا عبارت سے یہ بات اظہر من الشمس ہوئی کہ آپ ﷺ نے صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استثناء فرمایا نہ کہ سب لوگوں کا کہ اب ہم میں سے ہر کس و ناکس اپنے لئے یہ دلیل بنائے کہ میں اس لئے ٹخنوں سے نیچے کپڑے رکھتا ہوں کہ میرے دل میں تکبر نہیں ہے حالانکہ اس دور میں ایسا کرنے والے اور اس کے جواز کو ڈھونڈنے والے کے دل میں اتنا تکبر ہوتا ہے کہ وہ اس کو سمجھتا بھی نہیں ہے اور وہ خود اس کے عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تمہارے دل میں تکبر نہیں تو تم نے کب کسی ٹیلر (درزی) سے کہا کہ میری شلوار ٹخنوں سے اوپر تک کی مقدار تک سینا اس سے زیادہ نہیں سینا تاکہ میرے کپڑے ٹخنوں سے اوپر رہیں۔ اور مفتی نعیمی صاحب کی تحقیق ("تکبراً فرما کر اشارہ کیا گیا کہ فیشن یا فخر کے لئے یہ حرکت مکروہ

[1] (اخرجہ احمد)

[2] (صحیح البخاری)

[3] (بخاری، الصحیح، ص ۸۶۱، ج ۲، کتاب اللباس، باب من جر ثوبہ من الخیلاء، قدیمی کراچی)

تحریمی ہے") سے بھی معلوم ہوا کہ آج کل فیشن کا ایسا دور چل رہا ہے کہ عوام تو عوام خواص (علماء اور طلباء) بھی ہر ٹیلر اور درزی سے کپڑے نہیں سلواتے بلکہ فیشن ایبل لوگوں سے سلواتے ہیں اور ایسا کرنے والوں کے تکبر کی دوسری علامت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی شلوار تکلفاً ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں جبکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تہبند خود بخود (کوشش کے باوجود) سرک جاتا تھا، اتنی صراحت کے باوجود اپنے مکروہ فعل کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فعل پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ ہم تکبر سے نہیں لٹکاتے۔

سنتِ رسول ﷺ پر عمل نہ کرنا تکبر کی نشانی ہے:

تکبر نہ ہونے کی رٹ لگانے والے کے تکبر کی ایک اور بڑی علامت یہ ہے کہ جس کے دل میں تکبر نہیں ہوتا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے عمل پر اپنے عمل کو ترجیح نہیں دیتا بلکہ ہمیشہ آپ ﷺ کے عمل کو اپناتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ (الأحزاب ۲۱)

اور آپ ﷺ نے خود بھی اپنی اتباع کا حکم فرمایا ہے:

فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلَافًا كَثِيرًا، فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ۔[1]

دوسری حدیث میں ہے:

فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔[2]

لباس کے معاملے میں آپ ﷺ کی عادت مبارکہ ہمارے سامنے موجود ہے کہ آپ ﷺ کے لباس کا طریقہ کار کیا ہوتا تھا اور آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس بارے میں کیا حکم دیا تھا کہ تہبند کتنی حد تک ہونا چاہیئے۔

حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

رأیت رسول اللہ ﷺ وعلیه حلة حمراء کأنی انظر الی بریق ساقیه۔[3]

امام ابن ماجہ روایت فرماتے ہیں:

عن ابن عباس قال کان رسول اللہ ﷺ یلبس قمیصا قصیر االیدین والطول۔

---

[1] (حدیث صحیح اخرجہ ابو داؤد والترمذی ومشکوۃ ص ۳۰ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2] (صحیحین)

[3] (متفق علیہ)

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ چھوٹی آستینوں اور کم لمبائی والی قمیص زیب تن فرماتے تھے۔[1]

ملا علی قاری لکھتے ہیں:

وفی روایۃ ابن عساکر عنہ: کان یلبس قمیصا فوق الکعبین مستوی الکمین باطراف اصابعہ۔

ابن عساکر کی روایت میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ایسی قمیص زیب تن فرماتے تھے کہ جو ٹخنوں سے اونچی ہوتی تھی اور اس کی آستینیں انگلیوں کے پوروں کے برابر ہوتی تھیں۔[2]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

وکانت ثیابہ کلھا مشمرۃ فوق الکعبین ویکون الإزار فوق ذلک إلی نصف الساق۔

ترجمہ: اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام کپڑے ٹخنوں سے اوپر چڑھے ہوتے تھے، اور تہبند تو اس سے بھی اوپر یعنی نصف پنڈلی تک ہوتی تھی۔[3]

یہ تو آپ ﷺ کا اپنا عمل تھا کہ آپ ﷺ کی قمیص مبارک ہمیشہ ٹخنوں سے اونچی ہوتی تھی تو کیا تکبر لگانے والے سے یہ بھی ثابت کریں گے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تکبر نہیں تھا اس لئے ان کا استثناء فرما کر تہبند نیچے ہونے پر کوئی وعید نہیں سنائی اور **(نعوذ باللہ)** آپ ﷺ کے دل میں تکبر تھا اس لئے خود بنفس نفیس اپنے لباس مبارک کو ہمیشہ ٹخنوں سے اونچا رکھا۔ **(العیاذ باللہ)**

معلوم ہوا کہ تکبر کی رٹ لگانے والے چونکہ فیشن ایبل دور میں رہ رہے ہیں اور ان کو اپنا بھرم بھی دکھانا ہے اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس غیر ارادی فعل کو اپنے لئے دلیل بنا کر سنتِ رسول ﷺ سے روگردانی کے لئے بہانے ڈھونڈتے ہیں حالانکہ ایک طرف حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غیر اختیاری فعل ہے جو صرف اور صرف ان کے ساتھ خاص ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ کا عمل مبارک ہے۔

کیا اس دور کے علماء واعظین (مقررین)، مدارس کے طلباء اور پیرزادے اس مرض ووبا (شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے) میں مبتلا نہیں ہیں؟

---

[1] (ابن ماجہ ص ۲۶۴، کتاب اللباس، باب کم القمیص کم یکون)

[2] (مرقات ص ۱۲۹ ج ۸ کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ پشاور)

[3] (احیاء العلوم اخلاقہ وآدابہ فی اللباس ج ۲ ص ۵۲۸ المکتبۃ التوفیقیۃ القاہرۃ)

درج بالا وذیل دلائل کے مابین ناچیز نے اس مکروہ کام کے مرتکب علماء اور خواص کو جابجا متکبرین کے نام سے لکھا تو کیا ایسا نہیں ہے؟ اور کیا عوام کی بنسبت اکثر خواص اس مرض میں مبتلا نہیں ہیں؟ ناچیز (بریلوی مکتبہ فکر کے) ایک عظیم محدث مفتی ہند، اہلسنت محمد شریف الحق امجدی صاحب کی عبارات پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

مفتی صاحب موصوف "باب ما اسفل من الکعبین" کے تحت لکھتے ہیں: بطور عادت اور شوق ٹخنوں سے نیچے تہبند اور پائجامہ رکھنا ممنوع ہے کہ یہ فاسقوں کی وضع ہے آج کل کے علماء خصوصاً واعظین اور دینی مدارس کے طلبہ اس وبا میں مبتلاء ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔[1]

مفتی صاحب موصوف "باب قول النبی ﷺ لو کنت متخذا خلیلا" میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تہبند والی حدیث کے تحت لکھتے ہیں: آج کل مقررین و پیرزادگان کی عادت ہوگئی ہے کہ وہ پائجامے اور تہبند ٹخنوں کے نیچے تک لٹکائے رکھتے ہیں اور بہت سے لوگ آج کل علماء جبے بھی زمین پر گھسٹتے رہتے ہیں، ٹوکنے پر کہہ دیتے ہیں ہم براہ تکبر ایسا نہیں کرتے (ان کا یہ کہنا درحقیقت اس ارشاد ربانی کی تردید ہے۔ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ۔ تَرْكُ الْمُوَاسَاةِ مَعَهُ، وَإِنْ لَمْ تَكُنِ الْمُوَاسَاةُ وَاجِبَةً. وَقَدْ يُذَمُّ الْمَرْءُ بِتَرْكِ النَّوَافِلِ لَا سِيَّمَا إِذَا أُسْنِدَ إِلَى النِّفَاقِ وَعَدَمِ الدِّينِ[2] یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے اس پر داروگیر مناسب نہیں، مگر ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عوام اس کو سخت معیوب مانتے ہیں حتی کہ ان کی اکثریت یہ خیال کئے ہوئے ہے کہ ایسے لوگوں کے پیچھے نماز جائز نہیں، ان مدعیان رہنمائی کو خبر نہیں کہ حدیث میں فرمایا گیا کہ اتقوا مواضع التہم، تہمت کی جگہوں سے بچو اور فرمایا: ایاکم و مایعتذر منہ۔ ایسے کاموں سے بچو جس کا عذر بیان کرنا پڑے۔[3]

نزہۃ القاری کی درج بالا عبارات سے تین مسائل کا استخراج ہوتا ہے:

ایک یہ کہ ٹخنوں سے نیچے تہبند اور پائجامہ رکھنا ممنوع ہے کہ یہ فاسقوں کی وضع ہے (اور فاسق کی وضع تشبیہ کی وجہ سے ناجائز ہے)۔

دوسرا یہ کہ آج کل کے علماء خصوصاً واعظین، پیرزادگان اور دینی مدارس کے طلبہ اس وبا میں مبتلا ہیں۔

تیسری بات یہ کہ ان علماء کی اس بات کی کوئی حیثیت نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ "ہم براہ تکبر ایسا نہیں کرتے یہ زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی، خلاف اولیٰ ہے اس پر داروگیر مناسب نہیں"، یہ ان کی اپنی من مانی ہے نہ کہ سنت نبوی ﷺ پر عمل کرکے اہل

[1] (نزھۃ القاری شرح بخاری، ص ۵۱۸، ج۵، کتاب اللباس، فرید بکسٹال لاھور)
[2] (التفسیر الکبیر ج ۳۲ ص ۳۰۲)
[3] (نزھۃ القاری شرح بخاری، ص ۵۲۹، ج۴، کتاب المناقب، فرید بک سٹال لاھور)

سنت اور سنی بننا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو سُنّی کہلانے والا ہر شخص پابندِ سنتِ مصطفی ﷺ نہیں ہوتا، کبھی کبھی وہ خلافِ سنت پر عمل کر کے بھی سنی کہلانے پر فخر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔

بلکہ محسنِ کائنات، مربی عالم ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ان لوگوں کو وضو اور نماز کے اعادہ کا حکم فرمایا جن کی شلوار (یا تہبند) ٹخنوں سے نیچے لٹک رہی تھیں اور اھل خواص کو تو شریعت کی پابندی اور بھی زیادہ ضروری ہے اسی وجہ سے ہمارے پیرومرشد قدوۃ الاولیاء والعلماء شیخ المشائخ پیران پیر خواجہ خواجگان حضرت سیدنا و مرشدنا سیف الرحمٰن نوراللہ مرقدہٗ اپنے مریدین پر شریعت کے معاملے میں بہت ہی زیادہ سختی فرمایا کرتے تھے حتیٰ کہ مستحبات کے چھوڑنے پر بھی سرزنش فرمایا کرتے تھے کیونکہ یہ کاملین اولیاء کرام کا طرزِ طریقہ ہے۔

جیسا کہ حضرت علامہ امام عبدالوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

ثم لا يخفى عليك يا أخي أن من شأن أهل الله عز و جل كونهم يأخذون العهد على المريد بتركه المباح زيادة على الأمر والنهي طلب الترقية إذ المباح لا ترقي فيه من حيث ذاته وإنما هو أمر برزخي بين الأمر والنهي جعله الله تعالى مرتبة تنفيس للمكلفين يتنفسون به من مشقة التكليف إذ الإقبال على الله تعالى في امتثال الأمر واجتناب النهي على الدوام ليس من مقدور البشر فأراد أهل الله تعالى للمريد أن يقلل من المباح جهده ويجعل موضعه فعل مأمور واجتناب منهي أو مرغب في فعله أو تركه لأخذهم بالعزائم دون الترخيصات۔

ترجمہ: پھر اے بھائی تم پر یہ بات بھی پوشیدہ نہیں رہنی چاہئے کہ اللہ والے لوگ اپنے مرید کی ترقی کے لئے اللہ کے امر و نہی کے علاوہ ان سے یہ عہد لیا کرتے ہیں کہ وہ صرف جائز ہونے والے کاموں سے رکے رہیں گے کیونکہ صرف جائز ہونے والے کام میں ذاتی طور پر اس کی ترقی نہیں ہوتی بلکہ یہ تو امر و نہی کے درمیان ایک کام ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تسلی کا سبب بنایا ہوتا ہے جن پر اس کے احکام لاگو ہوتے ہیں چنانچہ ایسے مباح کاموں کی وجہ سے انہیں تسلی ملتی رہتی ہے کیونکہ ہمیشہ اللہ کے احکام پر عمل کرنے اور منع کی ہوئی باتوں سے رکتے ہوئے اللہ کی طرف توجہ کرنا کسی بندے کی ہمت میں نہیں ہوتا چنانچہ اللہ والے اپنے مرید کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ نرے جائز کہلانے والے کاموں کی کوشش کم سے کم کریں البتہ ان کی جگہ وہ کام کریں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا ان سے بچیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہوا ہے یا جن کے کرنے اور چھوڑنے کا شوق دلایا گیا ہے تاکہ ایسے کام کر سکیں جن کا پختہ حکم ہے اور وہ کام نہ کریں جن میں ڈھیل دی گئی ہے۔ یعنی عزیمت کو اختیار کریں۔[1]

[1] (لواقح الانوار القدسية فی بيان العهود المحمدية ج ۱ ص ۷۸، دار التقویٰ)

حضرت علامہ عبد الوہاب شعرانی، شافعی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

أن أهل الله عز و جل لا يسامحون المريد بارتكابه شيئا من المكروهات فضلا عن المحرمات الظاهرة أو الباطنة و أن طريقهم محررة على موافقة الكتاب و السنة كتحرير الذهب بخلاف ما يظنه من لا علم له بطريقهم۔

ترجمہ: اللہ والے اپنے مرید کو مکروہ کام کرنے پر بھی معاف نہیں کیا کرتے چہ جائیکہ وہ ظاہری یا باطنی طور پر حرام کاموں میں پڑیں اور ان کا طور طریقہ کتاب و سنت کی طرح سنہری حروف میں لکھا ملتا ہے، وہ نہیں جیسے ان کے طریقے سے ناواقف لوگ بتاتے ہیں۔[1]

جیسے کہ الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

و بلغ من اعتناء الحق تعالىٰ بأحدهم: أنه كان يعاقب أحدهم على خلاف الأولى۔

اور اللہ رب العزت کے فضل سے اولیاء اللہ پر یہ احسان ہے کہ اولیاء اللہ زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ وہ اپنے مریدین کو خلاف اولیٰ کام کرنے پر بھی سرزنش دیتے ہیں۔ پس سنن اور مستحبات میں سستی نہیں کرنی چاہیئے۔[2]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

و كان الجنيد رضى الله تعالى يقول: طريق الفقهاء هى أساس طريقنا التى بنيت عليه و لكن زاد الصوفية على الفقهاء كثرة مراعاة العمل بالشريعة و عدم التساهل فى ترك العمل بشىء منها اى طريقهم ترك الرخص و التاويلات و الاخذ بالعزائم و التمسک بالمندوب کالواجب و اجتناب المکروه و خلاف الاولى كالحرام۔

ترجمہ: حضرت جنید رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ فقہاء کا طریقہ یہی ہمارے طریقہ کی بنیاد ہے اور ہمارا طریقہ اسی بناء پر ہے لیکن صوفیاء فقہاء نے جو فضیلت حاصل کی وہ کثرت سے شریعت پر عمل کرنے کی وجہ سے کیونکہ صوفیاء ان میں سے کسی عمل میں سستی اختیار نہیں کرتے یعنی ان کا طریقہ رخصت کو چھوڑنا اور تاویلات کو ترک کرنا اور عزیمت پر عمل کرنا ہے اور مندوب کو لازم پکڑنا اور مستحب پر عمل کرنا ان کیلئے واجب کی طرح ہے اور مکروہ اور خلاف اولیٰ سے بچنا ان کے طریقے میں ایسے ہے جیسے کہ حرام سے بچنا۔[3]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

و كان سيدى على الخواص رضى الله عنه يقول: الحق تعالى يمقت على ترک الادب و على خلاف الاولى فضلا عن المكروه و الحرام۔

---

[1] (لواقح الانوار القدسية فى بيان العهود المحمدية ج ا ص ۸۲، دار التقویٰ)
[2] (الاجوبة المرضيه عن ائمة الفقهاء و الصوفية ص ۱۴۱)
[3] (الاجوبة المرضيه عن ائمة الفقهاء و الصوفية ص ۱۲۷)

ترجمہ: اور سیدی علی الخواص رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ ناراض ہوتا ہے اور جلال میں آتا ہے ادب کے چھوڑنے پر اور خلاف اولیٰ کام کرنے پر چہ جائیکہ کوئی مکروہ یا حرام کام کرے (یعنی اس پر تو اور بھی جلال میں آتا ہے اور ناراض ہوتا ہے) یعنی مستحب چھوڑنے پر جب قہر فرماتا ہے تو مکروہ اور حرام کے کرنے پر تو بطریق اولیٰ قہر فرماتا ہے۔ [1]

الامام الشیخ عبد الوہاب الشعرانی رضی اللہ عنہ (المتوفیٰ ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:

وسمعت سیدی علی المرصفی رحمہ اللہ تعالی یقول: لایصح لمرید قدم فی الارادة حتی یترک المباحات جملة ویجعل مکان مباح ترکہ فعل مأمور شرعیٔ من مندوب او اولی حتی یجتنب المباح کانہ خلاف الاولی ویجتنب خلاف الاولی کانہ منھی عنہ کراھة تنزیہ وحتی یجتنب الحرام کانہ کفر وحتی یفعل المندوب کانہ واجب ویفعل الاولی کانہ مندوب کل ذالک تعظیما لامر اللہ تعالی ونھیہ۔

ترجمہ: اور میں نے سیدی علی مرصفی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مرید کیلئے جب طریقت میں قدم رکھے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ تمام کے تمام مباحات کو چھوڑ دے اور ہر وہ مباح جس کو اس نے چھوڑا ہے اس کی جگہ پر وہ مامور شرعی کام کرے جس کا تعلق مستحب یا اولیٰ سے ہو یہاں تک کہ یہ مباح سے اس طرح سے بچے جیسے کہ خلاف اولیٰ سے بچتا ہے اور خلاف اولیٰ سے اس طرح بچے گویا کہ اس کو اس سے منع کیا گیا ہو کراہت تنزیہی کی طرح اور یہاں تک مکروہ سے اسطرح بچے گویا کہ یہ حرام ہے اور حرام سے اس طرح بچے گویا کہ یہ کفر ہے اور یہاں تک کہ مستحب پر ایسا عمل کرے گویا کہ یہ واجب ہے اور اولیٰ کام کو اس طرح کرے گویا کہ یہ مستحب ہے یہ سب کچھ کرنا اس میں اللہ تعالیٰ کے امر اور نہی کی تعظیم ہے۔ [2]

شیخ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

قال عبد اللہ بن المبارک رضی اللہ تعالی عنہ من تھاون بالآداب عوقب بحرمان السنة ومن تھاون بالسنة عوقب بحرمان الواجبات ومن تھاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تھاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة او کما قال۔

یعنی فرمایا عبد اللہ ابن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی اسے معرفت خداوندی سے محرومی کی سزا ملے گی۔ [3]

---

[1] (الاجوبة المرضیہ عن ائمة الفقھاء والصوفیة ص ۱۸۸)

[2] (الاجوبة المرضیہ عن ائمة الفقھاء والصوفیة ص ۱۹۰)

[3] (تفسیر عزیزی، قطب الارشاد صفحہ ۱۴، مکتبہ قاسمیہ عوارف المعارف دار الکتب العلمیہ)

کیا مکروہ تنزیہی کی کوئی حیثیت نہیں ہے؟ متقی پرہیز گار کے لیے بڑی بات ہے۔

حضرتِ عالی مقام امام ربانی مجد د الفِ ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی، حنفی، نقشبندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

پس رعایتِ ادبی واجتناب از مکروہی اگرچہ تنزیہی باشد فکیف کہ تحریمی بمراتب از ذکر وفکر ومراقبہ وتوجہ بہتر باشد آرے این امور باین رعایت واجتناب اگر جمع کند "فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْماً" وبدونہ خرط القتاد۔

ترجمہ: لہٰذا ایک مستحب کی رعایت اور مکروہ سے بچنا، اگرچہ تنزیہی ہی ہو اور مکروہ تحریمی تو بطریق اولیٰ کئی مرتبے ذکر فکر اور مراقبہ اور توجہ سے بہتر ہے ہاں ہاں اگر یہ امور اس رعایت اور اس اجتناب کے ساتھ جمع کرے تو عظیم کامیابی حاصل کرلی۔ اس کے بغیر خار دار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔[1]

چھوٹے بڑے گناہوں کو معمولی نہ جانو

حضرت علامہ امام عبد الوہاب شعرانی شافعی قدس سرہ لکھتے ہیں:

(أخذ علينا العهد العام من رسول الله صلى الله عليه وسلم) أن لا نتهاون بارتكاب شيء من صغائر الذنوب فضلا عن كبائرها ولا بارتكاب شيء من مكروهاتها حتى خلاف الأولى منها ولا نصر على ذنب بل نتوب منه على الفور وذلک لأن ارتكاب المعاصي وما قاربها مع الإصرار يظلم به القلب حتى يصير لا يحن إلى فعل شيء فيه خير وتتفاوت الناس في مقدار ظلمة القلب بحسب مقاماتهم فربما أن بعض الناس لا يحس بظلمة القلب عند ارتكاب الكبائر دون الصغائر وربما إن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الصغائر دون المكروهات وربما إن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الكبائر دون الصغائر وربما أن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب الضغائر دون المكروهات وربما أن بعضهم لا يحس بظلمة القلب إلا عند ارتكاب المكروهات دون خلاف الأولى ولكل مقام رجال فكلما صفا القلب كلما ظهر فيه الظلمة وأدركها بصر صاحبها كالحبر على الورق وكلما تكدر القلب خفي فيه الظلمة ولم يدركها بصر صاحبها كالحبر على الفحم۔

فيحتاج من يريد العمل بهذا العهد إلى السلوک على يد شيخ ناصح يسد عليه جميع المخارس التي يدخل منها الشيطان ويشغله بالطاعات المتوالية حتى تتراكم عليه الأنوار ويخلص من سائر الذنوب ويدخل حضرة الإحسان فهناک لا يتهاون بذنب ولو خلاف الأولى فضلا عن المكروهات فضلا عن الصغائر فضلا عن الكبائر فإن أهل كل حضرة يساعدون بعضهم بعضا بمشاهدة بعضهم أحوال بعض ومن هنا شرطوا في إتمام التوبة هجر إخوان السوء لئلا يزلزلوا توبته بمشاهدتهم لمعاصيهم وأمروا التائب أن يخالط أهل الطاعات ليشاهد طاعاتهم وينقل نفسه من

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ اول، مکتوب، ۲۹، ص، ۶۷، مکتبہ امدادیہ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

المعاصي والطباع تسرق من الجليس الأفعال التي يشاهدها منه من خير وشر ولو على طول فينتقل جميع ما في ذلک الجليس لک يا أخي فالعاقل من أتى البيوت من ابوابها (والله عليم، حكيم)

وقد روى الترمذي والنسائي وابن ماجه وابن حبان في صحيحه مرفوعا (إن العبد المؤمن إذا أخطأ خطيئة نكتت في قلبه نكتة سوداء فإن هو نزع واستغفر صقلت فإن عاد زيد فيها حتى تعلو قلبه فهو الران الذي ذكره الله تعالى بقوله (كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون) (المطففين، ۱۴) والنكتة: هي نقطة تشبه الوسخ في المرآة۔

روى الإمام أحمد والطبراني والبيهقي مرفوعا: [إياكم ومحقرات الذنوب فإنهن يجتمعن على الرجل حتى تهلكه كمثل قوم نزلوا أرض فلاة فحضر صنيع القوم فجعل الرجل ينطلق فيجئ بالعود والرجل يأتي بالعود حتى جمعوا اسوادا وأججوا نارا وأنضجوا ما قذف فيها]۔

وروى النسائي بإسناد صحيح وابن حبان في صحيحه وغيرهما مرفوعا: [إن الرجل ليحرم الرزق بالذنب يصيبه]۔

روى الطبراني عن ابن مسعود: [إني لأحسب الرجل ينسى العلم كما تعلمه بالخطيئة يعملها]۔

وروى البخاري وغيره عن انس رضي الله عنه قال: [إنكم لتعملون أعمالا هي أدق في أعينهم من الشعر كنا نعدها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم من الموبقات يعني المهلكات]۔

وروى ابن حبان في صحيحه مرفوعا: [[لو أن الله يؤاخذني وعيسى بن مريم بذنوبنا لعذبنا ولا يظلمنا وأشار بالسبابة والتي تليها]. وفي رواية: [لو يؤاخذني الله وعيسى بن مريم بما جنت هاتان يعني الإبهام والتي تليها لعذبنا ثم لم يظلمنا شيئا]۔

وروى الإمام أحمد والبيهقي مرفوعا: [لو غفر لكم ما تأتون إلى البهائم لغفر لكم كثيرا]. وفي رواية انه من كلام ابي الدرداء. وروى الحاكم وقال صحيح الإسناد أن عبدالله بن مسعود قرأ (ولو يؤآخذ الله الناس بما كسبوا ما ترک على ظهرها من دابة ولكن يؤخرهم إلى أجل مسمى) ثم قال (كاد الجعل يعذب في جحره بذنب ابن آدم) والجعل بضم الجيم وفتح العين دويبة تكاد تشبه الخنفساء تدحرج الروث بأنفها۔

رسول اکرم ﷺ چاہتے ہیں کہ ہم بڑے بڑے گناہ تو کجا چھوٹے گناہ کرنے کو بھی معمولی نہ سمجھیں، نہ مکروہ کام کرنے کو معمولی جانیں اور نہ ہی زیادہ بہتر کے مقابلے میں کم درجہ کام کو معمولی بنائیں، یونہی کسی گناہ پر جمے نہ رہیں بلکہ فوراً اس سے توبہ کریں کیونکہ گناہ اور اس کے قریب قریب کام جم کر کرنے سے دل میں اندھیرا چھا جاتا ہے چنانچہ جو شخص کسی بہتر کام کی طرف جھکاؤ نہیں کرتا، پھر لوگوں کے دل ان کے اپنے مقام و مرتبہ کے مطابق تاریک ہوتے ہیں چنانچہ کسی کو دل کی تاریکی کا پتہ بڑے گناہ کرنے ہی سے چلتا ہے، چھوٹوں پر نہیں، کئی ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں اس تاریکی کے بارے میں اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ چھوٹے گناہ کرتے ہیں، مکروہ کاموں پر نہیں چلتا، کچھ وہ بھی ہوتے ہیں جنہیں مکروہ کام کرنے پر پتہ چلتا ہے، خلاف اولیٰ کرنے پر نہیں کیونکہ بندے ہر طرح کے ہوتے ہیں چنانچہ جس کا دل صاف ہو تو جب بھی اس میں تاریکی آتی ہے تو دل والے کی آنکھ

اسے یوں دیکھتی ہے جیسے کاغذ پر سیاہی لگی ہو اور جب بھی دل پر میل ہو اور تاریکی کم ہو جائے تو اسے دل والے کی آنکھ یوں دیکھتی ہے جیسے کوئلے پر سیاہی لگی ہو چنانچہ جو اس ہدایت پر عمل کرنا چاہتا ہے، اسے ایسے شیخ کی ضرورت ہوتی ہے جو نیک ہو اور شیطان کے داخل ہونے کے سب راستے بند کر دے اور مسلسل اسے عبادتوں میں لگائے رکھے تاکہ اس پر انوار کی بارش شروع ہو جائے، وہ سب گناہوں سے پاک ہو جائے اور احسان کے مرتبہ میں چلا جائے، چنانچہ اس مقام پر پہنچ کر وہ خلاف اولیٰ سمیت کسی بھی گناہ کو معمولی نہیں جانے گا، مکروہات بلکہ بڑے گناہ تو کجا چھوٹے گناہ بھی ہلکے نہیں جانے گا کیونکہ ہر مقام والے ایک دوسرے سے اتفاق کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ لوگ دوسروں کے حالات دیکھ رہے ہوتے ہیں چنانچہ اسی بناء پر علماء نے توبہ کے پورا ہونے میں شرط لگائی ہے کہ برے بھائیوں کو چھوڑ دو تاکہ ان کے گناہ دیکھ کر اپنی توبہ کو خراب نہ کر لیں اور توبہ کرنے والوں کو حکم دیتے ہیں کہ عبادت کرنے والوں میں گھل مل کر رہیں تاکہ وہ ان کی عبادتوں کا مشاہدہ کریں اور اپنے آپ کو گناہوں سے نکال لیں کیونکہ انسان کی طبیعت میں یہ ہے اپنے ساتھ بیٹھنے والوں سے اچھے برے وہ کام سیکھتا ہے جو ان کو کرتے دیکھتا ہے خواہ دیر ہی سے سیکھے چنانچہ اے بھائی! اس بیٹھنے والے ساتھی سے سب کچھ تمہارے پاس آجاتا ہے لہٰذا عقلمند وہ ہوتا ہے جو اصل راستے سے مقصد تک پہنچے۔ واللہ علیم حکیم۔

☆ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے کہ "جب کوئی شخص گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے چنانچہ اگر وہ اسے صاف کرتے ہوئے استغفار کرے تو وہ دھل جاتا ہے، اگر دوبارہ کرے تو زیادہ ہو جاتا ہے اور آخر اس کے دل کو گھیر لیتا ہے، چنانچہ یہ وہی "ران" ہے کہ جس کا ذکر قرآن نے کیا ہے۔ "کوئی نہیں بلکہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھا دیا ہے، ان کی کمائیوں نے" اس نکتہ سے مراد وہ نقطہ ہے جو شیشے پر میل جیسا ہوتا ہے۔

☆ امام احمد، طبرانی اور بیہقی نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "اپنے آپ کو حقیر گناہ کرنے سے بچاؤ کیونکہ یہ آدمی میں جمع ہو جاتے ہیں اور آخر کار اسے یوں ہلاک کر دیتے ہیں جیسے کچھ لوگ کہیں جنگل میں ٹھہریں اور کھانے کا وقت ہو جائے چنانچہ ایک شخص جا کر لکڑی لے آئے، دوسرا آدمی ایک اور لکڑی لائے اور یوں وہ گٹھا جمع کر لیں اور آگ جلا کر اس میں ڈالی چیز کو پکا لیں۔"

☆ نسائی اور ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "انسان گناہ کر لینے پر روزی سے محروم ہو جاتا ہے۔"

☆ امام طبرانی کے مطابق حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بتایا کہ "میں اس آدمی کا خیال رکھتا ہوں جو علم سیکھ کر اس لئے بھلا دیتا ہے کہ اس نے گناہ کیا ہوتا ہے۔"

☆ حضرت امام بخاری کے مطابق حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتاتے ہیں کہ تم ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نظر میں بال سے بھی باریک ہوتے ہیں لیکن جنہیں ہم رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں تباہ کرنے والے سمجھتے تھے۔

☆ ابن حبان نے مرفوعاً لکھا ہے فرمایا "اگر بالغرض اللہ تعالیٰ مجھے اور عیسیٰ بن مریم رضی اللہ عنہا کو ہماری خطا کی وجہ سے پکڑ لے اور تکلیف دے تو اس میں اس کی طرف سے ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہو گا، پھر انگشت شہادت اور ساتھ والی انگلی کو ملا کر بتایا" (کہ اتنا ظلم بھی نہیں ہو گا)۔

☆ ایک اور روایت میں ہے "اگر مجھے اور عیسیٰ بن مریم کو ان دونوں انگلیوں (انگوٹھا اور ساتھ والی انگلی) کی وجہ سے ہونے والی کوتاہیوں کے بدلے میں پکڑ کر تکلیف پہنچانا چاہے تو اس میں ہم پر ظلم نہیں ہو گا۔"

☆ امام احمد اور بیہقی نے مرفوعاً لکھا ہے "اگر اللہ تعالیٰ تمہارا وہ گناہ معاف کر دے جو تم جانوروں کے ساتھ برائی کی وجہ سے کرتے ہو تو تمہارے بہت سے گناہ معاف کر دے گا۔"

☆ امام حاکم کے مطابق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں پڑھا "اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے کئے پر پکڑتا تو زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑتا لیکن ایک مقرر میعاد تک انہیں ڈھیل دیتا ہے۔" پھر فرمایا ہو سکتا ہے کہ جعل نامی (گودھا) کیڑے کو حضرت آدم علیہ السلام کی کوتاہی کی بناء پر عذاب دیتا۔[1]

پھر اصل مقصد کی طرف چلتے ہیں

حافظ نور الدین علی بن أبی بکر الھیثمی لکھتے ہیں:

وعن عطاء بن یسار، عن بعض أصحاب النبی ﷺ قال: بینما رجل یصلی وھو مسبل ازارہ، [اذ] قال له رسول الله ﷺ: "اذھب فتوضا" قال: فذھب فتوضا، ثم جاء فقال له رسول الله ﷺ: "اذھب فتوضا" ثم جاء فقال: یا رسول الله، مالک أمرته یتوضأ ثم سکت عنه؟ فقال: "انه کان یصلی وھو مسبل ازارہ وان الله تبارک و تعالیٰ لا یقبل صلاۃ عبد مسبل ازارہ"۔

عطاء بن یسار بعض اصحابِ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں، اور اور ابو داؤد شریف اور سنن الکبریٰ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص تہبند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا۔ تو اسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جاؤ دوبارہ وضو کرو۔ وہ وضو کر کے آیا تو پھر اسے فرمایا جا پھر وضو کر۔ چنانچہ ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ اسے بار بار وضو کرنے کا حکم کیوں دے رہے ہیں، تو تھوڑی دیر خاموشی کے بعد فرمایا کہ یہ شخص اپنا تہبند ٹخنوں کے نیچے کر کے نماز پڑھ رہا تھا، فرمایا اللہ تعالیٰ اسبال والے کی نماز قبول نہیں فرماتا۔[2]

---

[1] (لواقح الانوار القدسیة فی بیان العھود المحمدیة، ج ۲ ص ۴۴۶، دار التقویٰ)

[2] ("مجمع الزوائد ومنبع الفوائد" جلد ۵، صفحہ ۲۱۸، کتاب الباس) (السنن الکبریٰ، ج ۲، ص ۳۴۲، باب کراھیة اسبال الازار فی الصلاۃ)، (ابو داؤد، کتاب الباس، ص ۵۶۵)

مذکورہ بالا حدیث کی شرح میں علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

وَإِطَالَةُ الذَّيْلِ مَكْرُوهَةٌ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ فِي الصَّلَاةِ وَغَيْرِهَا۔

ترجمہ: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہکے نزدیک ازار (دامن کا طویل ہونا) کا ٹخنے سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ [1]

اور السنن الکبریٰ میں اس حدیث کے آخر میں ہے:

وفی الاحادیث الثابتة المطلقة فی النهی عن جر الازار دلیل علی کراهیته فی الصلاة وغیرها۔

ان احادیثِ مبارکہ سے ازار کے لٹکانے کی نہی مطلقاً ثابت ہوئی، چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر۔ یعنی نماز کے اندر بھی شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مکروہ ہے، اور نماز سے باہر بھی۔ [2]

ملا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

فی الفتاوی العتابیة: یکره للرجال لبس السراویل (المخرفة و) هی التی تقع علی ظهر القدمین۔

ترجمہ: فتاویٰ عتابیہ میں ہے مردوں کو ایسی شلوار پہننا جو پاؤں کی پشت تک لٹکتی ہو (یعنی جس کے پائنچے پاؤں کو مس کریں) مکروہ ہے۔ [3]

حضرت علامہ ملا نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

تقصیر الثیاب سنة، واسبال الازار والقمیص بدعة، ینبغی ان یکون الازار فوق الکعبین الی نصف الساق وهذا فی حق الرجال، واما النساء فیرخین ازارهن اسفل من ازار الرجال لیستر ظهر قدمهن۔ اسبال الرجل ازاره اسفل من الکعبین ان لم یکن للخیلاء ففیه کراهة تنزیه کذا فی الغرائب۔

ترجمہ: لباس میں کپڑے کو کمی کے ساتھ رکھنا سنت ہے اور تہبند اور قمیص کا لٹکانا بدعت ہے، مناسب ہے کہ تہبند ٹخنوں سے اوپر نصف پنڈلی تک ہو۔ مگر یہ حکم مردوں کے لیے ہے اور عورتیں اپنے تہبند کو مردوں سے زیادہ لٹکائے رہیں تاکہ ان کے قدموں کی پیٹھ ڈھکی رہے۔ مرد کا اپنے ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر بوجہ تکبر نہ ہو تو مکروہ تنزیہی ہے۔ یہ غرائب میں ہے۔ [4]

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب الستر، ج ۲، ص ۴۳۵، المکتبہ الرشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ)

[2] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۵)

[3] (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الکراهیة الباب التاسع، ج ۵، ص ۴۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی، فتاویٰ تاتار خانیہ، کتاب الکراهیة، الفصل فی اللبس مایکرہ من ذلک وما لایکرہ، ج ۱۸، ۱۱۸، مکتبہ فاروقیہ، کوئٹہ، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، کتاب الکراهیة، ج ۸، ص ۳۴۹، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، ردالمحتار، کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی اللبس، ج ۹، ص ۵۰۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[4] (فتاویٰ ہندیہ، کتاب الکراهیة الباب التاسع، ج ۵، ص ۴۱۱، قدیمی کتب خانہ کراچی)

حضرت علامہ ابو الحسین بن علی بن محمد سغدی، حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

كل لِبَاس يكون على خلاف السّنة يكون لبسه مَكْرُوها وَهُوَ مثل أَثوَاب الْكفَّار و اثواب الْفسق و الفجور وَأهل الاشر و البطر مثل القرطق و اسبال الازار وَتَطْوِيل الْكمّ و توسيعه۔

ترجمہ: ہر خلاف سنت لباس پہننا مکروہ ہوتا ہے اور جیسے کفار کے کپڑے اور فسق و فجور کے کپڑے شریر اور متکبرین کے کپڑے، جیسے قرطق اور تہبند کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا، اور آستین کو لمبا اور کھلا رکھنا۔[1]

حضرت علامہ ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ وشتانی ابی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

و دل الحديث على ان النهي انما يتعلق خبره لهذاه العلة, فمن استعجل فجرّ ثوبه خلفه او كان ازاره لا يثبت على كتفيه فلا حرج۔ و كذلک جر خيلاء على الكفار في الحرب لان فيه اعزاز الاسلام و احتقار عدوه۔ و روى ابن عمر رضی اللہ عنه كراهة ذلک في, كل حال۔

ترجمہ: یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے کی ممانعت تکبر کی وجہ سے ہے، سو جو شخص جلدی کی وجہ کپڑا گھسیٹ کر چلا، یا اس کا تہبند قائم نہیں رہتا اور پھسل کر نیچے آجاتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح میدانِ جنگ میں کفار کے سامنے تکبر سے تہبند لٹکانے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اس میں اسلام کی عزت اور دشمن اسلام کی تحقیر ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہر حال میں کراہت منقول ہے۔[2]

حضرت علامہ ابو عبد اللہ محمد بن یوسف سنوسی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

معنى ماز ادفي النار اذا زاده خيلاء لانه مطلق فير ادالى المقيد و ان لم يكن خيلاء فهو مكروه۔

اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جس شخص کے لباس کا جو حصہ ٹخنوں کے نیچے ہو گا وہ جہنم میں ہو گا، بشرطیکہ وہ تکبر کی بناء پر ہو، کیونکہ یہ حدیث مطلق ہے اس لیے اس کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور تکبر کی بناء پر لباس نہ لٹکایا گیا ہو تو پھر وہ مکروہ (تنزیہی) ہے۔[3]

حضرت علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، حنبلی لکھتے ہیں:

ويكره أن يكون ثوب الرجل إلى فوق نصف ساقه وتحت كعبه بلا حاجة۔

ترجمہ: اور بغیر حاجت کے مرد کا کپڑا نصف پنڈلی سے اوپر ہونا اور ٹخنوں سے نیچے ہونا مکروہ ہے۔[4]

---

[1] (النتف فی الفتاوی، اللباس المکروہ، ج، ۱، ص، ۱۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[2] (اکمال اکمال المعلم، کتاب اللباس و الزینۃ، ج، ۷، ص، ۲۳۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[3] (مکمل اکمال اکمال، کتاب اللباس و الزینۃ، ج، ۷، ص، ۲۳۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت) ج، ۵، ص، ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

[4] (الاقناع فی فقہ الامام احمد بن حنبل، فصل یکرہ فی الصلاۃ السدل، ج، ۱، ص، ۹۱)

انور شاہ کشمیری، دیوبندی لکھتے ہیں:

وجرُّ الثوب ممنوعٌ عندنا مطلقًا، فهو إذاً من أحكام اللباس، وقصرَ الشافعيةُ النهي على قيد المخيلة، فإن كان الجرُّ بدون التكبر، فهو جائز، وإذاً لا يكون الحديث من أحكام اللباس والأقرب ما ذهب إليه الحنفية، لأن الخُيَلاء ممنوع في نفسه، ولا اختصاص له بالجرِّ، وأما قوله صلى الله عليه وسلّم لأبي بكر: «إنک لست ممن يجر إزاره خيلاء»، ففيه تعليلٌ بأمر مناسب، وإن لم يكن مناطًا فعلة الإِباحة فيه عدمُ الاستمساكِ إلا بالتعهد، إلا أنه زاد عليه بأمر يفيد الإِباحة، ويؤكدها. ولعل المصنف أيضًا يوافقنا، فإنّه أخرج الحديث في اللباس، وسؤال أبي بكر أيضًا يؤيد ما قلنا، فإنَّه يدلُّ على أنه حملَ النهي على العموم، ولو كان عنده قيدُ الخيلاء مناطًا للنهي، لما كان لسؤاله معنًى. والتعليل بأمر مناسب طريقٌ معهود. ولنا أن نقول أيضًا: إن جرّ الإِزار خيلاء ممنوعٌ لمن يتمسک إزاره، فليس المحطُّ الخيلاء فقط۔

ترجمہ: ہمارے نزدیک کپڑے کو گھسیٹنا مطلقاً ممنوع ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ممانعت کو تکبر کی صورت میں منحصر کیا ہے اور تکبر کے بغیر کپڑا گھسیٹا جائے تو وہ جائز ہے اور اس وقت یہ حدیث احکام لباس سے نہیں ہو گی اور حق کے زیادہ قریب فقہاء احناف کا مذہب ہے، کیونکہ تکبر فی نفسہ ممنوع ہے اور اس کا کپڑا گھسیٹنے کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو فرمایا تھا کہ تم تکبر کی وجہ سے تہبند نہیں گھسیٹتے تو اس میں تکبر کو ایک مناسب علت کے طور پر بیان فرمایا ہے ہر چند کہ تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے، اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تہبند گھسیٹنے کے جواز کی علت یہ تھی کہ جب تک وہ خوب احتیاط سے تہبند نہ باندھیں ان کا تہبند پھسل جاتا تھا۔ البتہ عدم تکبر کو آپ نے ایک زائد علت کے طور پر بیان فرمایا جو جواز کیلئے مفید ہے اور اس کی تاکید کرتی ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس مسئلہ کو پوچھنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک ممانعت بطور عموم تھی۔ (یعنی تکبر ہو یا نہ ہو تہبند گھسیٹنا ممنوع ہے) اور اگر انکے نزدیک یہ ممانعت تکبر کی وجہ سے ہوتی تو پھر ان کے سوال کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سوال کیا تھا: یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام! میرے تہبند کی ایک جانب پھسل جاتی ہے الا یہ کہ میں اس کو خوب احتیاط سے باندھوں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں۔[1]

اور کسی مناسب امر کو بطور علت بیان کرنا معروف طریقہ ہے اور ہمارے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ تکبر سے تہبند گھسیٹنا اس شخص کے لئے ممنوع ہے جو مضبوطی سے تہبند باندھ سکتا ہو اس لئے فقط تکبر پر ممانعت کا مدار نہیں ہے۔[2]

---

[1] (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۷۸۴)

[2] (فیض الباری علی صحیح البخاری، کتاب اللباس، ج۶، ص ۷۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضاخان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ٹخنوں سے نیچے پاںچے رکھنا مردوں کو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا (بیان فرماؤ اور اجر پاؤ)

الجواب: پائنچوں کا کعبین سے نیچا ہونا جسے عربی میں اسبال کہتے ہیں اگر راہ عجب وتکبر ہے تو قطعاً ممنوع وحرام ہے اور اس پر وعید شدید وارد ہے۔[1]

علی الاطلاق وارد ہوا کہ اس سے یہی صورت مراد ہے کہ بتکبر اسبال کرتا ہو ورنہ ہرگز یہ وعید شدید اس پر وارد نہیں مگر علماء درصورت عدم تکبر حکم کراہت تنزیہی دیتے ہیں۔[2]

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضاخان، حنفی، قادری، فاضل بریلی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

ہاں اس میں شبہ نہیں کہ نصف ساق (پنڈلی) تک پائنچوں کا ہونا بہتر وعزیمت ہے اکثر ازار پر انوار سید الابرار علیہ الصلوٰۃ والسلام یہیں تک ہوتی تھی۔[3]

حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: از قسم ازار (یعنی پائجامہ وغیرہ) کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا، وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔[4]

تشریح: مطلب یہ ہے کہ ٹخنوں سے نیچے پیر کے جتنے حصہ پر تہبند وغیرہ لٹکا ہو گا وہ پورا حصہ دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ بعض حضرات نے یہ مطلب لیا ہے کہ یہ عمل یعنی ٹخنے سے نیچے تہبند وغیرہ لٹکانا ایک مذموم عمل ہے اور دوزخیوں کا کام ہے۔ ٹخنے سے نیچے ازار وغیرہ لٹکانے کے مسئلہ میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اس سلسلے میں جو احادیث منقول ہیں ان میں زیادہ تر ازار کے لٹکانے کا ذکر ہے اور ازار لٹکانے والے کے حق میں بہت سخت وعیدیں بھی بیان کی گئی ہے۔

بہرحال عزیمت یعنی اولی درجہ یہ ہے کہ ازار یعنی تہبند وپائجامہ کو نصف پنڈلی تک رکھا جائے، چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنا تہبند نصف پنڈلی ہی تک رکھتے تھے البتہ رخصت یعنی اجازت وآسانی کا درجہ ٹخنوں تک ہے کہ تہبند وپائجامے کو زیادہ سے زیادہ ٹخنوں تک رکھا جا سکتا ہے، کرتے وقمیص اور عبا وشیروانی وغیرہ کے دامن کا بھی یہی حکم ہے، اسی طرح قمیص وکرتے وغیرہ کی آستینوں کی مسنون لمبائی یہ ہے کہ وہ بند دست یعنی ہاتھ کے جوڑ تک ہوں عمامہ کا شملہ زیادہ سے زیادہ اتنا چھوڑا جانا

---

[1] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۱۶۴، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)
[2] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۱۶۷، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)
[3] (فتاویٰ رضویہ، ج، ۲۲، ص، ۱۶۸، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)
[4] (بخاری)

چاہئے جو نصف پشت تک رہے، جو شملہ لمبائی یا چوڑائی میں اس سے زائد ہو گا وہ بدعت اور اس زائد لٹکانے میں شمار ہو گا جو ممنوع ہے، چنانچہ بعض علاقوں اور شہروں کے لوگ اپنے لباس میں جو زائد از ضرورت کپڑا استعمال کرتے ہیں، جیسے ضرورت سے زائد لمبی لمبی آستینوں اور وسیع و عریض دامنوں والے کرتے، کئی کئی گز کے پاجامے اور شلواروں اور بڑے بڑے عمامے اور پگڑی کا رواج بعض جگہ پایا جاتا ہے وہ خلاف سنت ہے بلکہ یہ زائد از ضرورت کپڑے صرف کرنا اگر تکبر و غرور کی نیت سے ہو گا تو اس کو حرام کہیں گے اور اگر لوگوں کی دیکھا دیکھی یا کسی رواج کے تحت ہو گا تو اس کو مکروہ کہا جائے گا کپڑوں میں ضرورت سے زائد لمبائی چوڑائی رکھنا عورتوں کیلئے بھی ممنوع ہے مگر مردوں کی بہ نسبت ایک بالش یا دو بالش کے بقدر زائد ہونا جائز ہے، بلکہ اتنی زائد مقدار تو مستحب ہے جو پردہ پوشی کے بقدر ہو۔[1]

اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو لباس ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم فرمایا:

اب ہم وہ احادیث ہدیہ قارئین کرتے ہیں جن میں آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ مسلمان کے لباس کے لئے حد مقرر فرمائی کہ کپڑے کہاں تک رکھنے چاہیئے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ اپنے لباس کو آدھی پنڈلی یا اس سے نیچے مگر ٹخنوں سے اوپر تک رکھو۔

مشکوۃ شریف اور السنن الکبریٰ میں ہے:

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِزْرَةُ الْمُؤْمِنِ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ لَا جُنَاحَ عَلَيْهِ فِيمَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَعْبَيْنِ مَا أَسْفَلَ مِنْ ذَلِكَ فَفِي النَّارِ» قَالَ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «وَلَا يَنْظُرُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا۔

ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ تہبند اس کی آدھی پنڈلیوں تک ہوں اس پر پنڈلی اور ٹخنوں کے درمیان میں گناہ نہیں جو اس سے نیچے ہو گا وہ آگ میں ہو گا، یہ تین بار فرمایا، اور اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ رحمت نہ فرمائے گا جو فخریہ طور پر اپنا تہبند نیچا رکھے گا۔[2]

نسائی اور ابو داؤد شریف میں ہے:

عن ابی ذر رَضِيَ اللہُ عَنْہُ قال قال رسول اللہ ﷺ ثلاثة لا یکلمھم اللہ یوم القیامة ولھم عذاب الیم المنان بما اعطاہ والمسبل ازارہ والمنفق سلعتہ بالحلف الکاذب۔

[1] (مظاہر حق ۴ جدید ص ۱۵۲۔۱۵۳)
[2] (مشکوۃ ص ۳۷۴، کتاب الباس، الفصل الثانی، قدیمی، کراچی، سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۳۴۶، باب موضع الازار من الرجل)

ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تین اشخاص کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا اور انہیں دردناک عذاب ہو گا۔ (۱) دینے کے بعد احسان جتلانے والا، (۲) اپنی تہبند لٹکانے والا، (۳) جھوٹی قسم سے اپنے مال واسباب کو رواج (شہرت) دینے والا۔ [1]

امام مسلم اور امام ابی بکر احمد بن حسین بن علی البیہقی روایت کرتے ہیں:

عن ابن عمر رَضِيَ اللّٰهُ عنهما قال مررت برسول الله ﷺ وفی ازاری استرخاء فقال: یا عبد الله: ارفع ازارک فرفعته ثم قال زد فزدت فمازلت اتحراها بعد فقال بعض القوم الی این؟ قال الی انصاف الساقین۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا حالانکہ میرے تہبند میں درازی تھی، تو فرمایا اپنا تہبند اونچا کرو، میں نے اونچا کر لیا، فرمایا اور زیادہ اونچا کرو، میں نے اور زیادہ اونچا کر لیا پھر میں اس کا خیال رکھتا رہا تو بعض قوم نے کہا کہ کہاں تک رہے؟ فرمایا کہ آدھی پنڈلیوں تک۔ [2]

ملا علی قاری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

وروی احمد عن انس مرفوعا: الازار الی نصف الساق او الی الکعبین لا خیر فی اسفل من ذلک۔

حضرت انس نے مرفوع روایت بیان کی کہ تہبند (شلوار وغیرہ) آدھی پنڈلی یا ٹخنوں کے اوپر تک ہونی چاہئے اس سے نیچے کرنے میں کوئی خیر نہیں ہے۔ [3]

اور اس حدیث شریف کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وفی هذه الأحادیث أن إسبال الإزار للخیلاء کبیرة وأما الإسبال لغیر الخیلاء فظاهر الأحادیث تحریمه أیضا لکن استدل بالتقیید فی هذه الأحادیث بالخیلاء علی أن الإطلاق فی الزجر الوارد فی ذم الإسبال محمول علی المقید هنا فلا یحرم الجر والاسبال إذا سلم من الخیلاء۔ قال ابن عبد البر مفهومه أن الجر لغیر الخیلاء لا یلحقه الوعید إلا أن جر القمیص وغیره من الثیاب مذموم علی کل حال فأما لغیر الخیلاء فیختلف الحال فإن کان الثوب علی قدر لابسه لکنه یسدله فهذا لا یظهر فیه تحریم ولا سیما ان کان عن غیر قصد کالذی وقع لأبی بکر (رضی الله تعالیٰ عنه) وان کان الثوب زائدا علی قدر لابسه فهذا قد یتجه المنع فیه من جهة الإسراف فینتهی إلی التحریم وقد یتجه المنع فیه من جهة التشبه بالنساء وهو أمکن فیه من الأول وقد صحح الحاکم من حدیث أبی هریرة أن رسول الله صلی الله علیه وسلم لعن الرجل یلبس لبسه المرأة وقد یتجه المنع فیه من جهة أن لابسه لا یأمن من تعلق النجاسة به وإلی ذلک یشیر الحدیث الذی أخرجه الترمذی فی الشمائل والنسائی من طریق أشعث بن أبی الشعثاء وأسم أبیه سلیم المحاربی عن

---

[1] (نسائی ص ۲۹۴ ج ۲ ابو داؤد ۲۱۰، ج ۲)

[2] (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۹۵، کتاب اللباس، باب تحریم جر الثوب الخ، قدیمی کراچی)

[3] (مرقات، ج ۸، ص ۱۴۰، کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ پشاور)

عمته واسمها رهم بضم الراء وسكون الهاء وهي بنت الأسود بن حنظلة عن عمها واسمه عبيد بن خالد قال كنت أمشي وعلي برد أجره، فقال لي رجل أرفع ثوبك فإنه أنقى وأبقى فنظرت فإذا هو النبي صلى الله عليه وسلم فقلت إنما هي بردة ملحاء فقال أما لك في أسوة قال فنظرت فإذا إزاره إلى أنصاف ساقيه وسنده قبلها جيد وقوله ملحاء بفتح الميم وبمهملة قبلها سكون ممدودة أي فيها خطوط سود وبيض وفي قصة قتل عمر أنه قال للشاب الذي دخل عليه أرفع ثوبك فإنه أنقى لثوبك وأتقى لربك وقد تقدم في المناقب ويتجه المنع أيضا في الإسبال من جهة أخرى وهي كونه مظنة الخيلاء وحاصله أن الإسبال يستلزم جر الثوب وجر الثوب يستلزم الخيلاء ولو لم يقصد اللابس الخيلاء ويؤيده ما أخرجه أحمد بن منيع من وجه آخر عن بن عمر في أثناء حديث رفعه وإياك، وجر الإزار فإن جر الإزار من المخيلة۔

ترجمہ: ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکبر سے تہبند لٹکانا گناہ کبیرہ ہے، اور بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا بھی بظاہر احادیث سے سے حرام ہی معلوم ہوتا ہے لیکن احادیث میں جو تکبر کی قید لگائی گئی ہے اسے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جن احادیث میں تہبند لٹکانے سے مطلقاً منع کیا ہے وہ بھی تکبر سے لٹکانے پر ہی محمول ہیں، لہٰذا بغیر تکبر کے تہبند لٹکانا حرام نہیں ہے۔

علامہ ابن عبد البر مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بغیر تکبر کے تہبند لٹکانے پر وعید نہیں ہے البتہ قمیص اور دیگر کپڑوں کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہر حال میں مذموم ہے۔

اگر کسی شخص کا لباس بغیر تکبر کے ٹخنوں سے نیچے لٹک رہا ہو تو اس کا حال مختلف ہے اگر وہ کپڑا اس کے ٹخنوں کے نیچے لٹک رہا ہو لیکن وہ کپڑا پہننے والے کے قد اور اس کی قامت کے برابر ہو تو اسے حرام ہونا ظاہر نہیں ہو گا، خصوصاً جبکہ بلا قصد ایسا ہو (یعنی غیر ارادی طور پر تہبند یا شلوار پیٹ سے پھسل کر ٹخنوں سے نیچے لٹک گئی ہو) جیسا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے اس طرح واقع ہوا، اور اگر کپڑا پہننے والے کے قد اور قامت سے زائد ہو تو اس سے منع کیا جائے گا کیونکہ اس میں اسراف ہے اور اس کو حرام کہا جائے گا اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس میں عورتوں کی مشابہت ہے، اور یہ پہلی وجہ سے زیادہ قوی وجہ ہے، کیونکہ امام حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کے لباس کی نوع کا لباس پہنتا ہے۔ اور یہ اس وجہ سے بھی ممنوع ہو گا کہ اس طرح کا لباس پہننے والا اس خدشہ سے محفوظ نہیں ہو گا کہ اس کے لباس پر نجاست لگ جائے (کیونکہ اس کا لباس قدموں کے نیچے گھسٹ رہا ہوتا ہے) اور اس ممانعت کی طرف اشارہ اس حدیث میں ہے جس کو امام ترمذی نے شمائل (رقم: ۱۲۱) میں اور امام نسائی نے سنن کبریٰ (رقم: ۹۶۸۲، ۹۶۸۳) میں حضرت عبید بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک تہبند باندھے ہوئے جا رہا تھا اور وہ تہبند زمین پر گھسٹ رہا تھا ناگاہ ایک شخص نے فرمایا: اپنا کپڑا اوپر اٹھاؤ اس میں زیادہ

صفائی اور زیادہ بقاہے، میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ! یہ تو ایک سیاہ اور سفید دھاریوں والا تہبند ہے (یعنی اس معمولی کپڑے میں تکبر کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے لیے میری شخصیت میں نمونہ نہیں ہے؟ میں نے دیکھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدھی پنڈلیوں تک تہبند باندھا ہوا تھا۔ (مسند احمد، ج، ۵، ص، ۳۶۴) اور اس وجہ سے بھی ممنوع ہے کہ کپڑے گھسیٹنے میں تکبر کی بدگمانی ہوتی ہے۔ قامت سے نیچے کپڑا لٹکانا کپڑا گھسیٹنے کو مستلزم ہے اور کپڑا گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے خواہ پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو، اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، حضرت احمد بن منیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہسے روایت کیاہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم تہبند کو گھسیٹنے سے بچو کیونکہ تہبند گھسیٹنا تکبر سے ہے۔[1]

أَبِي أُمَامَةَ بَيْنَمَا نَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ لَحِقَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ الْأَنْصَارِيُّ فِي حُلَّةٍ إِزَارٍ وَرِدَاءٍ قَدْ أَسْبَلَ فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ بِنَاحِيَةِ ثَوْبه ويتواضع لله وَيَقُول عَبدک وبن عَبْدِک وَأَمَتِک حَتَّى سَمِعَهَا عَمْرُو فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي حَمْشُ السَّاقَيْنِ فَقَالَ يَا عَمْرُو إِنَّ اللهَ قَدْ أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ يَا عَمْرُو إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْبِلَ (الْحَدِيثَ)۔

ثم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بكفه تحت ركبة نفسه فقال: يا عمرو بن زرارة هذا موضع الإزار ثم رفعها ثم وضعها تحت ذلک فقال: يا عمرو بن زرارة هذا موضع الإزار ثم رفعها ثم وضعها تحت ذلک فقال: يا عمرو بن زرارة هذا موضع الإزار۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ "ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے کہ حضرت عمرو بن زرارہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند اور چادر کے لباس میں ملبوس اس حالت میں حاضر ہوئے کہ تہبند ٹخنوں کے نیچے تھاتو رسول اللہ ﷺ اس کے کپڑے کے کنارے کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی کے ساتھ دعا فرمانے لگے: اے اللہ ! تیرا بندہ اور تیرے بندے کا بیٹا اور تیری کنیز کا بیٹا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہمانے اس کو سنا تو نبی کریم ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ ! میں زیادہ باریک پنڈلیوں والا ہوں تو آپعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہما بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی بڑی اچھی تخلیق فرمائی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ تہبند لٹکانے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ پھر رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی ہتھیلی (چار انگلیوں) کو اپنے گھٹنے نیچے رکھ کر ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہ تہبند کی جگہ یہ ہے، پھر اس کو اٹھایا پھر اس کے نیچے (چار انگلیاں) رکھ کر

[1] (فتح الباری شرح صحیح البخاری، کتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبہ من الخیلاء ج ۱۰ ص ۳۲۵-۳۲۴، دار السلام)

ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے، پھر اس کو اٹھایا پھر اس کو اس کے نیچے (چار انگلیاں) رکھ کر ارشاد فرمایا: اے عمرو بن زرارہ! رضی اللہ تعالیٰ عنہما تہبند کی جگہ یہ ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وظاهره أن عمرا المذكور لم يقصد بإسباله الخيلاء وقد منعه من ذلك لكونه مظنة۔

ترجمہ: اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مذکور نے اپنے (کپڑے) لٹکانے میں تکبر کا قصد نہیں کیا اور اس کو لٹکانے سے منع فرمایا کیونکہ اس سے بدگمانی ہوتی ہے۔[2]

درج ذیل عبارت کئی شارحین نے لکھی:

وَقَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ فِي شَرْحِ التِّرْمِذِيِّ: لَا يَجُوزُ لِرَجُلٍ أَنْ يُجَاوِزَ بِثَوْبِهِ كَعْبَيْهِ وَيَقُولَ لَا أَتَكَبَّرُ بِهِ، لِأَنَّ النَّهْيَ قَدْ يَتَنَاوَلُهُ لَفْظًا، وَلَا يَجُوزُ أَنْ يَتَنَاوَلَهُ اللَّفْظُ حُكْمًا فَيَقُولَ إِنِّي لَسْتُ مِمَّنْ يُسْبِلُهُ، لِأَنَّ تِلْكَ الْعِلَّةَ لَيْسَتْ فِي فَإِنَّهُ مُخَالِفٌ لِلشَّرِيعَةِ وَدَعْوَى لَا تُسَلَّمُ لَهُ بَلْ مِنْ تَكَبُّرِهِ يُطِيلُ ثَوْبَهُ وَإِزَارَهُ فَكَذِبُهُ فِي ذَلِكَ مَعْلُومٌ قَطْعًا۔

ترجمہ: حضرت ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ”شرح الترمذی“ میں فرمایا: مرد کو جائز نہیں کہ اس کا کپڑا اس کے ٹخنوں سے نیچے ہو اور نہ اس کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں تکبر کی نیت سے نیچے نہیں رکھتا، کیونکہ الفاظ کے اعتبار سے نھی اس پر مشتمل ہے، اور حکم کے اعتبار سے اس کو لفظ کا شامل ہونا جائز نہیں ہے، اور نہ اس کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو اس کو لٹکاتے ہیں، کیونکہ مجھ میں وہ علت نہیں ہے، پس بے شک وہ شریعت کے مخالف ہے اور اس کے دعویٰ کو تسلیم نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کا اپنے کپڑے اور تہبند کو لمبا کرنا ہی اس کے متکبر ہونے سے ہے، تو اس کا اس میں جھوٹا ہونا قطعاً معلوم ہے۔

(جہاں لفظ نہی شامل ہو وہاں اس کی تعلیل بیان کرنا دعوی بلا دلیل ہے۔ بلکہ دامن کا لمبا کرنا تکبر پر دلیل ہے)[3]

محمد ابن الشیخ علامہ علی بن آدم بن موسیٰ ایتوبي ولولوی، مدرس دار الخیریہ مکہ مکرمہ، لکھتے ہیں:

هذا الذى قاله ابن العربى رحمه الله تعالى هو عين التحقيق، الذى لا يستقيم غيره مع هذه النصوص الظاهرة فى التحريم، وحاصله أن الاسبال يستلزم جر الثوب، وجر الثوب يستلزم الخيلاء، ولو لم يقصد اللابس الخيلاء، فيحرم عليه، كما دلّت على ذلك ظواهر النصوص الواردة فى النهى عن الاسبال۔

---

[1] (المعجم الكبير رقم ۹۰۹۷ ج۸ ص ۲۳۲ مسند الشاميين ج ۲ ص ۲۲۷ فتح البارى شرح صحيح البخارى، كتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبه من الخيلاء ج ۱۰ ص ۳۲۵ دارا لكتب العلميه بيروت)

[2] (فتح البارى شرح صحيح البخارى كتاب اللباس باب ۵ من جر ثوبه من الخيلائ ج ۱۰ ص ۲۲۵ دار الكتب العلميه بيروت)

[3] (طرف التثريب ج۹ ص۳۵، ۳۴ فتح البارى ج۱۰ ص ۲۶۴، ۲۶۳ تحفة الاحوذى ج۵ ص۴۰۵ داراحياء التراث العربى بيروت سبل السلام باب الادب ج۴ ص ۱۵۸ عون المعبود ج ۱۱ ص ۷۶ داراحياء التراث العربى بيروت نيل الاوطار ج۲ ص ۱۱۲ حاشيه بخارى ج ۲ ص ۸۶۱)

ترجمہ: یہ جس کو ابن عربی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے یہی عینِ تحقیق ہے، جو تحریم ان ظاہری نصوص کے ساتھ ہے اس کے علاوہ درست نہیں ہو سکتا، اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ٹخنوں کے نیچے لٹکانا کپڑے کے گھسیٹنے کو مستلزم ہے، اور کپڑے کو گھسیٹنا تکبر کو مستلزم ہے، اگرچہ لباس پہننے والے نے تکبر کا قصد نہ کیا ہو، تو اس پر حرام ہو گا، جیسا کہ لٹکانے کے متعلق نہی کے بارے میں نصوصِ واردہ کا ظاہر اس پر دلیل ہے۔[1]

محمد ابن الشیخ العلامة علی بن آدم بن موسی الأیتوبی الوَلّوِیُ، مدرس ''دار الخیریّة مکة المکرمة'' لکھتے ہیں:

قد تلخّص مما ذُکر من الأدلة أن جرّ الازار تحت الکعبین حرام، و لو لم یکن بقصد الخیلاء، لأنه ﷺ جعله من المخیلة، و أما بقصد الخیلاء، فهو أشدّ تحریماً، و له الوعید المذکور فی حدیث الباب، و أما ما تقدّم من قول النووی: انه مکروه تنزیهًا، فلا یخفی ضعفه، فتبصّر۔

ترجمہ: تحقیق جن دلائل کو ذکر کیا گیا ان کی تلخیص یہ ہے کہ بے شک تہبند کو ٹخنوں کے نیچے گھسیٹنا حرام ہے، اگرچہ تکبر کے ارادہ سے نہ ہو، کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو تکبر سے بتایا ہے، اگر تکبر کے ارادہ سے ہو، تو زیادہ سخت حرام ہے، اور باب حدیث میں مذکور وعید اس کے لیے ہوگی اور رہا وہ جو امام نووی کے قول میں سے پہلے گزرا: وہ مکروہ تنزیہی ہے، پس اس کا ضعیف ہونا مخفی نہیں ہے، فتبصر۔[2]

محمد ابن الشیخ العلامة علی بن آدم بن موسی الأیتوبی الوَلّوِیُ، مدرس ''دار الخیریّة مکة المکرمة'' لکھتے ہیں:

و خلاصة القول فی هذه المسألة أن الاسبال محرّم مطلقاً، سواء کان خیلاء، و هو أشد تحریما، أم لا۔

اور اس مسئلہ میں خلاصۂ کلام یہ ہے کہ (کپڑا، یا تہبند، شلوار) لٹکانا مطلقاً حرام ہے، باعتبار تکبر ہو یا بغیر تکبر کے ہو۔ باعتبار تکبر ہو تو زیادہ سخت حرام ہے۔[3]

شیخ عبد الحق حنفی، نقشبندی محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وازار آنحضرت ﷺ از بالائے ناف تا فوق کعبین بودہ وایںقدر سنت وازناف تازانو ستر فرض ست و بعضے ناف را در عورت نگرفتہ اند چرا کہ ناف حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما را آنحضرت ﷺ بوسیدہ اند وہمبریں قیاس سراویل کہ در عجم متعارفست وآنرا شلوار میگوئند بمقدار ازار آنحضرت ﷺ باید اگر زیر شتالنگ بادوسہ چنیں واقع شود بدعت وگناہ ست ودر حدیث آمدہ کہ

[1] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرة العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینة، ج ۳۹، ص ۹۲، دار المعراج للنشر الریاض المکة العربیة السعودیة)
[2] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرة العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینة، ج ۳۹، ص ۹۳، دار المعراج للنشر، الریاض المکة العربیة السعودیة)
[3] (شرح سنن النسائی المسمیٰ ذخیرة العقبیٰ فی شرح المجتبیٰ، کتاب الزینة، ج ۳۹، ص ۹۳، دار المعراج للنشر، الریاض المکة العربیة السعودیة)

گفت رسول علیہ الصلوۃ والسلام: ''لا ینظر اللہ یوم القیامۃ الی من جر ازارہ بطرا''یعنی نظر نمیکند خدائے تعالی جلشانہ روز قیامت سوئے کسے کہ بکشد ازار خود را و دراز ارسازد بطریق تکبر واسراف وطغیان نعمت و ازیں قید معلوم میشود کہ اگر از روئے تکبر نباشد و بجہت عذرے باشد مثل مرض ورقت کردہ بود و نزد فقہا ازار کہ فروتر از شتالنگ باشد حرام است وبدعت ست محض چنانچہ فرمود رسول علیہ الصلوۃ والسلام: ''من جر ثوبہ خیلاء لم ینظر اللہ الیہ یوم القیامۃ'' وقال علیہ الصلوۃ والسلام: ''ماأسفل من الکعبین من الازار فھو فی النار''۔

ترجمہ: اور آنخضرت شفیع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تہبند مبارک ناف کے اوپر سے ٹخنوں کے اوپر تک ہوتا تھا اور اسی قدر مسنون ہے اور ناف (کے نیچے) سے گھٹنوں (کے نیچے) تک ستر (یعنی ڈھانکنا) فرض ہے، بعض نے ناف کو ستر عورت (یعنی جس کا چھپانا فرض ہے) قرار نہیں دیا کیونکہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کے ناف کو آنحضرت نے بوسہ دیا ہے۔ اسی قیاس پر سراویل (پاجامہ یا شلوار) ہے۔ جو سراویل عجم میں متعارف ہے اسے شلوار کہتے ہیں وہ آنحضرت شفیع محشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازار کی مقدار کے برابر ہونی چاہئے اگر ٹخنوں سے دو تین شکن نیچے ہو تو بدعت و گناہ ہے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: خدائے عزوجل بروز قیامت اس شخص کی جانب نظر (رحمت) نہیں فرمائے گا جو ازراہ تکبر، فضول خرچی اور نعمت کی ناشکری کے طور پر اپنی چادر گھسیٹے اور اسے لمبا کرے۔ اس قید سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر (چادر کا لمبا ہونا) ازروئے تکبر کے نہ ہو بلکہ کسی عذر کی وجہ سے ہو مثلاً (چادر کو) مرض اور تکلیف کی وجہ سے لمبا کیا ہو (تو حرج نہیں)۔ اور فقہا کے نزدیک ازار (تہبند) جو ٹخنوں سے نیچے ہو حرام ہے اور محض بدعت ہے چنانچہ رسول اللہعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''جو شخص بطور تکبر اپنا کپڑا گھسیٹے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی جانب نظر (عنایت) نہیں فرمائے گا''۔ اور فرمایا: ''تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ دوزخ کی آگ میں ہے''۔[1]

عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز لکھتے ہیں:

اسئلة متفرقة و الأجوبة عليها حكم إطالة الثوب سواء كان للخيلاء أو بحكم العادة۔

س: ما حكم إطالة الثوب إن كان للخيلاء أو لغير الخيلاء؟ و ما الحكم إذا اضطر الإنسان إلى ذلك سواء إجبارا من أهله إن كان صغيرا أو جرت العادة على ذلك؟

الجواب: حكمه التحريم في حق الرجال، لقول النبي صلى الله عليه وسلم: «ما أسفل من الكعبين من الإزار فهو في النار» رواه البخاري في صحيحه، وروى مسلم في الصحيح عن أبي ذر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله

---

[1] (کشف الالتباس فی استحباب اللباس، ص، ۴۷، ۴۶، ۴۵، رسالہ ضیاء القلوب فی لباس المحبوب، خلاصۃ الفتاوی، ج، ۳، ص، ۱۵۵، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

عليه وسلم: «ثلاثة لا يكلمهم الله ولا ينظر إليهم يوم القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم: المسبل إزاره، والمنان فيما أعطى، والمنفق سلعته بالحلف الكاذب. وهذان الحديثان وما في معناهما يعمان من أسبل ثيابه تكبرا أو لغير ذلك من الأسباب، لأنه صلى الله عليه وسلم عمم وأطلق ولم يقيد، وإذا كان الإسبال من أجل الخيلاء صار الإثم أكبر والوعيد أشد لقوله صلى الله عليه وسلم: «ومن جر ثوبه خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيامة» ولا يجوز أن يظن أن المنع من الإسبال مقيد بقصد الخيلاء؛ لأن الرسول لم يقيد ذلك عليه الصلاة والسلام في الحديثين المذكورين آنفا، كما أنه لم يقيد ذلك في الحديث الآخر وهو قوله لبعض أصحابه «وإياك والإسبال فإنه من المخيلة، فجعل الإسبال كله من المخيلة، لأنه في الغالب لا يكون إلا كذلك، ومن لم يسبل للخيلاء فعمله وسيلة لذلك، والوسائل لها حكم الغايات، ولأن ذلك إسراف وتعريض لملابسه للنجاسة والوسخ، ولهذا ثبت عن عمر رضي الله عنه أنه لما رأى شابا يمس ثوبه الأرض قال له: ارفع ثوبك فإنه أتقى لربك وأنقى لثوبك. أما قوله لأبي بكر الصديق رضي الله عنه لما قال: «يا رسول الله إن إزاري يسترخي إلا أن أتعاهده فقال له صلى الله عليه وسلم: إنك لست ممن يفعله خيلاء» فمراده صلى الله عليه وسلم أن من يتعاهد ملابسه إذا استرخت حتى يرفعها لا يعد ممن يجر ثيابه خيلاء لكونه لم يسبلها، وإنما قد تسترخي عليه فيرفعها ويتعاهدها ولا شك أن هذا معذور، أما من يتعمد إرخاءها سواء كانت بشتا أو سراويل أو إزارا أو قميصا فهو داخل في الوعيد وليس معذورا في إسباله ملابسه، لأن الأحاديث الصحيحة المانعة من الإسبال تعمه بمنطوقها وبمعناها ومقاصدها فالواجب على كل مسلم أن يحذر الإسبال وأن يتقي الله في ذلك، وألا تنزل ملابسه عن كعبه عملا بهذا الحديث الصحيح، وحذرا من غضب الله وعقابه. والله ولي التوفيق۔

سوال: کپڑا دراز رکھنے کا کیا حکم ہے۔ خواہ یہ تکبر کے طور پر یا بغیر تکبر ہو اور جب انسان اس کام پر مجبور ہو تو پھر کیا حکم ہے۔ خواہ اس کے گھر والے اسے مجبور کرتے ہوں۔ اگر وہ چھوٹا ہو یا عادت ہی ایسی رائج ہو گئی ہو؟

جواب: مردوں کے لئے ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: تہبند کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ آگ میں ہو گا۔ (بخاری، مسلم) رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: قیامت کے دن تین شخصوں سے نہ اللہ کلام کرے گا نہ انکی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہو گا۔ ایک اپنا تہبند لٹکانے والا، دوسرا دے کر احسان جتلانے والا اور تیسرا جھوٹی قسم کھا کر اپنا مال بیچنے والا۔ یہ دونوں حدیثیں اور دوسری حدیثیں جو ان معنوں میں آئی ہیں، ہر طرح کے کپڑے لٹکانے والے کو عام ہیں۔ خواہ وہ تکبر سے لٹکائے یا کسی اور وجہ سے۔ کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علی الاطلاق فرمایا ہے اسے مقید نہیں کیا اور جب کپڑا لٹکانا ازراہ تکبر ہو تو یہ کبیرہ گناہ بن جاتا ہے جس کی سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے تکبر سے اپنا کپڑا گھسیٹا، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسکی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ اور یہ خیال کرنا کہ کپڑا لٹکانا صرف اس صورت میں منع ہے کہ ازراہ تکبر ہو، درست نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مذکورہ حدیثوں میں اس چیز کی کوئی قید نہیں لگائی۔ جیسا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا

:لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ گویا آپ نے کسی طرح بھی، لٹکانے کی وجہ تکبر ہی قرار دی ہے۔ کیونکہ بسا اوقات معاملہ ایسا ہوتا ہے اور جو شخص تکبر کی وجہ سے نہ لٹکائے تو یہ بھی تکبر کا وسیلہ ہے اور وسیلہ کا حکم غایت کا حکم ہوتا ہے۔ یہ کام اسلئے بھی حرام ہے کہ اس میں اسراف ہے اور اپنے لباس کی نجاست اور میل کچیل پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے کہ جب وہ کسی نوجوان کو دیکھتے کہ اس کا کپڑا زمین کو چھو رہا ہے تو اسے فرماتے :"اپنا کپڑا اونچا کرلے۔ یہ تیرے پروردگار کے لئے تقوی اور تیرے کپڑے کے لئے صفائی والا کام ہے"۔ رہا آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ارشاد۔ جب انہوں نے کہا:"اے اللہ کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام! میرا تہبند سرک جاتا ہے الا یہ کہ میں اسے باندھتا رہوں"۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا:"آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے نہیں جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں"۔ اس سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد یہ تھی کہ جب تہبند ڈھیلا ہو جائے تو وہ شخص باندھ لے حتیٰ کہ وہ اونچا ہو جائے، وہ ان میں شمار نہ ہو گا جو تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتے ہیں کیونکہ اس نے اسے لٹکایا نہیں اور جس شخص کا کپڑا ڈھیلا ہو جاتا ہو اور پھر وہ اسے اونچا کرتا اور باندھتا رہے، بلاشبہ وہ معذور ہے مگر جو شخص دانستہ اسے لٹکائے خواہ یہ چغہ (عبایا) ہو یا پاجامہ یا تہبند یا قمیص ہو، وہ اس وعید میں داخل ہے اور وہ اپنا لباس لٹکانے میں معذور نہیں ہے کیونکہ جو احادیث صحیحہ کپڑا لٹکانے کی ممانعت میں آئی ہیں، اپنے مفہوم و معنی اور مقاصد کے اعتبار سے عام ہیں۔ لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ کپڑا لٹکانے سے بچے اور اس معاملہ میں اپنے پروردگار سے ڈرے اور ان صحیح احادیث پر عمل کرتے ہوئے اپنا لباس ٹخنے سے نیچے نہ لٹکائے اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکے عذاب سے ڈرے۔۔۔ اور توفیق دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔[1]

قال يحرم على الرجل أن يجاوز بثوبه الكعبين ويستحب أن يكون في أنصاف الساق إلى ما فوق الكعبين ففي الصحيح سترة المؤمن إلى أنصاف ساقيه فإن زاد فإلى الكعبين فما زاد ففي النار۔

فرمایا: مرد پر اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور ٹخنوں کے اوپر سے لے کر نصف پنڈلی تک مستحب ہے، پس صحیح (قول) میں مومن کا پردہ نصف پنڈلیوں تک ہے اگر زیادہ کرے تو ٹخنوں تک ہے، پھر جو زیادہ کرے تو وہ حصہ دوزخ میں جائے گا۔[2]

ابو مالک کمال بن سید سالم، لکھتے ہیں:

فالحاصل أن إسبال الثوب تحت الكعبين حرام ويستحق فاعله أن يُعذَّب، ماتحت الكعبين في النار-

---

[1] (مجموع فتاویٰ ابن باز، اطالۃ الثوب، ج،٦، ص،٣٨٣، ٣٨٢)

[2] (الذخرۃ، باب فرع، ج،١٣، ص،٢٦٥)

ترجمہ: پس حاصل کلام یہ ہے کہ کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے، اور کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا عذاب کا مستحق ہے، جو ٹخنوں سے نیچے ہے وہ آگ میں ہے۔[1]

محمد بن صالح عثیمین لکھتے ہیں:

و اختلف العلماء في صحة صلاته، فمنهم من قال: إن صلاته صحيحة لكنه آثم بإسبال ثوبه، و منهم من قال: إن صلاته غير صحيحة، لأنه لبس ثوباً محرماً و الراجح أن صلاته صحيحة، لكنه آثم بالإسبال۔

ترجمہ: اور ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی نماز کی صحت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، پس بعض کہتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح ہے لیکن ٹخنوں سے نیچے اپنے کپڑے کو لٹکانے والا گناہ گار ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ اس کی نماز صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس نے حرام لباس پہنا ہے، اور راجح یہ ہے کہ اس کی نماز صحیح ہے، لیکن ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا گناہ گار ہے۔[2]

سعید بن علی بن وھف قحطانی، لکھتے ہیں:

و هذه الأحاديث تدل على أن إسبال الثياب و العمائم، و المشالح، و السراويل من كبائر الذنوب. و أن المسبل من الرجال إن كان متكبر أفقد ارتكب كبيرتين: الكبر، و الإسبال، و إن لم يكن متكبر أفقد ارتكب كبيرة الإسبال۔

ترجمہ: اور یہ (مذکورہ بالا) احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ کپڑے اور عمامے اور شلواریں ٹخنوں سے نیچے لٹکانا کبیرہ گناہوں میں سے ہیں۔ اور بے شک ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا مرد اگر متکبر ہے تو اس نے دو کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، اور اگر متکبر نہیں ہے تو اس نے ایک کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ہے۔[3]

محمد بن عبد العزیز بن عبد اللہ المسند، لکھتے ہیں:

س: هل إسبال الملابس لغير الخيلاء محرم أم لا؟

ج: إسبال الملابس للرجال محرم سواء كان الخيلاء أو لغير الخيلاء، و لكن إذا كان للخيلاء فإن عقوبته أشد و أعظم۔

س: کیا بغیر تکبر کے ٹخنوں سے کپڑے کو نیچے لٹکانا حرام ہے یا نہیں؟

ج: مردوں کے لیے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے، خواہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے ہو، اور لیکن جب تکبر کے طور پر ہو تو اس کی سزا زیادہ سخت اور زیادہ بڑی ہے۔

---

[1] (صحیح فقه السنة و ادلته و توضیح مذاهب الائمة، اللباس و الزینة للرجال، ج، ۳، ص، ۱۲)

[2] (اللقاء الشهری ج ۴ ص ۱۵)

[3] (الصیام فی الاسلام فی وء الکتبا و السنة، ج، ۱، ص، ۶۵۹، صلاة العیدین، ج، ۱، ص، ۱۵۰، صلاة المومن، ج، ۲، ص، ۱۶۹)

علامہ یحییٰ بن شرف نووی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ان الاسبال یکون فی الازار والقمیص والعمامة وأنه لایجوز اسباله تحت الکعبین ان کان للخیلاء فان کان لغیرها فهو مکروه وظواهر الأحادیث فی تقییدها بالجر خیلاء تدل علی أن التحریم مخصوص بالخیلاء وهکذا نص الشافعی علی الفرق کماذکرنا وأجمع العلماء علی جواز الاسبال للنساء وقد صح عن النبی صلی اللہ علیه وسلم الاذن لهن فی ارخاء ذیولهن ذراعا واللہ أعلم وأما القدر المستحب فیماینزل إلیه طرف القمیص والازار فنصف الساقین کما فی حدیث ابن عمر المذکور وفی حدیث أبی سعید ازاره المؤمن إلی أنصاف ساقیه لاجناح علیه فیما بینه وبین الکعبین ماأسفل من ذلک فهو فی النار فالمستحب نصف الساقین والجائز بلاکراهة ماتحته إلی الکعبین فمانزل عن الکعبین فهو ممنوع فان کان للخیلاء فهو ممنوع منع تحریم والافمنع تنزیه وأما الأحادیث المطلقة بأن ماتحت الکعبین فی النار فالمراد بها ما کان للخیلاء لانه مطلق فوجب حمله علی المقید۔

ترجمہ: تہبند، قمیص اور عمامہ ان میں سے ہر ایک کو ٹخنوں کے نیچے تکبر سے لٹکانا منع ہے اور بغیر تکبر کے لٹکانا مکروہ ہے چونکہ احادیث میں کپڑا لٹکانے کی ممانعت کو تکبر کے ساتھ مقید کیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ حرام ہونا تکبر کے ساتھ مخصوص ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس فرق کی تصریح کی ہے، اور عورتوں کے لیے کپڑا لٹکانے کی اجازت ہے اس کے جواز کی احادیث میں تصریح ہے اور اس کے جواز پر علماء کا اجماع ہے، حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ مومن کا تہبند پنڈلیوں کے نصف سے لے کر ٹخنوں تک نیچے ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے، لہٰذا پنڈلیوں کے نصف تک تہبند لٹکانا مستحب ہے، اور ٹخنوں تک نیچے کرنا بلا کراہت جائز ہے، اور تہبند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا اگر تکبر کی وجہ سے ہو تو مکروہ تحریمی ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ تنزیہی ہے، اور جن احادیث میں مطلقاً آیا ہے کہ جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم میں ہے اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو تکبر کی وجہ سے لٹکایا گیا ہو، کیونکہ یہ احادیث مطلق ہیں اور مطلق کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے۔[1]

محمد بن صالح بن محمد عثیمین لکھتے ہیں:

وبهذا نعرف قول النووي رحمه اللہ بتحریم الإسبال خیلاء وکراهیته لغیر الخیلاء والصحیح أنه حرام سواء کان لخیلاء أم لغیر خیلاء بل الصحیح أنه من کبائر الذنوب لأن کبائر الذنوب کل ذنب جعل اللہ علیه عقوبة خاصة به وهذا علیه عقوبة خاصة ففیه الوعید بالنار إذا کان لغیر الخیلاء وفیه وعید بالعقوبات الأربع إذا کان خیلاء لا یکلمه اللہ یوم القیامة ولا ینظر إلیه ولا یزکیه وله عذاب ألیم۔

---

[1](شرح النووی علی مسلم، ج، ۲، ص، ۱۹۵، ۱۹۴، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ترجمہ: اور اس سے ہم امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول پہچانتے ہیں کہ تکبر کے ارادہ سے کپڑے کا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا حرام ہے اور بغیر تکبر کے مکروہ ہے، اور صحیح یہ ہے کہ تکبر سے ہو یا بغیر تکبر کے ہو حرام ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے کیونکہ ہر کبیرہ گناہ پر اللہ تعالیٰ نے ایک خاص سزا مقرر فرمائی ہے، اور اس (اسبال) پر بھی ایک خاص سزا مقرر فرمائی ہے، پس جب بغیر تکبر کے ہو تو اس پر آگ کی وعید ہے، اور جب تکبر کے ساتھ ہو تو اس پر چار سزاؤں کی وعید ہے:

(۱) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کلام نہیں فرمائے گا

(۲) اور اسکی طرف نظر رحمت نہیں دیکھے گا

(۳) اور اس کو پاک نہیں فرمائے گا

(۴) اس کے لیے دردناک عذاب ہو گا۔[1]

محمد بن علی بن محمد بن عبد اللہ شوکانی یمنی لکھتے ہیں:

وَقَدْ جَمَعَ بَعْضُ الْمُتَأَخِّرِينَ رِسَالَةً طَوِيلَةً جَزَمَ فِيهَا بِتَحْرِيمِ الْإِسْبَالِ مُطْلَقًا۔

ترجمہ: اور تحقیق بعض متاخرین نے ایک بہت بڑا رسالہ جمع کیا ہے، اس میں جزم کیا ہے کہ کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مطلقاً حرام ہے۔[2]

حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی، شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

ورأى ابن عمر رجلا يجر إزاره فقال إن للشيطان إخوانا كررها مرتين أو ثلاثا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنا تہبند گھسیٹ رہا تھا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو یا تین بار فرمایا شیطان کے بھی کچھ بھائی ہیں۔[3]

شیخ المشائخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ملفوظ جسے آپ کے خلیفہ اکبر حضرت سیدنا ہند ولی خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمع کیا لکھتے ہیں:

ٹخنوں کے نیچے لباس کرنے کے بارے میں آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تہبند، شلوار اور پاجامہ کے پائنچہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا منافقوں کی علامت ہے اور جو شخص تہبند، شلوار کا پائنچہ لمبا کرتا ہے اور پاؤں کے نیچے لٹکاتا ہے تو ایسا شخص خدا اور اس کے رسول ﷺ کا

---

[1] (شرح ریاض الصالحین ج۴ ص ۲۸۷)

[2] (نيل الاوطار كتاب اللباس باب الرخصة فى اللباس الجميل ج ۱ ص ۱۶۴ دار الكلم الطيب بيروت)

[3] (احياء العلوم بيان ذم الاختيال واظهار الكبر فى مشى وجر اللثياب ج۳ ص ۲۶۲، المكتبة التوفيقية، القاهرة)

نافرمان ہے پھر فرمایا جو شخص شلوار، پاجامہ، تہبند کے پائنچے کو اس قدر دراز کرے کہ وہ پاؤں کے نیچے تک لٹکے تو ہر قدم پر زمینی اور آسمانی فرشتے اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور اس کے بدن کے ہر بال کے بدلے دوزخ میں اس کے لئے ایک مکان تیار ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا جو لمبا تہبند باندھتا ہے وہ منافق ہوتا ہے اور جو اپنی آستین دراز کرتا ہے وہ لعنتی ہوتا ہے۔

پھر حضرت ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ بدن پر کپڑا پہننے میں فضول خرچی نہ کریں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کپڑے میں اسراف یعنی ضرورت سے زیادہ صرف کرنے سے منع فرمایا ہے یہاں کہ مردے کے بدن پر کفن کے زیادہ کرنے کو منع فرمایا ہے، کیونکہ دونوں چیزوں کے بدلے عذاب ہوتا ہے، ایک کفن کی فضول خرچی کرنے سے اور دوسری چیز لباس کا ٹخنوں سے نیچے کرنا ہے۔[1]

علامہ علی بن سلطان محمد القاری، حنفی، نقشبندی، قدس سرہ لکھتے ہیں:

أَنَّ أُزْرَهُمْ إِلَى أَنْصَافِ سُوقِهِمْ. قَالَ الطِّيبِيُّ فِيهِ إِدْمَاجٌ بِمَعْنَى التَّجَلُّدِ وَالتَّشَمُّرِ لِلْقِيَامِ إِلَى الصَّلَاةِ، لِأَنَّ مَنْ شَدَّ إِزَارَهُ إِلَى سَاقِهِ تَشَمَّرَ لِمُزَاوَلَةِ مَا اهْتَمَّ بِشَأْنِهِ، أَوْ يَكُونَ كِنَايَةً عَنِ التَّوَاضُعِ، كَمَا أَنَّ جَرَّ الْإِزَارِ كِنَايَةٌ عَنِ الْكِبْرِ وَالْخُيَلَاءِ۔

ترجمہ: ان کا ازار تہبند نصف ساق تک ہو گا۔ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں اس میں ادماج ہے اس معنیٰ: **التَّجَلُّدِ وَالتَّشَمُّرِ لِلْقِيَامِ إِلَى الصَّلَاةِ۔**

کیونکہ جو شخص تہبند پنڈلی تک کس لیتا ہے تو اس سے کسی اہم کام کے لئے تیار ہونا سمجھا جاتا ہے، یا یہ کنایہ ہے تواضع سے۔ جیسے ازار کا لٹکانا تکبر سے کنایہ ہوتا ہے۔[2]

وفی الشمائل عن عبید بن خالد المحاربی قال بینما انا امشی بالمدینة اذ انسان خلفی یقول: ارفع ازارک فانه اتقی وفی روایة انقی۔۔ فالتفت فاذا هو رسول اللہ ﷺ فقلت یا رسول اللہ ﷺ انما هی بردة ملحاء قال اما لک فِیَّ اسوة، فنظرت فاذا ازاره الی نصف ساقیه۔۔ وعن حذیفة قال اخذ رسول اللہ ﷺ بعضلة ساقی او ساقه فقال: هذا موضع الازار، فان ابیت فاسفل فان ابیت فلا حق للازار فی الکعبین۔

شمائل میں ہے کہ عبید بن خالد محاربی نے کہا کہ میں مدینہ میں جا رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے آواز دی کہ اپنی تہبند کو اونچا کرو کیونکہ یہ تقویٰ ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ اس طرح یہ پاک رہے گی، میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ یہ بہت قیمتی اور عمدہ چادر نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے لئے میرے طریقے

---

[1] (انیس الارواح، ہشت بہشت، ص، ۵۳)

[2] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الفضائل والشمائل باب فضائل سید المرسلین ج ۱۰ ص ۴۲ المکتبہ الرشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ)

(سنت) میں کامل نمونہ نہیں ہے؟ پس جب میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک آدھی پنڈلی تک اونچا تھا۔۔۔۔ حضرت حذیفہ ؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے میری یا اپنی پنڈلی کے درمیان سخت گوشت کو پکڑ کر فرمایا: یہ تہبند کی جگہ ہے اور اگر تم یہاں تک نہیں رکھنا چاہتے تو اس سے ذرا نیچے کر لو اور اگر اس سے اور نیچے کرنا چاہتے ہو تو ٹخنوں سے نیچے تہبند کو لٹکانے کا کوئی حق نہیں ہے۔[1]

اور ابو داؤد شریف میں ابن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نعم الرجل خريم الاسدى لولا طول جمته واسبال ازاره فبلغ ذلك خريما فجعل فاخذ شفرة فقطع بها جمته الى أذنيه ورفع ازاره الى انصاف ساقيه۔

آپ ﷺ نے فرمایا خریم اسدی بہت اچھا شخص ہے اگر اس کے سر کے بال بڑے نہ ہوتے اور تہبند نیچا نہ ہوتا، جب یہ خبر خریم اسدی کو پہنچی تو چھری لے کر بال کاٹ ڈالے اور کانوں تک کر لئے اور تہبند کو آدھی پنڈلی تک اونچا کر لیا۔[2]

درج بالا روایات سے یہ معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابن عمر جیسے صحابی کہ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے خود فرمایا:

نعم الرجل عبد اللہ۔

عبد اللہ بہت ہی اچھا شخص ہے۔[3]

حضرت خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اپنا تہبند اونچا کرو جو اس وقت ٹخنوں سے نیچے تھا اور اتنا زیادہ اونچا کرا دیا کہ وہ آدھی پنڈلی تک پہنچ گیا اور اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے کہ وہ آدھی پنڈلی تک رہتا۔

درج بالا حدیث سے ان باتوں کا استنباط ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ان صحابہ کو تہبند اونچا کرنے کا جو حکم دیا تو کیا ان کے دل میں تکبر تھا؟ کیونکہ تہ بند نیچے کرنا متکبرین کی نشانی ہے، اور اگر ان کے دل میں تکبر نہیں تھا تو آپ ﷺ نے ان کو تہبند لٹکانے کی رخصت کیوں عطا نہیں فرمائی جس طرح حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ فرما کر رخصت دی تھی کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں تکبر نہیں ہے۔

---

[1] (مرقات ج۸ ص ۱۲۹، کتاب اللباس، الفصل الاول، حقانیہ، پشاور)

[2] (ابو داؤد شریف، کتاب الباس ص ۵۶۵) (المستدرک علی الصحیحین، ج۵ ص ۱۱۹)

[3] (بخاری، ص ۱۵۱، ج ۱، باب التهجد، نور محمد کراچی)

دوسری بات یہ کہ جب آپ ﷺ نے بار بار عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہم کو جو تہبند اوپر کرنے کا حکم فرمایا، اگر عام حالت سے اوپر کرنے کے لئے فرمان نبوی ﷺ کے موافق بار بار اوپر چڑھانا (سمیٹنا اور اڑسنا) مکروہ ہے تو پھر تو ان صحابہ نے بھی (نعوذ باللہ!) مکروہ کام کیا کیونکہ اس عمل کو بعض علماء اہلسنت نے کف ثوب کے حکم میں داخل مان کر مکروہ قرار دیا جس کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہو گا کہ جب عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہم کا اس طرح اپنے کپڑے کو سمیٹنا اور اڑسنا مکروہ ہے تو آپ ﷺ کی موجودگی میں مکروہ کام ہو رہا ہے اور آپ ﷺ اس کو منع نہیں فرما رہے ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی خلاف شرع کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے روکے ورنہ زبان سے روکے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ کمزور ایمان کی نشانی ہے۔

معلوم ہوا کہ عبد اللہ بن عمر، خریم اسدی اور عبید بن خالد محاربی رضی اللہ عنہم کے دل میں تکبر نہ تھا پھر بھی آپ ﷺ نے ان کو بار بار کپڑا اٹھانے کا حکم دیا کہ وہ آدھی پنڈلی تک پہنچ گیا، اسی طرح ان صحابہ کا اپنے تہبند کو اوپر اٹھانا (اڑسنا، سمیٹنا) بھی مکروہ نہیں تھا ورنہ آپ ﷺ ضرور ان کو اس طرح کرنے سے منع فرماتے۔

درج بالا روایات سے ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جو اپنے آپ کو سچا عاشق رسول ﷺ کہتے ہیں اور شلوار کو فرمان نبوی ﷺ اور سنت نبوی ﷺ اور صحابہ کرام کے عمل کے خلاف ٹخنوں سے نیچے رکھتے ہیں اور جمہور صحابہ کے عمل کو پس پشت ڈال کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تخصیصی عمل کو دلیل بنا کر مکروہ کام کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اب ہم ذیل میں وہ روایات نقل کرتے ہیں جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے کو تہبند (شلوار وغیرہ) ٹخنوں سے اونچا رکھنے کا حکم دیتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسی ہستیوں کے بارے میں ہم بدگمانی نہیں کرسکتے کہ ان کے دلوں میں ذرہ بھر بھی تکبر تھا اس لئے ایک دوسرے کو اس کام کا حکم دیتے تھے تاکہ کراہت تحریمی سے (بوجہ خیلاء، تکبر) بچیں۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

امام بخاری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱۔ فلما ادبر اذا ازارہ یمس الارض قال ردوا علی الغلام قال یا ابن اخی ارفع ثوبک فانہ انقی لثوبک واتقی لربک۔

ایک لڑکا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا۔ جب واپس جانے لگا، اس کا ازار زمین کو چھو رہا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس لڑکے کو واپس بلاؤ۔ پھر اس سے فرمایا: اے بھتیجے، اپنا کپڑا (ازار یا شلوار) اوپر کر۔ بے شک یہ تیرے کپڑے کے لئے پاکیزگی اور صفائی ہے اور تیرے ربّ کے لئے تقویٰ ہے۔[1]

۲۔ عن جبیر بن مطعم أنه كان جالساً مع ابن عمر اذ مر فتی شاب علیه حلة صنعانیة یجرها مسبل قال: یا فتی هلم قال له الفتی: ما حاجتک یا أبا عبد الرحمٰن قال: ویحک أتحب أن ینظر الله الیک یوم القیامة قال: سبحان الله وما یمنعنی أن لا أحب ذلک قال: سمعت رسول الله ﷺ [یقول] لا ینظر الله الی عبد یوم القیامة یجر ازاره خیلاء قال: فلم یر ذلک الشاب الا مشمراً حتی مات بعد ذلک الیوم۔

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک نوجوان صنعانی لباس پہنے ازار کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے گزرا، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے نوجوان یہاں آؤ! اس نے کہا: اے ابو عبد الرحمن کیا بات ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو برباد ہو، کیا تجھے پسند نہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے نظر رحمت سے دیکھے؟ اس نوجوان نے کہا: پاک ہے اللہ۔ مجھے کس نے منع کیا ہے کہ میں اسے پسند نہ کروں؟ تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس بندے کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا جو اپنے ازار کو تکبر اً گھسیٹتا ہو۔ پھر اس نوجوان کو مرتے دم تک اپنے ازار کو اونچا رکھتے دیکھا گیا۔[2]

عن أبی الحجاج بن سعید الثقفی عن رجل من قومه قال: مر بر سول الله ﷺ رجل یجر ازاره فقال رسول الله ﷺ: ارفع ازارک فان الله عز و جل لا یحب المسبلین فقال: ان بساقی حموشة فقال رسول الله ﷺ: ما بازارک أقبح ما بساقک۔

ترجمہ: حجاج بن سعید ثقفی اپنی قوم کے ایک شخص سے روایت کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ ایک شخص حضور علیہ السلام کے پاس سے اپنا ازار لٹکائے ہوئے گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنا ازار اونچا کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ ازار لٹکانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس شخص نے کہا میری پنڈلی میں زخم ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جو برائی تیرے ازار لٹکانے میں ہے وہ تیرے پنڈلی کے زخم سے زیادہ بری ہے۔[3]

---

[1] (بخاری ص ۵۲۴، ج ۱، کتاب المناقب، باب قصة البیعة والاتفاق علی عثمان بن عفان، نور محمد کراچی)

[2] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۴)

[3] (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۶)

۳۔ أخبرنا أبو بكر الفارسي أنا أبو اسحاق الأصبهاني ثنا أبو أحمد بن فارس ثنا محمد بن اسماعيل قال: وقال خطاب الحمصي ثنا بقية عن مسلم بن زياد قال: رأيت أربعة من أصحاب النبي ﷺ أنس بن مالك وفضالة بن عبيد وأبا المنيب وفروخ بن سيار بن فروخ يرخون العمائم من خلفهم وثيابهم الى الكعبين۔

ترجمہ: مسلم بن زیاد فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے چار اصحاب، حضرت انس بن مالک، حضرت فضالہ بن عبید، حضرت ابو منیب، اور فروخ بن سیار بن فروخ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، کو دیکھا کہ وہ اپنے عمامے (کے شملے) اپنی پیٹھ پر ڈالتے اور اپنے ازار کو ٹخنوں تک رکھتے۔[1]

عن الأشعث بن سليم عن عمته عن عمها قال: بينما أنا أمشي في سكة من سكك المدينة اذ نادانی انسان من خلفي: ارفع ازارک فانه أتقى وأنقى قال: فنظرت فاذا هو رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله انما هي بردة ملحاء قال: أما لک فيّ أسوة فنظرت فاذا ازاره الى نصف ساقه۔

حضرت عبید بن خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مدینہ طیبہ میں چل رہا تھا کہ اچانک کسی نے پیچھے سے آواز دے کر مجھے کہا "ارفع ازارک فانہ اتقی و ابقی" اپنی چادر کو اوپر اٹھاؤ کیونکہ اس میں (تیرے دل کی تکبر سے) زیادہ صفائی اور (تیرے کپڑے کی) بقاء ہے، میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ (آواز دینے والے) رسول اللہ ﷺ تھے، میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! یہ ایک ہلکی اور کم قیمت چادر ہے (لہٰذا اگر نیچے لگ کر ضائع بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں) تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا آپ کے لئے میرے طرزِ حیات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا ازار مبارک نصف پنڈلی تک اٹھا ہوا تھا۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

دخل شابٌ على عمر، فجعل الشاب يثني عليه، قال: فرآه عمر يجر ازارهٗ، فقال: له: يا ابن أخي، ارفع ازارک، فانّه اتقىٰ لربک وانقى لثوبک، قال: فكان عبد الله يقول: يا عجباً لعمر أن رأى حق الله عليه، فلم يمنعه ما هو فيه أن تكمل به۔

ایک نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف کرنا شروع کی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ اس نے اپنے ازار کو (ٹخنے سے نیچے) لٹکایا ہوا ہے، تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے فرمایا: اے میرے بھائی کے بیٹے! اپنے ازار کو اوپر کرو، یہ تمہارے رب کے نزدیک تقویٰ میں بہتر اور تمہارے کپڑے کے لئے زیادہ صفائی کا باعث ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی عجیب

[1] (شعب الایمان، ج۵، ص۱۷۶)
[2] (شعب الایمان ج۵ ص۱۵۰)

شخصیت تھی کہ اگر اپنے اوپر اللہ کا حق دیکھتے تھے تو ان کو وہ چیز جو ان کے اندر تھی (یعنی کسی کی تعریف وغیرہ کرنا) اللہ کے حق کی ادائیگی میں کلام کرنے سے مانع نہیں ہوتی تھی۔[1]

ایک اور روایت میں ہے:

عن خرشة بن الحر قال: رأيت عمر بن الخطاب و مر به فتى قد أسبل إزاره وهو يجره، فدعاه فقال له: أحائض أنت؟ قال: يا أمير المؤمنين! وهل يحيض الرجل؟ قال: فما بالك قد أسبلت إزارك على قدميك، ثم دعا بشفرة ثم جمع طرف إزاره فقطع ما أسفل الكعبين؛ وقال خرشة: كأني أنظر إلى الخيوط على عقبيه۔

ترجمہ: حضرت خرشہ بن الحر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا: میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ ان کے پاس سے ایک نوجوان گزرا جس کا تہبند گھسٹ رہا تھا اور وہ اسے گھسیٹے جا رہا تھا تو آپ نے اسے بلا کر کہا: کیا (عورتیں کی مخصوص بیماری) حیض سے ہو؟ اس نے کہا: امیر المومنین! کیا مرد کو بھی حیض آتا ہے؟ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: تو کیا وجہ ہے کہ تم نے اپنا ازار اپنے پیروں پر ڈال رکھا ہے۔ پھر چھری منگوائی اور اس کا ازار مٹھی میں پکڑ کر ٹخنوں کے نیچے سے کاٹ دیا، خرشہ فرماتے ہیں: گویا میں دھاگوں کو اس کی ایڑیوں پر دیکھ رہا ہوں۔[2]

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شارح بخاری لکھتے ہیں:

ان الاسبال يستلزم جر الثوب و جر الثوب يستلزم الخيلاء و لو لم يقصد اللباس الخيلاء ويؤيد ما رواه ابن عمر مرفوعا الى النبي صلى الله عليه وآله وسلم قوله: و اياك و جر الازار فان جر الازار من المخيلة۔

یعنی اسبال کے ساتھ کپڑے لٹکانا لازم ہے اور کپڑے لٹکانے کے ساتھ تکبر لازم ہے اگرچہ کپڑے پہننے والے کی نیت تکبر کی نہ ہو اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آپ ﷺ سے مرفوع روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند (شلوار وغیرہ) لٹکانے سے بچو کہ یہ تکبر کی علامت اور نشانی ہے۔[3]

حضرت جابر بن سلیم کی روایت کردہ حدیث میں ہے:

قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم اياك و اسبال الازار فان اسبال الازار من المخيلة و لا يحبها الله۔

آپ ﷺ نے فرمایا: تہبند (شلوار وغیرہ) لٹکانے سے بچو کیونکہ یہ تکبر کی علامت ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبة حدیث ۲۵۳۱۲ کتاب اللباس باب فی جرّ الازار و ماجاء فیه، و مکتبة امدادیة ملتان ج۶ ص ۲۷ رقم ۱۰)

[2] (جامع الاحادیث، رقم: ۳۰۰۵۸، بیهقی، کنز العمال، رقم: ۴۱۸۸۷، ج، ۱۵، ص، ۲۰۴، دار الکتب العلمیه، بیروت)

[3] (فتح الباری، ص ۳۷۷ ج ۱۲ کتاب اللباس، مکتبه مصطفیٰ البابی مصر)

علامہ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری لکھتے ہیں:

قال ابن العربی: لا یجوز للرجل ان یجاوز بثوبہ کعبہ ویقول لا اجرّہ خیلاء لان النہی قد تناولہ لفظا و لا یجوز لمن تناولہ اللفظ حکما ان یقول لا امتثلہ لان تلک العلۃ لیست فیّ فانھا دعویٰ غیر مسلمۃ بل اطالتہ ذیلہ دالۃ علی تکبرہ۔

ابن عربی نے کہا: کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے کپڑوں (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے رکھے اور یہ کہے کہ میں اس کو تکبر کی نیت سے نہیں لٹکاتا کیونکہ ممانعت اس کو بھی لفظاً شامل ہے، اور ہر اس شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ جس کے کسی کام کے ساتھ ممانعت لفظی طور پر شامل ہو کہے کہ میں اس ممنوع کام کا مرتکب نہیں ہوں کیونکہ مجھ میں ممانعت کی وہ علت نہیں پائی جاتی (اس کہنے کے باوجود) اس کا یہ دعویٰ باطل اور غیر تسلیم شدہ ہے بلکہ اس کا اپنے کپڑوں (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے سے لٹکانا اس کے تکبر (متکبر ہونے) کی علامت ہے۔

درج بالا دلائل سے معلوم ہوا آپ ﷺ نے تہبند (شلوار وغیرہ) کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو تکبر کی نشانی قرار دیا اگرچہ اس کی نیت تکبر کی نہ ہو اور آپ ﷺ نے اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ناپسندیدہ قرار دیا اگرچہ متکبرین دعویٰ کریں کہ ہمارے دل میں تکبر نہیں ہے۔

مسند احمد میں حدیث ہے:

عن عمرو بن شرید قال ابعد (ابصرہ من بعد) رسول اللہ ﷺ رجلا یجر ازارہ فأسرع الیہ او ھرول فقال: ارفع ازارک و اتق اللہ قال انی احنف تصطک رکبتای، فقال: ارفع ازارک فان کل خلق اللہ عزوجل حسن فما رؤی ذلک الرجل بعد الا ازارہ یصیب انصاف ساقیہ او الی انصاف ساقیہ۔

عمر بن شرید نے کہا آپ ﷺ نے ایک آدمی کو دور سے دیکھا جو اپنے ازار (تہبند) کو (ٹخنوں سے نیچے) لٹکائے ہوئے جا رہا تھا آپ ﷺ اس کی طرف دوڑ کر گئے اور فرمایا اپنے تہبند کو اونچا کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس نے کہا میرے پاؤں ٹیڑھے (بدصورت) ہیں اس سے میرے گھٹنے چھپ جاتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا اپنے ازار کو اونچا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق (انسان) خوبصورت ہے، اس کے بعد وہ آدمی جب بھی دیکھے گئے تو ان کا ازار آدھی پنڈلی تک ہوا کرتا تھا۔[1]

درج بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے اس صحابی سے مخاطب ہو کر یہ نہیں فرمایا: کیا تم تکبر کی نیت سے اس طرح کرتے ہو؟ اگر وہ جواب دیتے کہ ہاں تو آپ ﷺ اس کو منع فرماتے ورنہ رخصت عطا فرماتے کہ جب تکبر نہیں تو ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے میں کوئی حرج نہیں، حالانکہ اس حدیث میں صراحتاً موجود ہے کہ اس صحابی نے تکبر کی نفی فرما کر پاؤں کی

---

[1] (مسند احمد، فتح الباری، ص ۳۷۸ ج ۱۲، کتاب اللباس، مکتبہ مصطفیٰ البابی مصر)

بد صورتی کی علت کا تذکرہ کیا مگر پھر بھی آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ اپنے ازار کو ٹخنوں سے اونچا رکھو، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ شلوار کو مطلقاً ٹخنوں سے نیچے رکھنا تقویٰ کے منافی اور ممنوع ہے۔

مفتی ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی صحیح بخاری کے باب "من جر ثوبہ من الخیلاء" کے تحت لکھتے ہیں: نسائی اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب حضور نے یہ فرمایا جو اپنے کپڑے کو براہ تکبر گھسیٹے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، چونکہ حدیث میں لفظ "من" عام تھا جو مرد عورت دونوں کو شامل ہے تو اس سے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ سمجھا کہ عورتیں بھی اس میں داخل ہیں تو انہوں نے عرض کیا کہ عورتیں اپنے دامنوں کے ساتھ کیا کریں؟ فرمایا ایک بالشت لٹکائیں، عرض کیا کہ اتنے سے ان کے قدم کھل جائیں گے؟ فرمایا ایک ہاتھ لٹکائیں اس سے زیادہ نہ کریں۔

یہاں ایک بات یہ قابل غور ہے کہ عورتیں اپنے دامن کو تکبراً نہیں لٹکاتی تھیں بلکہ اپنے قدموں کو چھپانے کے لئے لٹکاتی تھیں جو فرض ہے تو اگر ازار کا تکبراً ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ممنوع ہوتا تو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے اس سوال کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی، اس سے سمجھ میں آیا کہ ٹخنوں کے نیچے تہبند لٹکانا مطلقاً ممنوع ہے اگرچہ براہ تکبر نہ ہو جیسا کہ علامہ نووی نے افادہ فرمایا۔[1]

اب دور حاضر میں فیشن اور فخر سے شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے اہل علم و عوام نے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غیر اختیاری فعل کو اپنے لئے دلیل بنالیا ہے یہ بھی ان لوگوں کے تکبر کی ایک بہت بڑی نشانی ہے کیونکہ اگر ان لوگوں کو ثواب کمانا ہوتا اور شریعت پر چلنے میں خوشی محسوس کرتے تو ان تمام دلائل کو مد نظر رکھتے جن میں آپ ﷺ کا عمل اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا عمل اور ایک دوسرے کو تہبند اور شلوار اونچا کرنے کا حکم موجود ہے، اور علامہ مفتی ہند مفتی شریف الحق امجدی صاحب کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شلوار وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا مطلقاً ممنوع ہے نہ کہ تکبر کی نیت سے۔

آدھی پنڈلی تک تہبند (شلوار وغیرہ) اونچا کر کے اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا فرشتوں کی سنت ہے: دور حاضر میں کپڑے لٹکانے والے حضرات اپنے تکبر کو برقرار رکھنے اور سنت نبوی ﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے اپنے لئے یہ جواز ڈھونڈتے ہیں کہ شلوار کو آدھی پنڈلی تک اٹھانا اچھا نہیں لگتا اور یہ اس لئے مکروہ ہے کہ جب کوئی اس حال میں دنیاوی اشراف کے پروگراموں میں ان کے سامنے نہیں جاسکتا تو اس لباس میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا بھی نامناسب اور مکروہ ہے حالانکہ

---

[1] (نزھۃ القاری ص ۵۱۹، ج۵، کتاب اللباس فرید بک اسٹال لاہور)

ان لوگوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ جس لباس کو یہ لوگ مکروہ اور بد مذہب سے مشابہ قرار دیتے ہیں عین وہی لباس اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے فرشتوں کا لباس ہے۔

محدث شہیر علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی لکھتے ہیں:

عن بریدة قال قال رسول اللہ ﷺ : اتزروا کما رأیت الملائکة تتزر عند رب العالمین، قالوا: کیف تتزر الملائکة عند رب العالمین؟ قال الی انصاف سوقها۔

ترجمہ: حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح تہبند (شلوار وغیرہ) باندھا کرو جس طرح میں نے فرشتوں کو رب العالمین کی بارگاہ میں باندھے دیکھا ہے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا فرشتے کیسے ازار باندھے ہوئے تھے؟ فرمایا: آدھی پنڈلی تک۔

عن عبد اللہ بن عبید بن عمیر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لأصحابه ارفعوا أزرکم ارفعوا ارفعوا قال فرفعوها إلی رکبهم ثم قال اخفضوا اخفضوا اخفضوا فخفضوها إلی أنصاف سوقهم ثم قال إنی رایت الملائکة ولباسهم هکذا أو أزرهم هکذا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عبید بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ارشاد فرمایا: اپنے تہبندوں کو اونچا کرو، اونچا کرو، راوی فرماتے ہیں کہ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے گھٹنوں تک اونچے کر لیے، پھر فرمایا: نیچے کرو، نیچے کرو، تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنی نصف پنڈلیوں تک کر لیے، پھر فرمایا: میں نے فرشتوں کو اوران کے لباس کو اسی طرح دیکھا یا ان کے تہبندوں کو اسی طرح دیکھا۔ [1]

متکبرین کے لئے آنسو بہانے کا مقام عبرت: درج بالا حدیث کو دیکھ کر وہ حضرات (علماء وخواص) اپنے کئے اقوال واعمال پر پشیمان ورنجیدہ ہو کر سربسجود ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کریں۔ جنہوں نے آج تک سنتِ نبوی ﷺ کی مخالفت بھی کی اور دوسروں کے لئے بھی مانع رہے اور اپنے عمل اور اپنے عمل کے درست ہونے کے دلائل بھی دیئے جو کہ محض باطل ہیں حالانکہ یہی لباس جس کو یہ اہل علم باعث شرم وعار سمجھتے ہیں عین یہی لباس اللہ تعالیٰ کے نورانی ومعصوم فرشتوں کا لباس ہے اور بارگاہ خداندی کے شایان شان بھی یہی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا ہی لباس نصیب فرمائے۔ آمین۔

---

[1] (مصنف عبد الرزاق، باب اسبال الازار، رقم: ۲۰۱۵۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

سنت لباس

شیخ ابو المحاسن رکن الاسلام مفتی محمد بن ابو بکر حنفی المعروف، امام زادہ سمر قندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَلْبَسُ قَمِيصًا كُمَّهُ إِلَى الرُّسْغِ وَ يَلْبَسُ قَمِيصًا ذَيْلُهُ فَوْقَ الْكَعْبَيْنِ، مُسْتَوِيَ الْكُمَّيْنِ بِأَطْرَافِ أَصَابِعِهِ، فَعَلَى هَذَا تَقْصِيرُ الثِّيَابِ سُنَّةٌ۔

ترجمہ: اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی قمیص پہنتے اس کے بازو کلائی تک پہنتے، اور قمیص پہنتے اس کا دامن ٹخنوں کے اوپر ہوتا، بازو اپنی انگلیوں کے کناروں کے برابر رکھتے تھے، اسی وجہ سے کپڑوں کا لمبانہ کرنا سنت ہے۔[1]

حضرت علامہ قطب العارفین غوث الواصلین ابو سعید خادمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

(تَقْصِيرِ الثِّيَابِ) إِذْ السُّنَّةُ جَعْلُهَا لِأَنْصَافِ السَّاقِ، وَهُوَ مُبَاحٌ إِلَى الْكَعْبِ وَ مَا جَاوَزَهُ حَرَامٌ مَعَ الْخُيَلَاءِ مَكْرُوهٌ عِنْدَ فَقْدِهَا۔

ترجمہ: (کپڑوں کو لمبانہ کرنا) اس کو جب نصف پنڈلی تک بنانا سنت ہے، اور یہ ٹخنے تک جائز ہے اور تکبر کے ساتھ ٹخنے سے نیچے لٹکانا حرام ہے، بغیر تکبر کے مکروہ ہے۔[2]

کیا شلوار ٹخنوں سے اوپر رکھنا وہابیوں کی نشانی ہے؟

دور حاضر کے وہ اہل علم و عوام جو فیشن یا فخر کی وجہ سے شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکاتے ہیں، استفسار کے بعد فرماتے ہیں کہ چونکہ اس طرح کرنا وہابیوں، دیوبندیوں کا طرز عمل ہے اس لئے ہم ان کی مشابہت سے بچنے کے لئے ایسا کرتے ہیں کیونکہ حدیث میں بد مذہبوں کی مشابہت سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے، اب ہم اس بات کی ذرا وضاحت کرتے ہیں کہ کسی بد مذہب سے کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع ہے اور کن میں جائز، اور آیا ان متکبرین کا ایسا کہنا کہاں تک درست ہے، اور اس تشبیہ کے علاوہ ان متکبرین میں کوئی اور ایسے اعمال ہیں کہ جن کا وہ ارتکاب کرتے ہیں حالانکہ وہ کسی بد مذہب کی نشانیاں بھی ہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے:

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ من تشبہ بقوم فھو منھم۔

یعنی ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا آپ ﷺ نے فرمایا: جو کسی قوم سے مشابہت کرے گا تو وہ ان ہی میں سے ہو گا۔

---

[1] (شرعۃ الاسلام، فصل فی سنن اللباس واحبہ، ص، ۱۴۱، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت، بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، السادس والثلاثون الوقحۃ قلۃ الحیاء، ج، ۳، ص، ۷۵، مکتبۃ العلوم الدینیۃ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

[2] (بریقۃ محمودیۃ فی شرح طریقۃ محمدیۃ، السادس والثلاثون الوقحۃ قلۃ الحیاء، ج، ۳، ص، ۷۵، مکتبۃ العلوم الدینیۃ، کانسی روڈ، کوئٹہ)

اس حدیث کی شرح میں مفتی احمد یار نعیمی لکھتے ہیں: یعنی جو شخص دنیا میں کفار، فاسق و بدکار کے سے لباس پہنے ان کی سی شکل بنائے کل قیامت میں ان کے ساتھ اٹھے گا، اور جو متقی مسلمانوں کی سی شکل بنائے ان کا لباس پہنے وہ کل قیامت میں ان شاءاللہ متقیوں کے زمرے میں اٹھے گا۔[1]

کن چیزوں میں تشبیہ ممنوع اور حرام ہے:

امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں، علامہ علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ منح الروض میں فرماتے ہیں:

انا ممنوعون من التشبیه بالکفرة واهل البدعة المنکرة فی شعارهم لا منهیون عن کل بدعة ولو کانت مباحة سواء کانت من افعال اهل السنة او من افعال الکفر واهل البدعة فالمدار علی الشعار۔

"ہمیں کافروں اور منکر بدعات کے مرتکب لوگوں کے شعار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے ہاں اگر وہ بدعت جو مباح کا درجہ رکھتی ہو اس سے نہیں روکا گیا، خواہ وہ اہل سنت کے افعال ہوں یا کفار اور اہل بدعت کے، لہٰذا مدارِ کار شعار ہونے پر ہے"۔

اس تحقیق سے روشن ہو گیا کہ تشبہ وہی ممنوع و مکروہ ہے جس میں فاعل کی نیت تشبہ کی ہو یا وہ شے ان بدمذہبوں کا شعار خاص یا فی نفسہ شرعاً کوئی حرج رکھتی ہو بغیر ان صورتوں کے ہرگز کوئی وجہ ممانعت نہیں۔"[2]

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

مسئلہ: جو ہیئت، جو لباس کفار کی مذہبی علامت ہے وہ مسلمان کے لئے کفر ہے، جیسے پیشانی پر قشقہ لگانا یا سر پر چوٹی رکھنا یا کان میں جنیئو باندھنا یا گلے میں عیسائیوں کی سی صلیب ڈالنا اور جو ہیئت و لباس کفار کی قومی علامت ہے وہ مسلمانوں کے لئے حرام ہے جیسے ہندوانی دھوتی یا عیسائیوں کا ہیٹ و نیکر، اس حدیث کا یہ ہی مطلب ہے۔[3]

مفتی شاہ محمد اجمل قادری لکھتے ہیں، در مختار اور البحر الرائق میں ہے:

التشبه بهم لا یکره فی کل شیء بل فی المذموم و ما یقصد به التشبه۔ اور شرح فقه اکبر میں هے: فانا ممنوعون من التشبه بالکفرة واهل البدعة المنکرة فی شعارهم لا منهیون عن کل بدعة ولو کانت مباحة سواء کانت من افعال اهل السنة او من افعال الکفرة واهل البدعة فالمدار علی الشعار۔

---

[1] (مرعات شرح مشکوۃ، ج٦ کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی، کتب خانہ گجرات)

[2] (فتاویٰ رضویہ، ص ۵۳۴-۳، ج ۲۴، رضا فائونڈیشن، لاھور)

[3] (مرعات شرح مشکوٰۃ، ص ۱۱۰، ج۵ کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی کتب خانہ گجرات)

لہٰذا کفار کے ساتھ ہر بری بات میں اور جو ان کا شعار ہو اس میں تشبہ بقصد مشابہت ممنوع ہے۔ فقط، **واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔**[1]

درج بالا علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ کسی قوم کی مشابہت اس وقت اور ان چیزوں میں کفر یا حرام ہے جب وہ مشبہ بہ کسی کافر و گمراہ فرقے کی مذہبی یا قومی علامت ہو اور وہ ان کے منشور میں درج ہو، اور اگر ایسی کوئی بات نہ ہو تو کسی اور شخص کو قیاس مع الفارق کر کے کسی پر الزام لگانا بھی کوئی کم جرم نہیں ہے۔

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنا منافقین کی نشانی ہے نہ کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار رکھنا بدمذہبوں کی نشانی ہے: ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات حدیث "**من تشبه بقوم فهو منهم**" کو سامنے رکھ کر اپنی قیاس آرائیوں کے ذریعے سنتِ نبوی ﷺ اور سنت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بدمذہبوں کی تشبیہ قرار دے کر اپنے نفس کی غلامی پر خوش ہو رہے ہیں مگر اس حدیث کی طرف التفات تک نہیں فرماتے کہ جس میں شلوار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کو منافقین کی علامت قرار دیا ہے۔

محدث شہیر علامہ علاء الدین علی المتقی الہندی لکھتے ہیں:

علامة المنافق تطويل سراويله فمن طول سراويله حتى يدخل تحت قدميه فقد عصى الله ورسوله، ومن عصى الله ورسوله فله نار جهنم۔

منافق کی نشانی یہ ہے کہ اس کی شلوار لمبی ہو گی، جس نے اپنی شلوار اتنی لمبی سلوائی کہ وہ قدموں کے نیچے داخل ہو جاتی ہو تو اس نے اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اور جس نے اللہ اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اس کے لئے جہنم کی آگ ہے۔[2]

معلوم ہوا کہ آج کل جو خواص و عوام فیشن اور فخر کے لئے جو لمبی لمبی شلواریں سلواتے ہیں تو یہ اللہ و رسول ﷺ کی نافرمانی اور دوزخ میں جانے کا سامان ہے۔

کیا شلوار ٹخنوں سے اونچی رکھنا آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت نہیں؟

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کا بظاہر یہ کہنا کہ چونکہ شلوار کو اونچی رکھنے میں وہابیوں سے تشبیہ آتی ہے اس لئے ہم اس سے قاصر ہیں (حالانکہ دل میں فخر اور فیشن کی بات ہوتی ہے جو ان کے طرز عمل سے معلوم ہو رہا ہے) تو کیا ان لوگوں کو اتنی تعداد میں درج بالا دلائل معلوم نہیں کہ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچی رکھنا کسی بدمذہب قوم کی نشانی یا شعار نہیں بلکہ ہمارے آقا دو جہان محمد عربی ﷺ اور آپ ﷺ کے جان نثار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی

---

[1] (فتاویٰ جمیلیہ ص ۵، کتاب الخطر والاباحۃ، شبیر برادز)

[2] (کنز العمال، ص ۱۷۳، ج ۱۵، الفصل الثانی فی محظورات اللباس، الاکمال، البیروت)

محبوب سنت اور حسین اداہے، اور یہی عمل ان کی طرف سے مامور بہ بھی ہے جیسا کہ دلائل سے معلوم ہو چکا ہے، اس کے باوجود بھی اگر کوئی اس محبوب سنت کو کسی بد مذہب کی نشانی قرار دیتا ہے تو ازروئے شریعت اس کا ایمان ضرور خطرے میں ہے، اور کسی گمراہ شخص کا کسی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے کی وجہ سے مسلمانانِ عالم اسلام کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ سنت مصطفیٰ ﷺ کو ترک کریں ورنہ آپ ﷺ کی سنت مبارکہ تو کیا احکامِ خداوندی پر بظاہر بہت سے گمراہ اور بے دین لوگ مسلمانوں سے بڑھ کر عامل ہیں تو کیا ان کی وجہ سے ہم فرائض کو بھی ترک کریں گے؟

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی سنت کو کسی ناپسند گروہ یا جماعت کی مخالفت کی نیت سے کار ثواب سمجھ کر ترک کرے گا تو اس کا مرتکب جاہل، بدترین قسم کا بدعتی اور گمراہ ہے، اور اس عمل کے مرتکب علماء وخواص اور عوام سب کی نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے اور ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے علی الاعلان مکروہ کام کی وجہ سے توبہ بھی علی الاعلان کریں۔

متکبرین پر ایک الزامی سوال:

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کے اس قول پر کہ ہم دیوبندیوں اور وہابیوں کے ساتھ تشبیہ سے بچنے کے لئے اس مکروہ کام کا ارتکاب کر کے خلاف سنت سنی کہلانے پر فخر تو کرتے ہیں مگر ان کی مشابہت نہیں کریں گے تو ان حضرات سے التماس ہے کہ کتب احادیث وسیرت میں آپ ﷺ کے موئے مبارک کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں (لمہ، جمہ، وفرہ) تو آج کل کے اہل علم حضرات کے جو سر کے بال آپ ﷺ کے موئے مبارک کی تین قسموں سے خارج ہیں تو یہ کس کی سنت اور طریقہ ہے کیونکہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موئے مبارک تو ان تین قسموں کے اندر اندر تھے۔ تو کیا اس وقت ان کو حدیث "من تشبہ بقوم فھو منھم" یاد نہیں رہتی کہ انگریزوں (غیر مسلموں) کے طرز پر بال رکھ کر فرائض وواجبات ادا کرتے ہیں تو کیا اس تشبیہ سے ان کی نمازوں، دیگر اعمال اور عشق مصطفی ﷺ کے دعووں میں کوئی کراہت اور نقصان نہیں آتا حالانکہ عشق ومحبت کا تقاضا ہے کہ محبوب کی ہر ادا محب اور عاشق کے لئے تسکین کا سامان ہے۔

غیر اسلامی (انگریزی) بال رکھنا کفار اور فساق سے تشبیہ کی بناء پر ممنوع وناجائز ہے:

امام احمد رضا خان محدث بریلوی لکھتے ہیں: بالوں کی نسبت شرع مطہر میں دو طریقے آئے ہیں: ایک یہ کہ سارے سر پر رکھیں اور مانگ نکالیں، یہ خاص سنت حضور سید المرسلین ﷺ کی ہے، حج وحجامت یعنی پچھنوں کی ضرورت کے سوا حضور والا ﷺ سے حلق ثابت نہیں، حضور ﷺ نے دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اس مدت میں صرف تین بار یعنی سال

حدیبیہ و عمرہ القضاء و حجۃ الوداع میں حلق، علی مانقلہ علیؒ القاری فی جمع الوسائل عن بعض شراح المصابیح، (جیسا کہ ملا علی قاری نے مصابیح کے بعض شارحین سے جمع الوسائل میں نقل کیا ہے) دوسرے یہ کہ سارا سر منڈائیں، یہ حضرت سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی عادت تھی وہ جناب بخوف کہ مبادا نہانے میں کوئی بال پانی بہنے سے باقی نہ رہ جائے حلق فرمایا کرتے، ان کے سوا جتنے طریقے ہیں سب خلاف سنت، اور یہ نئی نئی تراشیں مثلاً ایک ایک انگل کے بال رکھنا جب اس سے بڑھیں کترواد دینا یا آگے سے بڑے پیچھے سے کترے ہوئے۔۔۔۔۔ یہ باتیں مخالف سنت و خلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں جن کی مشابہت سے مسلمانوں کو بچنا چاہیئے۔[1]

مفتی جلال الدین احمد امجدی لکھتے ہیں:

انگریزی اور ہپی کٹ بال رکھنا مکروہ وناجائز ہے کہ کافروں اور فاسقوں کا طریقہ ہے، **وھو تعالیٰ اعلم**۔[2]

درج بالا عبارات اہلسنت بلکہ امام اہلسنت سے معلوم ہوا کہ دیوبندیوں اور وہابیوں سے تشبیہ کی رٹ لگانے والے اہل علم و تصوف کا عمل بالوں کے حوالے سے کس کے مشابہ ہے؟ آیا سید المرسلین ﷺ یا مولی علی رضی اللہ عنہ کے یا پھر ان حضرات اور اسلام دشمن کافر اقوام کے؟ کیا ان حضرات کو اس طرح بال رکھتے ہوئے یہ تشبیہ یاد نہیں رہی کہ اس طرح بال رکھنا بقول محدث بریلوی ''مخالف سنت و خلاف وضع صلحائے مسلمین ہونے کے علاوہ ان میں اکثر اقوام کفار کی ایجاد ہیں'' جبکہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنے میں کسی کفار کی تشبیہ لازم نہیں آتی بلکہ عین سنت آقا دو جہان ﷺ اور سنت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہے۔

محبوبان خدا کی نقل اتارنے والوں کو اللہ تعالیٰ نجات عطاء فرماتا ہے:

دلائل کثیرہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ شلوار کو ٹخنوں سے اونچا رکھنا امام الانبیاء محمد عربی ﷺ اور آپ ﷺ کے محبوب و محب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سنت ہے تو اس پر عمل کرنا ہی مسلمان کا شیوہ ہونا چاہیئے نہ کہ کسی شخص کی وجہ سے اس کی مخالفت کرنا، کیونکہ کسی گمراہ شخص کا کسی سنت نبوی ﷺ پر عمل کرنے سے وہ سنت گمراہی میں تبدیل نہیں ہوتی بلکہ وہ گمراہ شخص بھی اللہ والوں کی اس ادا پر عمل کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں آکر ظاہری نجات پالیتا ہے اور کبھی کبھی وہ نجات معنوی کا بھی سبب بن جاتا ہے اگرچہ کہ اس کی نیت اللہ والوں کی نقل اتارنے کی ہو۔

---

[1] (فتاویٰ رضویہ ج ۲۲، ص ۵۷۷، رضا فائونڈیشن لاہور)

[2] (فتاویٰ فیض الرسول، ص ۵۵۶، ج ۲ شبیر برادرز لاہور)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے تشبہ والی حدیث کی شرح میں ایک واقعہ لکھا ہے، لکھتے ہیں:

وقد حکی حکایة غریبة ولطیفة عجیبة، وھی انہ لما اغرق اللہ سبحانہ فرعون وآلہ ولم یغرق مسخرتہ الذی کان یحاکی سیدنا موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام فی لبسہ وکلامہ ومقالاتہ فیضحک فرعون وقومہ من حرکاتہ وسکناتہ، فتضرع موسیٰ الی ربہ: یا ربّ ھذا کان یؤذینی اکثر من بقیة آل فرعون، فقال الرب تعالیٰ: ما اغرقناہ فانہ کان لابسا مثل لباسک، والحبیب لا یعذب من کان علی صورت الحبیب۔

ترجمہ: حکایت: غرق فرعون کے دن سارے فرعونی ڈوب گئے مگر فرعونیوں کا بہروپیا بچ گیا، موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی: مولیٰ یہ کیوں بچ گیا؟ فرمایا: اس نے تمہارا روپ بھرا ہوا تھا اور ہم محبوب کی صورت والے کو بھی عذاب نہیں دیتے۔[1]

یہی واقعہ روح البیان جلد ۴، ص ۷ ۱۳ پر تفصیلاً مروی ہے۔

مسلمان کو چاہیئے کہ نماز روزے وغیرہ عبادات میں اچھوں خصوصاً اچھوں سے اچھے یعنی محبوب ﷺ کی نقل کرنے کی نیت کرے، دل لگے یا نہ لگے شکل تو حضور کی سی بن جاتی ہے۔[2]

تکبر اور وہابیوں سے تشبہ کی رٹ لگانے والوں کے لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصیحت:

درج بالا واقعہ لکھنے کے بعد ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس واقعہ سے یوں نتیجہ اخذ فرماتے ہیں:

فانظر من کان متشبھا بأھل الحق علی قصد الباطل حصل لہ نجاة صوریة وربما ادت الی النجاة المعنویة فکیف بمن یتشبہ بأنبیائہ واولیائہ علی قصد التشرف والتعظیم وغرض المشابھة الصوریة علی وجہ التکریم۔

یعنی ان لوگوں کو دیکھیں کہ جو اہل حق (اللہ والوں) کی بری نیت سے نقل اتارتے ہیں پھر بھی ان کو ظاہری نجات ملتی ہے، اور کبھی کبھی یہ نجات ظاہری نجات معنوی (ہدایت) کا سبب بن جاتا ہے، تو لوگوں کا کیا حال ہو گا، جو اللہ تعالیٰ کے انبیاء و اولیاء علیہم الصلوۃ والسلام کی نقل ان کی تعظیم اور شرافت کی نیت سے اتارتے ہیں اور انکی یہ ظاہری مشابہت تکریم کے لئے ہوتی ہے۔

معلوم ہوا کہ ٹخنوں سے اوپر شلوار رکھنا محبوبانِ خدا اور خاص کر محبوبِ خدا ﷺ کا شیوہ اور عمل ہے (اگرچہ کہ اس پر کوئی بھی عمل کرے) اور جو مسلمان ان کی نقل اتارتے ہیں تو وہی لوگ ہدایت پر ہیں اور جو (دل نہ خواہد بہانہ بسیار کے طور پر)

[1] (مرقاۃالمفاتیح، ص ۱۵۵، ج ۸، کتاب اللباس، الفصل الثانی، حقانیہ پشاور)

[2] (مرعات شرح مشکوۃ ج ۶، ص ۱۱۰، کتاب اللباس، الفصل الثانی، نعیمی کتب خانہ گجرات)

اس سنت پر عمل نہیں کرتے تو خود بھی اس سعادت سے محروم اور دوسروں کے سامنے محبوب ﷺ کے محبوب عمل کو مکروہ کی شکل میں پیش کر کے منع کرنے کی حیثیت سے "مناع اللخیر" کے زمرے میں داخل ہوتے ہیں۔

لہذا ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والوں کا یہ کہنا کہ "ہم اس لئے شلوار کو ٹخنوں سے اونچا نہیں رکھتے ہیں کہ ہمارے دل میں تکبر نہیں ہے اور یہ بدمذہبوں کے ساتھ تشبیہ ہے" اس قول کی کوئی حیثیت نہیں ہے کیونکہ فرض محال اگر تکبر نہ بھی ہو تو پھر بھی شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے کو فقہاء اسلام اور علماء اہل سنت نے مکروہ قرار دیا ہے۔ اور یہ وہ تشبیہ نہیں ہے جس سے ہمیں منع کیا گیا ہے ورنہ یہ لوگ اپنے انگریزی اور فاسقوں کے مشابہ بال کاٹ کر بقول امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دو قسم شرعی بال (زلفیں رکھنے یا گنجا ہونے) پر عمل کر کے اپنے سنی ہونے کا علمی ثبوت دیں۔

اچھی نیت سے مکروہ کام غیر مکروہ اور مستحسن قرار دیا جاتا ہے:

ٹخنوں سے نیچے شلوار رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ شلوار یا پینٹ کو نیفہ یا پائنچے سے موڑنا کف ثوب ہے اور یہ نماز کے لئے مکروہ ہے (اگرچہ ہم نے دلائل قاہرہ، باہرہ قویہ سے ان کا رد کر دیا ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے یعنی اس طرح کوئی کراہت نہیں آتی جس سے نماز واجب الاعادہ ہو) تو ہم تھوڑی دیر کے لئے ان کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں کہ شلوار یا پینٹ کو نیفہ یا پائنچے سے موڑنا مکروہ ہے لیکن ہم یہ بھی ثابت کر چکے ہیں اور کوئی بھی معلوم کر سکتا ہے کہ اس طرح عمل کرنے والا یہ کام کیوں کرتا ہے؟ وہ اس لئے کرتے ہیں کہ یہ طرز سادگی کا ہے اور اس میں اس حرام اور مکروہ تحریمی کام (لباس کا ٹخنوں کے نیچے ہونا جو جہنم کے عذاب کا سبب ہے) سے بچنا ہے اور اس سے ان کے دل میں خشوع کی نیت ہوتی ہے، اور یہ بھی فقہاء احناف نے لکھا ہے کہ اگر کوئی کام مکروہ ہو تو اس کو اچھی نیت سے کرنے کی وجہ سے وہ کراہت ختم ہو جاتی ہے اور وہ کام مستحسن بھی قرار دیا جا سکتا ہے، بلکہ ان متکبرین نے خود بھی ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے کو عدم تکبر کی نیت کی وجہ سے مکروہ تحریمی سے مکروہ تنزیہی تک لے آئے۔

شرح وقایہ میں ہے:

و صلوٰتہ حاسراً رأسہ او للتھاون۔۔۔ لا للتذلل۔

یعنی سُستی اور بے رغبتی سے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے نہ کہ عاجزی کے طور پر۔[1]

---

[1] (شرح وقایہ ص ۱۹۷، ج ۱، باب مایفسد الصلوۃ ومایکرہ فیھا، المصباح لاہور)

علامہ شرنبلالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وتکرہ الصلاۃ وھو مکشوف الرأس۔۔۔لما فیہ من ترک الوقار اذ لا یکرہ للتذلل و التضرع للہ تعالیٰ ویستحب لہ ذلک۔

ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں وقار کو ترک کرنا آتا ہے، اور عاجزی اور تواضع کے لئے مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے۔[1]

مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں: برہنہ سر نماز پڑھنا اگر بقصد عجز و انکسار نہ ہو تو مکروہ ہے۔[2]

درج بالا فقہاء کرام کے علاوہ جم غفیر فقہاء احناف نے اس مسئلے کی وضاحت کی ہے کہ ننگے سر نماز پڑھنا اگرچہ مکروہ ہے مگر عاجزی، تواضع اور انکساری کی نیت سے مکروہ نہیں بلکہ مستحب اور مستحسن ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض دفعہ اگر کوئی شخص کسی مکروہ کو اچھی نیت سے کرے تو اس کی کراہت ختم ہو کر اس میں پسندیدگی آجاتی ہے۔(یہ قاعدہ عام نہیں ہے کہ کوئی بھی اس کو کسی ایک مکروہ پر حمل کردے جو کبھی ممدوح قرار نہیں دیا جاسکتا)۔

خلاصہ کلام:

الحاصل یہ کف ثوب اور لف ثوب نماز کے لئے مکروہ تحریمی نہیں ہے اور نہ ہی علاوہ نماز کے مکروہ تنزیہی ہے کیونکہ یہ فقہاء احناف کے ہاں کف ثوب کی تعریف میں داخل نہیں اور جس کو مکروہ قرار دیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ سجدہ کے لئے جاتے ہوئے کپڑوں کو اٹھایا جائے اور وہ بھی مذکورہ علتوں کی وجہ سے مکروہ ہے اور وہ بھی مکروہ تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی، اور اگر وہ علتیں بھی ختم جائیں تو کراہت بھی ختم ہو جاتی ہے لہذا اگر کوئی شخص اسی کیفیت میں نماز پڑھے گا تو اس کی نماز جائز اور صحیح ہے، مکروہ تحریمی یا واجب الاعادہ نہیں ہے، البتہ تکبر کی وجہ سے یا کسی ناپسندیدہ جماعت یا گروہ کی مخالفت کی وجہ سے شلوار وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنا اور اس کو کار ثواب اور اچھا عمل سمجھنا اور اسی حالت میں نماز پڑھنا ضرور ناجائز، گناہ، حرام، بدعت اور گمراہی ہے جس کی وجہ سے نماز مکروہ تحریمی اور واجب الاعادہ ہے، لہذا اس عمل سے اجتناب واجب اور لازمی ہے۔

تمام مؤمن مسلمانوں سے گزارش ہے کہ شلوار پہننے میں اس بات کا اہتمام کریں کہ بجائے لمبی شلوار پہن کر اور بعد میں اسے اونچا کرنے کے، درزی سے کہہ کر شلوار چھوٹی سلوائیں تاکہ ٹخنے ہمیشہ کھلے رہیں۔ کیونکہ پاجامے یا شلوار کو ٹخنوں سے نیچے

---

[1] (امداد الفتاح، ص ۳۸۸، فصل فیما یکرہ فی الصلوۃ، صدیقی پبلشرز)

[2] (فتاویٰ امجدیہ ج ۱ ص ۱۹۸ باب مکروھات الصلوٰۃ، مکتبہ رضویہ کراچی)

لٹکانے والا منافق ہے اور وہ دیدارِ خداوندی سے محروم ہو گا۔ اور ٹخنوں سے نیچے شلوار لٹکانے والے کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے ٹخنوں کو ننگے رکھنے کا خاص خیال رکھیں۔ [1]

[1] (بحوالہ اصدق المقال فی کف الازار و الاکمام و الاذیال و جزاء الاسبال مصنف مفتی سید عبدالحق شاہ حنفی ترمذی سیفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

(۹) باب نمبر نو: نماز عید کے بعد مصافحہ کرنے کا بیان

بعض علماء عید کی نماز کے بعد ایک مسلمان کا خلوص و محبت کے ساتھ اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرنے یا گلے ملنے کو حرام، ناجائز اور بدعت کہتے ہیں۔ حالانکہ مصافحہ اور معانقہ جناب رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے۔ اور حضور ﷺ کے فعل یا قول کو حرام ناجائز یا بدعت کہنے والے کے ایمان کو خطرہ ہے۔ ایسے لوگ اسلام سے خارج ہیں اس کے بر عکس کلبوں اور ثقافتی میلوں میں نیم عریاں ڈانس اور مردوں اور عورتوں کے گلے مل کر ناچنے کے خلاف ان نام نہاد علماء نے کبھی نہ تو شور مچایا، نہ اعتراض کیا، نہ اسے حرام اور ناجائز کہا۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ ان کا مقصد دین کی خدمت یا مسلمانوں کی اصلاح کرنا نہیں ہے بلکہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا اور شر فساد پیدا کرنا ہے۔

عید کے دن مصافحہ کرنا اہلسنت والجماعت کا طریقہ ہے، یہ حرام نہیں:

فتاویٰ کاملیہ میں لکھا ہے:

سئلت عن المصافحۃ یوم العید و الجمعۃ ما حکمہ؟ فالجواب ان حکمھا الاستحباب قال ﷺ من صافح اخاہ المسلم و حرک یدہ تناثرت ذنوبہ اہ من الھدایۃ و روی الحافظ السیوطی فی الجامع الصغیر عن ابی داؤد عن البراء اذا التقی المسلمان فصافحا و حمداللہ و استغفروا غفر لھما و روی ایضا فیہ عن الحکیم عن عمر ص اذا التقی المسلمان فسلم احدھما علی صاحبہ کان احبھما الی اللہ احسنھما بشرا بصاحبہ و اذا تصافحا انزل اللہ علیھما مائۃ رحمۃ للبادی تسعون و للمصافح عشرۃ و فی شرح العینی علی الھدایۃ قال النبی ﷺ ان المؤمن اذا لقی المؤمن فسلم علیہ و اخذ بیدہ فصافحہ تناثرت خطایاھما کما یتناثر ورق الشجر۔[1]

اذکار نووی میں بھی مصافحہ کو سنت لکھا ہے:

کقولہ و فی الشامی کما افادہ النووی فی اذکارہ حیث قال اعلم ان المصافحۃ مستحبۃ عند کل لقاء و اما ما اعتادہ الناس من المصافحۃ بعد صلوۃ الصبح و العصر فلا اصل لہ فی الشرع علی ھذا الوجہ و لکن لا بأس بہ فان اصل المصافحۃ سنۃ و کونھم حافظوا علیھا فی بعض الاحوال و فرطوا فی کثیر من الاحوال او اکثرھا لا یخرج ذلک البعض عن کونہ من المصافحۃ التی ورد الشرع باصلھا۔[2]

خلاصہ یہ ہے کہ اصل مصافحہ سنت ہے اور وقت کی خصوصیت بدعت حسنہ ہے۔[3]

---

[1] (رواہ الطبرانی و البیہقی کذافی فتاوی کاملیہ ص ۲۶۲، شربنلالی ص ۱۴۲)
[2] (شامی ص ۲۶۶، ج۵، کذافی الطحطاوی)
[3] (غایت الاوطار ترجمہ در مختار، ص ۲۱۸، ج۴، کذافی الطحطاوی ص ۲۸۹)

وفی الجامع الصغیر فی استقبال المصحف تشبیه باهل الکتاب ولکن تشبیههم لا یکره فی کل فعل فانا ناکل ونشرب کما یاکلون ویشربون وانما یکون الشبیه مکروها فی ما کان مذموما وفی قطب الارشاد ص ۲۸۰ واما المصافحة المتعارفة فی یوم العید بعد الصلوة فمباح الی مستحب۔

مصافحہ سنت ہے اور اس کا ثواب تواتر سے ثابت ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ایک حدیث یہ ہے کہ جس نے مسلمان بھائی سے مصافحہ کیا اور ہاتھ کو حرکت دی اس کے تمام گناہ گر جائینگے۔ جتنی بار ملاقات ہو ہر بار مصافحہ کرنا مستحب ہے۔ مصافحہ کے مطلق جواز سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز فجر یا عصر کے بعد جو اکثر جگہ مصافحہ کرنے کا مسلمانوں میں رواج ہے یہ بھی جائز ہے اور بعض کتابوں میں جو اس کو بدعت کہا گیا ہے اس سے مراد بدعت حسنہ ہے۔[1]

فتاوی شامی ہے:

وقال المحقق ابن أمیر حاج: بل الأشبه أنها جائزة مستحبة في الجملة ثم ساق آثارا بأسانید صحیحة عن الصحابة في فعل ذلک ثم قال: والمتعامل في البلاد الشامیة والمصریة عید مبارک علیک ونحوه وقال یمکن أن یلحق بذلک في المشروعیة والاستحباب لما بینهما من التلازم فإن من قبلت طاعته في زمان کان ذلک الزمان علیه مبارکا علی أنه قد ورد الدعاء بالبرکة في أمور شتی فیؤخذ منه استحباب الدعاء بها هنا أیضا. اهـ۔[2]

شعب الایمان للبیهقی میں ہے:

عن أدهم مولی عمر بن عبد العزیز قال کنا نقول لعمر بن عبد العزیز في العیدین تقبل الله منا ومنک یا أمیر المؤمنین فیرد علینا ولا ینکر ذلک علینا۔[3]

غنیۃ الاوطار میں ہے: جس طرح فجر اور عصر کے بعد مصافحہ کرنا جائز ہے، اسی طرح باقی نمازوں کے بعد بھی جائز ہے کیونکہ اصل مصافحہ کرنا جائز ہے تو جس وقت بھی کیا جائے، تو جائز ہے۔جب تک شریعت مطہرہ میں ممانعت نہ آئی ہو، والتهنیة یتقبل الله مناومنکم لا تنکر رد المحتار۔ اور مستحب ہے کہ اس لفظ سے مبارکباد دی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی عبادت قبول فرمائے اور اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔یعنی اس طرح مبارکباد دینا جائز ہے۔[4]

حاشیۃ الطحطاوي علی مراقي الفلاح شرح نور الإیضاح میں ہے:

والتهنئة بقوله تقبل الله منا ومنکم لا تنکر بل مستحبة لورود الأثر بها کما رواه الحافظ ابن حجر عن تحفة عید الأضحی لأبي القاسم المستملي بسند حسن۔

---

[1] (در مختار، رد المحتار)

[2] (رد المحتار علی الدر المختار ج ۲ ص ۱۶۹ کتاب الصلوۃ باب العیدین مطلب یطلق المستحب علی السنۃ وبالعکس)

[3] (شعب الایمان للبیهقی باب فی الصیام فی لیلۃ العیدین ویوم ها ج ۳ ص ۳۴۵ رقم ۳۴۴۶)

[4] (غنیۃ الاوطار ج ۱ ص ۳۸۵)

وكان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا التقوا يوم العيد يقول بعضهم لبعض تقبل الله منا ومنكم قال وأخرجه الطبراني أيضا في الدعاء بسند قوي اه قال والمتعامل به في البلاد الشامية والمصرية قول الرجل لصاحبه عيد مبارک علیک ونحوه ويمكن أن يلحق هذا اللفظ بذلک في الجواز الحسن واستحبابه لما بينهما من التلازم اه وكذا تطلب المصافحة فهي سنة عقب الصلاة كلها وعند كل لقى۔[1]

صوبہ سرحد (خیبر پختونخواہ) کے مشہور عالم استاذِ کل علماء دیوبند کے مولوی عبد الہادی شاہ منصوری تسهيل المشكوة میں باب المصافحہ میں لکھتے ہیں:

قوله قال نعم آه هذا دليل سنيتها عند اللقاء اما بعد الصلوة مثلا فلا اصل له ولكن لا باس بها فهى بدعة مباحة كما قال النووى واعلم من هذا ان المصافحة فى يوم العيدين من هذا القبيل جائزة لا باس بها على ان فيها اظهار المحبة فباعتبار الغاية حسنها الناس والاعتبار للغاية وفى تركها ترک المحبة والتباغض بين الناس كما هو ظاهر فى هذا الزمان فالحاصل ان فعلها حسن وفى تركها قبح فهى جائزة لا خير فى منعها كما ان تقبيل يد الغير لاظهار المحبة وتعظيمه جائز وبغير هذا الوجه لا يجوز۔[2]

اگر کوئی زیادہ تحقیق چاہے تو "الادلة الواضحه لاستنان المصافحه" للعلامۃ الأجل مولانا الحاج شائستہ گل قادری المعروف متہ بابا جی صاحب رحمہ اللہ۔ کا مطالعہ فرمائیں۔ تمام شکوک وشبہات ختم ہو جائیں گے۔

[1] (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ص ۲۸۹)

[2] (تسهيل المشكوة ص ۸۳)

(۱۰) باب نمبر دس: لفظ "ضاد" کو "ظا" کے مخرج سے پڑھنے کا بیان

بعض علماء و قراء حضرات "ضاد" کی جگہ "ظاد" یا مشابہ "ظاد" کر کے پڑھتے ہیں، مثلاً "غیر المغضوب" کی جگہ "غیر المغظوب" پڑھتے ہیں یا پھر "ولا الضالّین" کی جگہ "ولا الظالّین" پڑھتے ہیں۔ حالانکہ "ض" کی جگہ "ظ" پڑھنا شرعاً ناجائز ہے۔ اور ایسے بد مذہب کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ اگر کسی نے پڑھ لی تو وہ واجب الاعادہ ہے۔

ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وفی المحیط سئل الامام الفضلی عمّن یقرأ الظّاء المعجمة مکان الضّاد المعجمة او یقرء اصحاب الجنّة مکان اصحاب النّار او علی العکس فقال لاتجوز امامته ولو تعمّد یکفر قلت امّا کون تعمّده کفر فلا کلام فیه۔

"امام فضلی رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس شخص کے بارے میں پوچھا گیا جو "ض" کو "ظ" پڑھے۔ یا **اصحاب النار** کی جگہ **اصحاب الجنة** یا اس کے برعکس (یعنی **اصحاب الجنة** کی جگہ **اصحاب النار** پڑھے) تو انہوں نے فرمایا کہ اس کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا پڑھا تو اس نے کفر کیا۔ میں نے کہا کہ قصداً اس طرح پڑھنا کفر ہے تو اس میں کلام نہیں۔"[1]

کتاب الاذکار میں امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

ولو قال ولا الضّالّین بالظّاء بطلت صلوٰته علیٰ ارجح الوجهین الّا ان یّعجز عن الضّاد بعد التّعلّم فیعذّره۔

"اگر کسی نے نماز میں "**ولا الضالین**" میں "ظ" پڑھا (یعنی "**ولا الظالین**" پڑھا) تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔ یہ راجح قول ہے مگر سیکھنے کے بعد بھی (باوجود کوشش) کے نہ پڑھ سکے تو معذور ہے۔"[2]

فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

اگر کوئی "**والعٰدیات ضبحًا**" کی بجائے "**والعٰدیات ظبحاً**" ظ سے پڑھے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔[3]

حضور ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

عن حذیفة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ ﷺ: اقرأو القرآن بلحون العرب و اصواتها و ایاکم ولحون اهل العشق ولحون اهل الکتابین۔

"قرآن پاک عرب کے لہجوں کے مطابق اور ان کی آواز (بولی) پر پڑھو۔ اہل عشق کے لحن اور یہود و نصاریٰ کے لحن سے بچو۔"[4]

---

[1] (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ص ۴۸، ج ۴، باب مفسدات نماز، دار الاشاعت کراچی، عزیز الفتاویٰ ص ۱۴۹، فصل فی التجوید، دار الاشاعت، کراچی)

[2] (کتاب الاذکار للنووی ص ۳۸)

[3] (فتاویٰ قاضی خان صفحہ ۱۴۱ جلد ۱، کبیری ۴۴۹)

[4] (مشکوة شریف، ص ۱۹۱، الکامل ابن عدی جلد ۲ ص ۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ان روایات سے ثابت ہو اہ قرآن مجید کے حروف کا لہجہ و مخرج وہی صحیح ہے جو اہل عرب ادا کریں۔ الحمدللہ آج بھی عرب جملہ خطّوں میں مصر سمیت یہاں تک کہ وہابیوں کے پیشوا نجدی بھی ظا کے مخرج میں نہیں پڑھتے۔

قاضی عیاض قدس سرہ شفاء شریف میں لکھتے ہیں:

وقد اجمع المسلمون ۔۔۔ من نقص منه حرفاً قاصداً لذلک او بدله بحرف آخر مکانه او زادٍ فیه حرفاً مما لم یشتمل علیه المصحف الذی وقع الاجماع علیه واجمع علی انه لیس من القرآن عامداً لکل هذا انه کافر۔

"بے شک اہل اسلام کا اجماع ہے ۔۔۔ کہ جس نے قرآن کا کوئی حرف عمداً گھٹایا یا اس کے عوض دوسرا بڑھایا یا کوئی ایسا حرف زائد کیا جو مصحف شریف کا نہیں اور عمداً ایسے کیا تو وہ شخص بالاتفاق کافر ہے۔"[1]

یہ لوگ ضاد کو ظاء عمداً پڑھتے ہیں۔ آزما کر دیکھئے۔ جیسے ہم نے بھی آزمایا ہے۔ یہ لوگ خود تو پڑھتے ہی ہیں مگر دوسروں کو ایسے پڑھنے پر مجبور بھی کرتے ہیں اور جو نہیں پڑھتے ان سے ان کا جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔

عالمگیری میں ہے:

ما کان فی کونه کفرا اختلاف فان قائله یؤمر بتجدید النکاح وبالتوبة والرجوع عن ذلک بطریق الاحتیاط۔

"جس مسئلے کے کفر میں اختلاف ہو اس کے قائل کو تجدید نکاح اور توبہ اور اس فعل سے رجوع کرنے کا احتیاطاً حکم کیا جائے گا۔"

عمداً ضاد کو ظا پڑھنے کے کفر میں اختلاف نہیں، بلکہ یقین ہے تو اب اس کے متعلق ناظرین کیا فرمائیں گے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح جزری میں لکھتے ہیں:

قال بحر فلو بدل ضادا بالظاء عامداً بطلت صلاته علی الاصح لفساد معنیٰ۔

"یعنی جو شخص ضاد کے بجائے عمداً ظاء پڑھتا ہے صحیح یہ ہے کہ اس کی نماز فاسد اور واجب الاعادہ ہے۔"[2]

مسئلہ ضاد کو ظاء پڑھنا شرعی جرم ہے

ضاد کو ظاء یا مشابہ ظاء کر کے پڑھنا غلط ہے اور اس طرح پڑھنے سے نماز ٹوٹ جائے گی ایسا شخص امامت کا اہل نہیں ہے اور ایسے امام کے پیچھے جو نماز پڑھی ہے اس کا اعادہ واجب ہے۔ قرآن کریم کے حروف کے ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرنا ضروی ہے اور تمام حروف کے مخارج جدا جدا معین ہیں۔

---

[1] (الشفاء شریف حقوق المصطفیٰ فصل فی بیان ماهو من المقالات کفر الخ ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعه دار الکتب العلمیة بیروت)

[2] (بحواله رفع الفساد فی مخرج الظاء والضاد، ص ۲۷،۲۸)

(۱۰) باب نمبر دس: لفظ "ضاد" کو "ظاء" کے مخرج سے پڑھنے کا بیان

قرآن پاک میں زیادت کرنا یا تحریف کرنا یا کوئی ایک حرف تبدیل کرنا یہ یہودیوں کا کام ہے جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا:

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (النساء ۴۶)

کچھ یہودی کلاموں (ارشاداتِ خداوندی) کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں۔"

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ (المائدة ۱۳)

"اللہ کی باتوں کو ان کی جگہوں سے پھیرتے ہیں۔"

يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ (المائدة ۴۱)

"اللہ کی باتوں کو ان کی جگہوں سے پھیرتے ہیں۔"

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ (آل عمران ۷۸)

"اور ان میں کچھ وہ ہیں جو زبان پھیر کر کتاب میں میل کرتے ہیں کہ تم سمجھو یہ بھی کتاب میں ہے اور وہ کتاب میں نہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور وہ اللہ کے پاس سے نہیں اور اللہ پر دیدہ ودانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔"

اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا یہ حرام ہے یہ یہودیوں کا کام ہے لہذا ضاد کی جگہ ظاد پڑھنا یہ قرآن پاک میں تحریف ہے اور یہ کفر ہے۔ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے اور اگر کسی نے پڑھی تو وہ نماز واجب الاعادہ ہے۔

عن حذيفة قال رسول الله اقرؤوا القرآن بلحون العرب۔[1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن پڑھو جیسے عرب پڑھتے ہیں۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں تمام عرب ضاد پڑھتے ہیں اس طرح مصر کے تمام علماء اور عوام بھی ضاد پڑھتے ہیں۔ ہمیں بھی چاہئے کہ عرب ممالک کی طرح ضاد کی جگہ ظاء نہ پڑھیں، یعنی و لا لضالین کی جگہ و لا لظالین نہ پڑھیں۔

ایک حرف کو دوسرے حرف کی طرح پڑھنا ناجائز ہے۔ ض اور ظاء دونوں حرف جدا جدا ہیں۔ ان کے مخارج بھی جدا ہیں۔ لہذا جو شخص قصداً یہ جان کر ض کو ظاء پڑھتا ہے کہ قرآن کریم میں اس جگہ یہ حرف اس طرح ہے وہ کافر ہے۔

---

[1] (الکامل ابن عدی ج ۲ ص ۷۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وقد اجمع المسلمون . . . من نقص منه حرفاً قاصداً لذلک او بدله بحرف آخر مکانه او زاد فیه حرفاً مما لم یشتمل علیه المصحف الذی وقع الاجماع علیه واجمع علی انه لیس من القرآن عامداً لکل هذا انه کافر۔

ترجمہ: بے شک اہل اسلام کا اجماع ہے... کہ جس نے قرآن کا کوئی حرف عمداً گھٹایا یا اس کے عوض دوسرا بڑھایا یا کوئی ایسا حرف زائد کیا جو مصحف شریف کا نہیں اور عمداً ایسے کیا تو وہ شخص بالاتفاق کافر ہے۔[1]

امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب الاذکار میں تحریر فرماتے ہیں:

ولو قال: ولا الضّالّین بالظاء بطلت صلاته علی أرجح الوجهین إلا أن یعجزَ عن الضاد بعد التعلم فیُعذر.

ترجمہ: اور اگر نماز پڑھنے والے نے ولا الضالین کو ظاء سے پڑھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی، دونوں وجوہ کے رائج ہونے کی بناء پر مگر سیکھنے کے بعد ضاد سے اگر عاجز ہو تو معزور ہے۔[2]

ثابت ہوا کہ محدثین کے نزدیک بھی ولا الضالین کو ظا سے پڑھنے والے کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ یعنی نماز میں ولا الضالین پڑھنے والے کا نماز پڑھنا یا نماز کو ترک کرنا یکساں ہے گویا کہ ولا الظالین پڑھنے والے نے نماز پڑھی ہی نہیں۔

اب اہلحدیث کے دعوے رکھنے والے اگر ضاد کو ظاء پڑھیں تو وہ جماعت محدثین کے نزدیک بے نماز ہیں ان کی نماز صحیح نہیں اور جو امام ضاد کی بجائے ظاء پڑھتے ہیں وہ تمام مقتدیوں کی نماز باطل کرتے ہیں، نہ مقتدیوں کی نماز درست اور نہ ہی امام کی اب تمہاری مرضی۔

جامع الفصولین میں ہے:

یقراء الظآء الضاد ویقراء کیف شاء اصحاب الجنة مکان اصحاب النار لم تجز امامته ولو تعمد یکفر۔

ترجمہ: جو آدمی ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اور اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار پڑھے۔ اس کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے۔[3]

جب کافر ہو گیا تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی (یعنی طلاق ہو جائے گی) اور جتنے بچے اس سے پیدا ہوں گے وہ سب حرامی ہیں۔

---

[1] (الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ فصل فی بیان ماھو من المقالات کفر الخ ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

[2] (کتاب الاذکار للنووی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۳،۲)

[3] (جامع الفصولین کلمات کفریہ ص ۳۱۶)

منیۃ المصلی میں ہے:

اما اذا قرأ مکان الذال ظاء او مکان الضاد ظاء او علی القلب تفسد الصلوۃ و علیہ اکثر الائمۃ۔

اور اگر نماز پڑھنے والے نے ولا الضالین کو ظا سے پڑھا تو اس کی نماز باطل ہو جائیگی۔ دونوں وجہوں کے رائج ہونے کی بناء پر مگر سیکھنے کے بعد ضاد سے اگر عاجز ہو تو معذور ہے۔

۲۔ شرح فقہ اکبر ملا علی قاری ۲۰۵

سئل الامام الفضلی عمن یقرأ الظاء المعجمة مکان الضاد المعجمة او علی العکس فقال لا تجوز امامته ولو تعمد یکفر ا۔

ترجمہ: امام فضلی سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جس نے ضاد کی جگہ ظاء یا اس کے بالعکس پڑھا تو انہوں نے (جواب میں) فرمایا ایسے شخص کی امامت جائز نہیں، اور اگر ایسا عمداً کرے تو کافر ہو گا۔[1]

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ میں کہتا ہوں کہ اگر عمداً پڑھے تو کافر ہو جاتا ہے اس میں کسی کو بھی اعتراض نہیں۔

۳۔ فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۴۱

ولو قرأ إلا ما اظطررتم بالظاء تفسد صلاته

اور اگر الا ما اضطررتم کی بجائے الا ما اظطررتم ظاء سے پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائیگی۔

۶۔ فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۴۳

وکذا لو قرأ غیر المغظوب بالظاء أو بالذال تفسد صلاته۔

ترجمہ: اور اگر اسی طرح غیر المغضوب کی بجائے **غیر المغظوب** ظاء یا ذال سے پڑھے تو نماز ٹوٹ جائیگی۔[2]

۷۔ فتویٰ قاضی خان ۱/۱۴۳

ونخل طلعها هضیم قرأ بالظاء أو بالذال تفسد صلاته[3]

اور اگر **وانخل طلعها هضیم** کو ظاء یا ذال سے پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

---

[1] (المنح الروض شرح فقہ اکبر لملّا علی قاری فصل فی القرأۃ والصّلوٰۃ مطبوعہ مصطفی البابی مصر ص ۱۶۷)

[2] فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۹۶

[3] فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۹۶

۸۔ فتویٰ قاضی خان ۱/۱۴۶

ولسوف يعطيك ربك فترضى قرأفترظى بالظاء تفسد صلاته[1]

اور ولسوف يعطيك ربك فترضىٰ کی بجائے فترظیٰ ظاء سے پڑھا تو اس کی نماز فاسق ہو جائے گی۔

۹۔ فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۴۶

ألم يجعل كيدهم في تضليل قرأ بالذال في تذليل لا تفسد صلاته ولو قرأ بالظاء تفسد صلاته۔

اور اگر فی تضلیل کو ذال سے تذلیل پڑھا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ اور اگر ظاء سے پڑھے تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۰۔ فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۴۷

كيدهم في تضليل قرأ بالظاء قال بعضهم لا تصح كيدهم في تظليل۔

ظاء سے پڑھے بعض نے کہا کہ نماز صحیح نہ ہو گی۔

۱۱۔ فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۴۸

الذي فرض عليك القرآن قرأ بالظاء فرظ تفسد صلاته الذي فرض عليك القرآن۔

اور جو فرض کو ظاء سے فرظ پڑھے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۲۔ فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۴۹

فمن فرض فيهن الحج قرأ بالظاء فرظ أو بالذال تفسد صلاته فمن فرض فيهن الحج۔

ظاء کے ساتھ پڑھے یا ذال کے ساتھ اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

۱۳۔ فتویٰ عالمگیری ۱/۷۹

قال القاضي الإمام أبو الحسن و القاضي الإمام أبو عاصم إن تعمد فسدت۔

قاضی امام ابو الحسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور قاضی امام ابو عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا اگر عمداً ضاد کو ظاء پڑھے نماز فاسد ہو جائے گی۔[2]

مذکورہ بالا آئمہ فقہاء کے حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ ضاد کو ظاء پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہ تمام فقہاء کا اتفاقی مسئلہ ہے اور بعض نے کفر کا فتویٰ بھی دیا ہے۔

---

[1] فتاویٰ قاضی خان ۱/۲۰۰

[2] (الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان، العالمكيرية، ج ۱، ص ۷۹، الناشر دار الفكر)

اے حقیقت کا دعویٰ رکھنے والو! ضاد کو ظاء پڑھ کر کیوں مسلمانوں کی نمازیں ضائع کرتے ہو اور امت محمد رسول اللہ ﷺ کو مجرم اور تارک نماز بناتے ہو مسلمان بیچارہ تمہاری اقتداء میں نماز ادا بھی کرتا ہے پھر بھی نماز ادا نہیں بلکہ خدائی مجرم لکھا جاتا ہے لیکن تم صرف مذہبی ضد کی بناء پر ضاد کو ظاء پڑھ کر قرآن کو الٹا پڑھ رہے ہو الفاظ میں تغیر و تبدل نہیں کرسکتے تو معانی میں ہی تغیر پیدا کر کے مسلمانوں کو مجرم بنا رہے ہو۔

۱۴۔ غنیۃ المستعلی للحلبی

و اذا اقراء مکان الذال المعجمۃ بالظاء المعجمۃ و قر االظاء المعجمۃ مکان الضاد المعجمۃ او علی القلب مثال الاول امالو قراء و تلظ الاعین مکان تلذو مماظرء مکان ذرا مثال الثانی فی المغظوب مکان المضضوب و مثال الثالث ظعف الحیوۃ فتفسد صلوتہ و علیہ اے علی القول بالفساد اکثر الائمۃ للتغیر الفاحش البعید۔

اور جب کسی نے ذال کی بجائے ظاء پڑھا اور ظاء کی بجائے ضاد پڑھا مثال اول اگر تلذ الاعین کی بجائے تلظ الاعین پڑھا اور ذرا کی ظرء پڑھا اور دوسری مثال مغضوب کی بجائے مغظوب پڑھا اور تیسری مثال ضعف الحیوۃ کی بجائے ظعف الحیوۃ پڑھا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اس سے نماز فاسد ہونے کا فتویٰ اکثر آئمہ کا ہے کیونکہ اس سے بہت سے معنی متغیر ہو جاتے ہیں۔

مولوی قطب الدین اپنی تفسیر میں تحت آیت و ماھو علی الغیب بضنین میں لکھتے ہیں۔

کہ حرمین شریفین غیرہما اکثر ممالک میں تو سب (ضاد کو) دال مفخم کی طرح پڑھتے ہیں اور دہلی وغیرہ یا اکثر ہند کے ممالک میں بھی پہلے اسی طرح پڑھتے تھے مگر اب ان ایام میں بعض دنیا سازوں نے ظاء کے طور پڑھنے کا فتویٰ دیا جو کہ سراسر غلط ہے ایک مجلس میں بھی اس کی تحقیق کے لئے منعقد ہوئی اکثر و کل قراء کی رائے بطور سابق کے ضاد پڑھنے پر غالب رہی۔[1]

یہ وہی مولوی ہیں جنہوں نے مظاہر حق لکھی ہے اس پر دیوبندیوں کو اعتماد ہے کیونکہ مولوی محمد اسحاق کے شاگرد ہیں ان سے یہ پتہ چلا کہ اکابر دیوبند بھی ظاء نہیں پڑھتے تھے۔

بانی دارالعلوم دیوبند قاسم نانوتوی لکھتے ہیں:

سوال: خدمت میں علماء دین کی عرض ہے کہ ایک شخص کوہ لنڈھورہ پرگنیہ ضلع بجبور کا رہنا والا آیا ہے کہتا ہے کہ ضاد بمخرج ظاء پڑھ ورنہ نماز باطل ہو جائے گی جواب ہر ایک امر کا اپنی مہر سے مذین فرما کر ارسال کریں کہ اس شخص کو جواب دیا جائے۔

---

[1](جامع التفاسیر ص ۳۶۱)

جواب: جناب من جیسے بے کی جائے اور دال کی جگہ ذال اور جا کے بدلے خا اور شین کے عوض سین اور عین کے مقام غین اور لام کے مقام میم نہ کوئی پڑھتا ہے اور نہ کوئی جائز سمجھتا ہے اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر کوئی اسی کو سمجھتا ہے ایسے ہی ضاد کو چھوڑ کر ظاء پڑھنا بھی خلاف عقل و نقل ہے یہ بات عقل و نقل کی رو سے منجملہ تحریف ہے جس کی برائی خود کلام اللہ میں موجود ہے پھر معلوم نہیں آج کل کے عالم کس وجہ سے ایسی نامعقول بات کہدیتے ہیں اور اہل اسلام کیوں ایسی بات تسلیم کر لیتے ہیں مگر شاید عوام فتووں کی مہروں کو دیکھ کر بچل جاتے ہیں اور یہ کون جانے کہ کتابوں کا سمجھنا اور فتووں کا لکھنا ہر کسی کو نہیں آتا۔[1]

دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

سوال: ضاد کو کس طرح پڑھنا چاہیئے اور اکثر فقہا کا قول کیا ہے اور اکثر کتب دینیات میں اس ذکر میں کیا لکھتے ہیں؟

جواب:... **فی الجزریة و الضاد من حافته اذا لی الا صنداس من اسیر و لیناھا۔** جب مخرج معلوم ہو گیا تو ضاد کے ادا کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے مخرج سے نکالا جاوے اب اس نکالنے سے بوجہ عدم مہارت خواہ کچھ ہی نکلے عفو ہے اور اگر قصداً دال یا ظاء پڑھے وہ جائز نہیں جیسا بعض نے دال پڑھنے کی عادت کر لی ہے اور بعض نے فقہا کے کلام میں یہ دیکھ کر کہ ضاد مشابہ ظاء ہے ظاء پڑھنا شروع کر دیا حالانکہ مشابہت کی حقیقت صرف مشارکت فی بعض الصفات ہے اور مشارکت فی بعض الصفات سے اتحاد ذات لازم نہیں آتا رہا قاضی خان کی اس جزئی سے لو قرأ الضالین لا تفسد صلواۃ ظاء پڑھنے کی اجازت سمجھ لینا اس کو دوسری جزئیات قاضی خان کی رد کرتی ہے۔

وھی ھذا و لو قرأ و العادیات ظبحاً بالظاء تفسد صلواتہ اھ و کذا لو قرا غیر المغضوب علیھم بالظاء او ر بالذال تفسد صلواتہ و امثال ذلک من الفروع المتعددۃ۔ و اللہ اعلم۔[2]

رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں:

یہ قول قاری صاحب کا درست ہے کہ جو شخص باوجود قدرت کے ضاد کو ضاد کے مخرج سے ادا نہ کرے وہ گنہگار بھی ہے اور اگر دوسرا لفظ بدل جانے سے معنی بدل گئے تو نماز بھی نہ ہو گی اور اگر باوجود کوشش سعی ضاد اپنے مخرج سے ادا نہیں ہوتا تو

---

[1] (تصفیۃ العقائد ص ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

[2] (فتاویٰ امدادیہ ج ۱ ص ۱۲۷ ربیع الاول باب تجوید ۲۲ سنہ ۱۳ھ)

معذور ہے اس کی نماز ہو جاتی ہے اور جو شخص خود صحیح پڑھنے پر قادر ہے ایسے معذور کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے مگر جو شخص قصداً دال یا ظاء پڑھے اس کے پیچھے نماز نہ ہو گی فقط۔ [1]

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں:

اصل حرف ضاد ہے اس کو اصل مخرج سے ادا کرنا واجب ہے۔ اگر نہ ہو سکے تو بحالت معذوری دال پر کی صورت سے بھی نماز ہو جائے گی۔ فقط واللہ اعلم بندہ رشید احمد گنگوہی الجواب صحیح عزیز الرحمن۔ خلیل احمد، عنایت الٰہی، محمود، اشرف علی، غلام رسول۔ [2]

عوام جو مخارج اور صفات سے واقف نہیں بوجہ ناواقفیت کے حرف ضاد کے بجاء ظاء پڑھے تو تو نماز فاسد ہو گی یا نہیں یہ الگ مسئلہ ہے مگر جان بوجھ کر باوجود قادر بالفعل ہونے کے ایسا کرے تو جمہور فقہاء کے نزدیک ان کی نماز ساسد ہو جائے گی۔ ہمارے زمانہ میں اکثر دیوبندی خصوصاً پنجپیری قصداً ضاد کے بجائے ظاء پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ جھگڑتے اور فساد پھیلاتے ہیں۔ ان پنجپیری دیوبندیوں کو اپنے مستند عالم مفتی زرولی خان کے اس قول پر عمل کرنا چاہیے۔ مفتی زرولی خان دیوبندی سی ڈی کیسٹ آپ کے مسائل اور ان کا حل میں کہتے ہیں۔

اے قاریوں (جو نماز میں ظاد پڑھتے ہیں) دوسروں کی نمازیں خراب نہ کرو (یعنی اپنی نماز تو ہے ہی خراب مگر دوسری کی نمازیں تو خراب نہ کرو) عرب ظاد کو جانتے تک نہیں۔ اس کے بعد محیط برہانی والی عبارت بیان فرمائی ہے اور ظاد کو بالکل غلط ثابت کیا ہے۔

(M-p-3 سی ڈی آپ کے مسائل اور ان کا حل جمعۃ المبارک کے موقع پر سوال وجواب کی صورت میں شائع کردہ شاپ نمبر ۸ سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی)

ہم بھی ان ضاد کے بجائے ظاد پڑھنے والوں کو یہی کہتے ہیں کہ مسلمانوں میں فساد نہ پھیلاؤ اور مسلمانوں کی نمازیں خراب نہ کرو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ پھر تم کیوں وضوء، ضرورت، فضل الرحمن، ضیاء الدین، حضور وغیرہ الفاظ کہتے ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عجمی لفظ ہیں اور قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

انا انزلناہ قرآناً عربیا لعلکم تعقلون۔

---

[1] (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۷)

[2] (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۱)

ترجمہ: بے شک ہم نے اسے عربی قرآن اتارا تا کہ تم سمجھو۔

یہ عجمی الفاظ ہیں اور اردو زبان میں اس کو ظاء پڑھا جاتا ہے جب کہ قرآن عربی میں نازل ہوا ہے لہذا اس کو عجمی طریقہ اور تلفظ کے ساتھ نہیں بلکہ عربی تلفظ اور عربی مخارج کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ **واللہ تعالیٰ ورسولہ الاعلی اعلم بالصواب!**

(۱۱) باب نمبر گیارہ: میت کو عمدہ کفن پہنانے کے بیان میں

میت کو عمدہ کفن پہنانے کا حکم

صحیح مسلم میں ہے:

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فليحسن كفنه». رَوَاهُ مُسلم۔

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن پہنائے تو اسے چاہیئے کہ عمدہ کفن پہنائے۔[1]

حضرت ابن عدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أَحْسِنُوا أَكْفَانَ مَوْتَاكُمْ، فَإِنَّهُمْ يَتَزَاوَرُونَ فِي قُبُورِهِم۔

اپنی موتی کو اچھے کفن پہناؤ کیوں کہ وہ اپنی قبور میں ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں۔[2]

درِ مختار میں ہے:

وَيُحَسَّنُ الْكَفَنُ لِحَدِيثِ حَسِّنُوا أَكْفَانَ الْمَوْتَى فَإِنَّهُمْ يَتَزَاوَرُونَ فِيمَا بَيْنَهُمْ وَيَتَفَاخَرُونَ بِحُسْنِ أَكْفَانِهِم۔

میت کو اچھا کفن پہنایا کرو کیونکہ حدیثِ پاک میں ہے اموات کو اچھا کفن پناؤ کیونکہ وہ باہم ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور اپنے کفن کی اچھائی پر فخر کرتے ہیں۔[3]

علامہ السید امین ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ (یتفاخرون) کی مراد کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(قَوْلُهُ وَيَتَفَاخَرُونَ) الْمُرَادُ بِهِ الْفَرَحُ وَالسُّرُورُ حَيْثُ وَافَقَ السُّنَّةَ، وَالزِّيَارَةُ وَإِنْ كَانَتْ لِلرُّوحِ لَكِنْ لِلرُّوحِ نَوْعُ تَعَلُّقٍ بِالْجَسَد۔

باہمی فخر سے مراد فرحت و سرور ہے جب کہ وہ کفن سنت کے مطابق ہو، (یہاں یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ زیارت کرنا ارواح کا فعل ہے اور کفن بدن کے لئے ہوتا ہے نہ کہ روح اس میں ملفوف ہوتے ہیں لہذا اچھا کفنوں کی بنا پر ارواح میں فخر کا کیا مطلب ہو سکتا ہے، تو علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا) زیارت اگرچہ روح کا فعل ہے لیکن روح کا جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔[4]

---

[1](مشکاۃ المصابیح ص ۱۴۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

[2](مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ص ۱۰۵ مطبوعہ مکتبۃ رشیدیۃ کوئٹہ)

[3](ردالمحتار علی الدر المختار ج۳ ص ۱۱۳ مطبوعہ مکتبۃ حنفیۃ کوئٹہ)

[4] (ردالمحتار علی الدر المختار ج۳ ص ۱۱۳ مطبوعہ مکتبۃ حنفیۃ کوئٹہ)

قبر والا اپنے زائرین کو پہچانتا اور ان کے سلام کا جواب دیتا ہے

متعدد احادیث سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد بالکل ہی بے حس نہیں ہو جاتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے روح کا تعلق اس کے جسم کے ساتھ باقی رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ کلام سنتا ہے، زائرین کو پہچانتا ہے، سلام کا جواب دیتا ہے، اپنے عزیز واقارب کے آنے پر خوش ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم کتاب الروح میں متعدد احادیث نقل کرتے ہیں مسئلے کی وضاحت کے لئے چند احادیث نقل کر دیتے ہیں:

ابْن عبد الْبر ثبت عَن النَّبِي أَنه قَالَ: مَا من مُسلم يمر على قبر أَخِيه كَانَ يعرفهُ فِي الدُّنْيَا فَيسلم عَلَيْهِ إِلَّا رد الله عَلَيْهِ روحه حَتَّى يرد عَلَيْهِ السَّلَام فَهَذَا نَص فِي أَنه بِعَيْنِه وَيرد عَلَيْهِ السَّلَام۔

ابن عبد البر کہتے ہیں کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جو اپنے اس بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے کہ وہ اسے اس دنیا میں پہچانتا تھا، سلام کرے مگر اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس پر لوتا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ قبر والا اسے سلام کا جواب دیتا ہے۔[1]

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ میت (صاحب قبر) خاص اسے پہچانتا ہے اور اسے سلام کا جواب دیتا ہے۔

عَائِشَة رضی الله عَنْهَا أَنَّهَا قَالَت قَالَ رَسُول مَا من رجل يزور قبر أَخِيه فيجلس عِنْده إِلَّا استأنس بِهِ حَتَّى يقوم۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں ہے کوئی مرد کہ جو اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے، اس کے پاس بیٹھتا ہے مگر قبر والا اس سے مانوس ہوتا ہے اس کی باتوں کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ کھڑا ہو جائے۔[2]

عَن أَبى هُرَيْرَة رضی الله تَعَالَى عَنهُ قَالَ إِذا مر الرجل بِقَبْر أَخِيه يعرفهُ فَسلم عَلَيْهِ رد عَلَيْهِ السَّلَام۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں جب مرد اپنے اس بھائی کی قبر سے گزرے جسے وہ جانتا ہے، سلام کرے تو صاحبِ قبر سلام کا جواب دیتا ہے اور اسے پہچان لیتا ہے اور جب اس کا گزر ایسی قبر کے پاس سے ہو کہ صاحبِ قبر کو نہیں پہچانتا، سلام کرے تو صاحب کرے (صرف سلام کا جواب دیتا ہے)۔[3]

وذخيرتي وَمن عَلَيْهِ اعتمادي فِي حياتي وَبعد موتي لَا تخذلني عِنْد الْمَوْت وَلَا توحشني فِي قبري قَالَ فَمَاتَتْ فَكنت آتيها فِي كل جُمُعَة فأدعو لَهَا وَأَسْتَغْفِر لَهَا وَلأَهل الْقُبُور فرأيتها ذَات يَوْم فِي منامي فَقلت لَهَا يَا أمه كَيفَ أَنْت قَالَت أي بني ان للْمَوْت لكربة شَدِيدَة وإني بِحَمْد الله لفي برزخ مَحْمُود نفترش فِيهِ الريحان ونتوسد فِيهِ السندس

---

[1] (الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة ص ۷ مطبوعة بيروت)

[2] (الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة ص ۷ مطبوعة بيروت)

[3] (الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة ص ۸ مطبوعة بيروت)

والاستبرق إِلَى يَوْمِ النشور فَقلت لَهَا أَلَک حَاجَة قَالَت نعم قلت وَمَا هِيَ قَالَت لَا تدع مَا كنت تصنع من زيارتنا وَالدُّعَاء لنا فإني لأبشر بمجيئک يَوْم الْجُمُعَة إِذا أَقبلت من أهلک يُقَال لي يَا راهبة هَذَا ابْنک قد أقبل فَأسر وَيسر بذلک من حولي من الْأَمْوَات۔

حضرت عثمان ابن سودا الطفاوی بیان کرتے ہیں کہ ان کی والدہ عبادت گزار خواتین میں سے تھیں۔ انہیں راہبہ کہا جاتا تھا۔ جب موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔ اے میرے ذخر اور ذخیرہ! اے وہ ذات جس پر میری زندگی اور موت کے بعد اعتماد ہے تو مجھے موت کے وقت رسوانہ کر اور میری قبر میں وحشت پیدا نہ کر فرماتے ہیں کہ ان کا وصال ہو گیا میں ہر جمعہ ان کی قبر پر آتا تھا اور ان کے لئے دعا کرتا تھا، ان کے لئے اور تمام اہل قبور کے لئے استغفار کرتا تھا۔ میں نے ایک دن انہیں خواب میں دیکھا تو میں نے کہا اے امی جان آپ کیسی ہیں، تو انہوں نے کہا اے میرے بیٹے، موت کی وجہ سے سخت مصیبت ہے اور الحمد للہ میں برزخ محمود میں ہوں، ہم اس میں پھولوں کا بچھونا بچھاتے ہیں اور یوم نشور (قبر سے اٹھنے کے دن) تک سندس والاستبرق کے تکیے رکھتے ہیں ۔ میں نے کہا کیا آپ کی کوئی حاجت ہے تو انہوں نے کہا ہاں۔ میں نے کہا وہ کیا تو انہوں نے کہا جو تم ہماری زیارت کو آتے ہو اور ہمارے لئے دعا کرتے ہو، اسے نہ چھوڑنا جب تم اپنے اہل سے جمعہ کے دن آتے ہوں تو وہ تمہارے آنے کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں۔ مجھے کہا جاتا ہے کہ اے راہبہ، یہ تیرا بیٹا آگیا تو میں خوش ہو جاتی ہوں اور اس کی وجہ سے میرے ارد گرد اموات بھی خوش ہو جاتے ہیں۔[1]

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کا جسم سے تعلق وفات کے بعد بھی جاری رہتا ہے اور انسان وفات کے بعد بھی اپنے عزیز و اقارب اور دوست احباب کے اس کی قبر پر آنے کی وجہ سے خوش ہوتا ہے۔

علامہ ابن قیم مزید لکھتے ہیں:

وَالسَّلَف مجمعون على هَذَا وَقد تَوَاتَرَتْ الْآثَار عَنْهُم بِأَن الْمَيِّت يعرف زِيَارَة الْحَيّ لَهُ ويستبشر بِهِ۔

اسلاف کا اس بات پر اجماع ہے اور ان سے آثار تواتر سے سے وارد ہیں کہ میت زندہ انسان کی زیارت کو پہچانتے ہیں اور اس کی وجہ سے خوش ہوتے ہیں۔[2]

---

[1] (الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة ص ۹ مطبوعة بيروت)

[2] (الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء بالدلائل من الكتاب والسنة ص ۷ مطبوعة بيروت)

روح کا جسم کے ساتھ کلی طور پر تعلق رہتا ہے

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح میں کافر و مومن کی روح پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وَتَكُونُ دَائِمًا مَحْبُوسَةً فِي أَسْفَلِ السَّافِلِينَ بِخِلَافِ رُوحِ الْمُؤْمِنِ ; فَإِنَّهَا تَسِيرُ فِي مَلَكُوتِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَتَسْرَحُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ تَشَاءُ، وَتَأْوِي إِلَى قَنَادِيلَ تَحْتَ الْعَرْشِ، وَلَهَا تَعَلُّقٌ بِجَسَدِهِ أَيْضًا تَعَلُّقًا كُلِّيًّا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ فِي قَبْرِهِ وَيُصَلِّي، وَيَتَنَعَّمُ وَيَنَامُ كَنَوْمِ الْعَرُوسِ، وَيَنْظُرُ إِلَى مَنَازِلِهِ فِي الْجَنَّةِ بِحَسَبِ مُقَامِهِ وَمَرْتَبَتِهِ۔

کفار کی ارواح اسفل السافلین میں قید ہوتی ہیں بخلاف مؤمنین کی ارواح کہ وہ آسمان و زمین کی بادشاہی میں سیر کرتی ہیں اور جنت میں جاتی ہیں جہاں چاہتی ہیں اور عرش کی قندیلوں کی طرف آتی ہیں، اور نیز ان کا تعلق ان کے جسم کے ساتھ کلی طور پر ہوتا ہے اس حیثیت سے کہ مرنے والا اپنی قبر میں قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، نماز پڑھتا ہے، راحت محسوس کرتا ہے، دلہن کی طرح سوتا ہے، جنت میں اپنے مقام و مرتبے کے اعتبار سے اپنی منازل کو دیکھتا ہے۔[1]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ آگے مزید لکھتے ہیں:

قَالَ الْعَسْقَلَانِيُّ فِي فَتَاوِيهِ: أَرْوَاحُ الْمُؤْمِنِينَ فِي عِلِّيِّينَ، وَأَرْوَاحُ الْكُفَّارِ فِي سِجِّينٍ، وَلِكُلِّ رُوحٍ بِجَسَدِهَا اتِّصَالٌ مَعْنَوِيٌّ لَا يُشْبِهُ الِاتِّصَالَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا، بَلْ أَشْبَهُ شَيْءٍ بِهِ حَالُ النَّائِمِ، وَإِنْ كَانَ هُوَ أَشَدَّ مِنْ حَالِ النَّائِمِ اتِّصَالًا، وَبِهَذَا يُجْمَعُ بَيْنَ مَا وَرَدَ أَنَّ مَقَرَّهَا فِي عِلِّيِّينَ أَوْ سِجِّينٍ وَبَيْنَ مَا نَقَلَهُ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ عَنِ الْجُمْهُورِ أَنَّهَا عِنْدَ أَفْنِيَةِ قُبُورِهَا. قَالَ: وَمَعَ ذَلِكَ فَهِيَ مَأْذُونٌ لَهَا فِي التَّصَرُّفِ، وَتَأْوِي إِلَى مَحَلِّهَا مِنْ عِلِّيِّينَ أَوْ سِجِّينٍ. قَالَ: وَإِذَا نُقِلَ الْمَيِّتُ مِنْ قَبْرٍ إِلَى قَبْرٍ فَالِاتِّصَالُ الْمَذْكُورُ مُسْتَمِرٌّ وَكَذَا لَوْ تَفَرَّقَتِ الْأَجْزَاءُاہ۔

علامہ عسقلانی نے اپنے فتاویٰ میں فرمایا: مومنین کی ارواح علیین میں ہیں اور کفار کی سجین میں ہیں، اور ہر روح کو اپنے جسم کے ساتھ معنوی اتصال (تعلق) حاصل ہے جو کہ حیاتِ دنیویہ سے مشابہ نہیں بلکہ اس کے مشابہ ترین صرف حالتِ نیند ہے۔ اگرچہ موت کے بعد روح کا اتصال بدن کے ساتھ اس حالت سے قوی ہے اور اسی قول (یعنی اثبات اتصالِ معنوی) سے ہی اس کے اختلاف کے دور کیا جاسکتا ہے جو روایات اور ابن عبد البر کے قول میں ہیں۔ روایات سے پہتہ چلتا ہے کہ ارواح کا محل علیین یا سجین ہے، اور ابن عبد البر نے جمہور سے یہ نقل کیا ہے کہ ارواح قبور کے احاطے و صحن میں ہوتی ہیں، ارواح کو علیین یا سجین میں ہونے کے باوجود کائناتِ ارضی میں تصرف حاصل ہے اور آمد و رفت کی اجازت ہے اور پھر اپنے محل و

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح ص ۸٦ ج ۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مستقر علیین و سجین میں جاگزیں ہونے کی بھی اجازت ہے جب میت کو ایک قبر سے دوسری قبر کی طرف منتقل کیا جائے تو بھی یہ اتصال (تعلق) بر قرار رہتا ہے اور اگر اجزاء کی ترکیب ختم ہو جائے تو بھی یہ تعلق و اتصال باقی رہتا ہے۔[1]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے بخوبی واضح ہو گیا کہ میت کے جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہر حال رہتا ہے۔

[1] (مرقات المفاتیح جلد ۴ صفحہ ۹۲، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۱۲) باب نمبر بارہ: امام الانبیاء ﷺ کی نماز جنازہ کے بیان میں

رسالت مآب ﷺ کی نماز جنازہ میں نہ کوئی امام تھا اور نہ ہی اس میں معروف دعا اللھم اغفر لحینا پڑھی گئی اور اس نماز سے مقصود ہرگز آپ ﷺ کو فائدہ پہنچانا نہ تھا بلکہ اس کے ذریعے اپنی غلامی کا اظہار اور برکات کا حصول تھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپ ﷺ کے وصال شریف کا وقت قریب آیا تو ہم نے عرض کیا۔

عَن ابن مَسْعُود قَالَ لما ثقل رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قُلْنَا من يغسلك يَا رَسُول الله قَالَ رجال من أهل بَيْتِي الْأَدْنَى فالأدنى مَعَ مَلَائِكَة كَثِيرَة يرونكم من حَيْثُ لَا ترونهم قُلْنَا من يُصَلِّي عَلَيْك قَالَ إِذا غسلتموني وحنطتموني وكفنتموني فضعوني على سَرِيرِي هَذَا على شَفير قَبْرِي ثمَّ اخْرُجُوا عني سَاعَة فَإِن أول من يُصَلِّي عَليّ جِبْرِيل ثمَّ مِيكَائِيل ثمَّ إِسْرَافيل ثمَّ ملك الْمَوْت مَعَ جنود من الْمَلَائِكَة ثمَّ ليصل عَليّ أهل بَيْتِي ثمَّ ادخُلُوا عَليّ أَفْوَاجًا وفرادي قُلْنَا فَمن يدخلك قبرك قَالَ أَهلِي مَعَ مَلَائِكَة كثيرين يرونكم من حَيْثُ لَا ترونهم۔

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کو غسل کون دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل بیت کے افراد جن کے ساتھ فرشتے تمہیں دیکھتے ہوں گے اور تم نہ دیکھ سکو گے ہم نے عرض کیا آپ ﷺ کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تم غسل وکفن سے فارغ ہو جاؤ تو کچھ وقت کیلئے میرے حجرہ انور سے تمام لوگ باہر چلے جائیں سب سے پہلے جبریل علیہ السلام حاضری دیں گے پھر میکائیل علیہ السلام پھر اسرافیل علیہ السلام پھر ملک الموت علیہ السلام اوران کے ساتھ فرشتوں کے لشکر ہوں گے اس کے بعد اہل بیت کے افراد آئیں اس کے بعد تمام لوگ گروہ در گروہ اور تنہا حاضری دیں ہم نے عرض کیا کہ قبر انور میں کون اتارے فرمایا میرے اہل بیت کے افراد اوران کے ساتھ بے شمار فرشتوں کی جماعت ہو گی جن کو وہ نہیں دیکھیں گے۔[1]

شمائل ترمذی میں ہے کہ جب آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تو صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا:

أيصلّي على رسول الله؟ قال: نعم، قالوا: وكيف؟ قال: يدخل قوم فيكبرون ويصلون ويدعون ثم يخرجون ثم يدخل قوم فيكبرون ويصلون ويدعون ثم يخرجون حتى يدخل الناس۔

کیا ہم آپ ﷺ کی نماز پڑھیں گے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں۔ عرض کیا گیا کہ اس کا طریقہ کیا ہو گا فرمایا گروہ در گروہ داخل ہو کر تکبیر دعا اور صلوۃ وسلام عرض کرتے جاؤ یہاں تک کہ تمام لوگ فارغ ہو جائیں۔[2]

---

[1] (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۲۷۷-۲۷۶)

[2] (الشمائل المحمدية للترمذی ص ۳۴)

آپ ﷺ کی نماز میں امام کی ضرورت نہ تھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے:

لا یؤم احد کم علیہ لانہ امامکم حال حیاتہ و حال مماتہ۔

یعنی آپ ﷺ کی نماز کی امامت کوئی نہیں کر سکتا کیوں کہ قبل اور بعد از وصال امام آپ ﷺ ہی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اور قول ان الفاظ سے بھی منقول ہے:

لایقوم علیہ احدھو امامکم حیاو میتا۔

یعنی کوئی امام نہ ہو کیونکہ حیات ظاہری اور بعد از وصال امام آپ ﷺ ہی ہیں۔ [1]

نماز میں معروف دعا نہیں پڑھی گئی جو الفاظ پڑھے گئے وہ یہ ہیں:

لبیک اللھم ربنا و سعدیک، صلوات اللہ البر الرحیم، و الملائکۃ المقربین، و النبیین و الصدیقین و الشھداء و الصالحین، وما سبح لک من شئ یا رب العالمین، علی محمد بن عبد اللہ خاتم النبیین، و سید المرسلین، وإمام المتقین و رسول رب العالمین، الشاھد البشیر الداعی إلیک بإذنک السراج المنیر، و علیہ السلام۔

اے اللہ جل جلالہ ہم حاضر ہیں اللہ جو نہایت ہی رحیم و کریم ہے ملائکہ مقربین، انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین اور ہر وہ شئے جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے ان سب کی طرف سے اس ذات گرامی پر سلام ہو جن کا اسم گرامی محمد ﷺ بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ خاتم الانبیاء سید المرسلین اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول شاہد بشیر اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا چمکتا ہوا چراغ ہیں۔ [2]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ خصوصی کلمات بھی منقول ہیں:

السَّلَامُ عَلَیْکَ أَیُّھَا النَّبِیُ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتہ اللّٰھُمَّ إِنَّا نشھد أَن قد بلغ مَا أنزل إِلَیْہِ و نصح لأمتہ و جاھد فِي سَبِیل اللہ حَتَّی أعز اللہ دینہ و نصح لأمتہ و جاھد فِي سَبِیل اللہ و تمت کَلمتہ اللّٰھُمَّ فاجعلنا مِمَّن یتبع مَا أنزل إِلَیْہِ و ثبتنا بعدہ و اجمع بَیْننَا وَبَینہ۔

اے نبی محترم آپ ﷺ پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکات کا نزول ہو اے اللہ ہم گواہ ہیں اس تیرے برگزیدہ رسول ﷺ نے تیرے احکام لوگوں تک پہنچا دیئے اور امت کو نصیحت فرمائی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مشن کو غالب فرما دیا اور اللہ تعالیٰ کا نام اور کلمہ اس کائنات میں بلند ہو گیا۔ اے اللہ ہمیں ہمیشہ ان کی تعلیمات پر چلنے کی توفیق دے ان کے بعد ثابت قدم رکھ اور قیامت کے روز ہمیں ان کی رفاقت عطا فرما۔ [3]

---

[1] (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۲۷۷-۲۷۶)

[2] (المواھب اللدنیۃ بالمنح المحمدیۃ مع الزرقانی ج ۸ ص ۲۹۱)

[3] (الخصائص الکبری ج ۲ ص ۴۸۴)

حضرت شیخین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ زائد الفاظ بھی منقول ہیں:

واجمع بيننا وبينه حتى تعرفه بنا وتعرفنا به فإنه كان بالمؤمنين رؤوفا رحيما، لا نبتغي بالإيمان به بدلا ولا نشتري به ثمنا أبدا، فيقول الناس آمين آمين۔

اے اللہ جل جلالہ ہمیں وہاں آپ ﷺ کی اس طرح رفاقت عطا فرما کہ ہماری پہچان ان کے حوالے سے ہو یہ مومنوں پر نہایت ہی رحیم و کریم تھے۔ ہم ان پر ایمان لانے کا کوئی عوض نہیں چاہتے ہیں۔ اس پر لوگ آمین آمین کہتے جاتے تھے۔[1]

امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ الخصائص نبویۃ میں لکھتے ہیں:

وصلى عليه الناس افواجا بغير امام وقال على هو امامكم حيا وميتا وبغير دعاء الجنازة المعروف۔

آپ ﷺ کی نماز گروہ در گروہ بغیر امام کے ادا کی گئی اور اس میں معروف دعائے مغفرت نہ پڑھی گئی۔[2]

اور فتاویٰ حقانیہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نماز جنازہ میں باقاعدہ امامت کا ثبوت نہیں اور نہ کسی کو امام بننے کی جرأت ہوئی بلکہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جماعت در جماعت حجرۂ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں داخل ہو کر آپ ﷺ کا جنازہ پڑھتے رہے یوں متعدد بار آپ ﷺ کا جنازہ ادا کیا گیا اور عام دعا کی بجائے مندرجہ ذیل کلمات پڑھے گئے:

قال العلامة السيد زرقاني ومنها أنه صلى عليه الناس أفواجًا أفواجًا "أي: فوجًا بعد فوج، روى الترمذي أن الناس قالوا لأبي بكر، أنصلي على رسول الله؟ قال: نعم، قالوا: وكيف نصلي؟ قال: يدخل قوم يصلون ويدعون، ثم يدخل قوم فيصلون، فيكبرون ويدعون، فرادى۔[3]

وفيه ايضاً وبغير دعاء الجنازة المعروف عن علي أنهم كانوا يكبرون، ويقولون السلام عليك أيها النبي ورحمة الله، اللهم إنا نشهد أن محمدًا قد بلغ ما أنزل عليه، ونصح لأمته، وجاهد في سبيلك حتى أعز الله كلمته۔[4]

---

[1] (السيرة الحلبية = إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون ص ۵۰۳ ج ۳)

[2] (الخصائص النبوية ص ۲۵)

[3] (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج ۵ ص ۳۷۹)

[4] (شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية ج ۵ ص ۳۷۹)

(۱۳) باب نمبر تیرہ: جنازہ کی نماز کے بعد دعا کے بیان میں

بعض علماء جنازہ کی نماز کے بعد دعا کو بدعت کہتے ہیں حالانکہ جنازہ کے بعد دعا کرنا قرآن، احادیث اور مذہب کی کتب سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (مؤمن ۶۰)

ترجمہ: ''اور تمہارے رب نے فرمایا تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا کو قبول فرماؤں گا، بے شک جو لوگ میری عبادت (دعا) سے تکبر کرتے ہیں، وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔''

دعا عبادت ہے

حدیث شریف میں ہے: **الدعاء هو العبادة** (یعنی دعاء عبادت ہے)۔[1]

دوسری جگہ ہے: **الدعاء مخ العبادة** (دعاء عبادت کا مغز ہے)۔[2]

آیت اور حدیث کو ملایا جائے نتیجہ نکلتا ہے ''جو لوگ عبادت سے روکتے ہیں وہ دوزخی ہیں''۔ **(العیاذ باللہ)**

اس کا صغریٰ اور کبریٰ اس طرح بنے گا:

صغریٰ: مانع الدعاء بعد صلوة الجنازة مستكبر	صغریٰ: نماز جنازہ کے بعد دعا سے روکنے والا متکبر ہے۔
کبریٰ: و كل مستكبر سيدخل جهنم داخرين	کبریٰ: ہر متکبر دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہو گا۔
نتيجة: مانع الدعاء بعد الصلوة الجنازة سيدخل جهنم داخرين۔	نتیجہ: نماز جنازہ کے بعد دعا سے روکنے والا عنقریب دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہو گا۔

لہٰذا منکرین دعا بعد جنازہ کو ان آیات کی روشنی میں غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے۔ دعا ہے کہ اللہ منکرین دعا بعد جنازہ کو ہدایت عطا فرمائے۔ وہی ہدایت دینے والا ہے۔

---

[1] (أخرجه الترمذى فى جامعه، كتاب التفسير عن رسول الله ﷺ، باب: ومن سورة البقرة، ۲۱۱/۵، الرقم: ۲۹۶۹، وفى كتاب: الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب: ماجاء فى فضل الدعاء، ۴۵۶/۵، الرقم: ۳۳۷۲، وأبو داؤد فى السنن، كتاب الصلاة، باب الدعاء، ۷۶/۲، الرقم: ۱۴۷۹، وابن ماجة فى السنن، كتاب: الدعاء باب فضل الدعاء، ۱۲۵۸/۲، الرقم: ۳۸۲۸، والنسائى فى السنن الكبرى، سورة المؤمن ۶۰، ۴۵۰/۶، الرقم: ۱۱۴۶۴، وابن حبان فى الصحيح، ۱۷۲/۳، الرقم: ۸۹۰، والحاكم فى المستدرك، ۶۶۷/۱، الرقم: ۱۸۰۲، وأحمد بن حنبل فى المسند، ۲۶۷/۴، ۲۷۱، ۲۷۶، ومسند أبو يعلى، ۲۶۲/۱، الرقم: ۳۲۷، و المسند الطيالسى، ۱۰۸/۱، الرقم: ۸۰۱)

[2] (أخرجه الترمذى فى السنن، كتاب: الدعاء عن رسول الله ﷺ، باب: ماجاء فى فضل الدعاء، ۴۵۶/۵، الرقم: ۳۳۷۱، والديلمى فى الفردوس بماثور الخطاب، ۲۲۴/۲، الرقم: ۳۰۸۷، والحكيم الترمذى فى نوادر الأصول، ۱۱۳/۲، وابن رجب فى جامع العلوم والحاكم، ۱۹۱/۱، والمنذرى فى الترغيب والترهيب، ۳۱۷/۲، الرقم: ۲۵۳۴)

فتح الباری شرح صحیح بخاری میں ہے:

فالوعید انما ھو فی حق من ترک الدعاء استکبارا و من فعل ذلک کفر۔

ترجمہ: تو وعید ان لوگوں کے حق میں ہے جس نے تکبر کی وجہ سے دعا چھوڑ دی اور جس نے یہ کام کیا تو وہ کافر ہوا۔[1]

جب دوزخی کو دوزخ میں ڈالا جائے تو وہ یہ دعاء کریں گے:

رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ (۱۰۷) قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ (۱۰۸) إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ (۱۰۹) فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّى أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ (۱۱۰) إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ (المومنون ۱۱۱)

ترجمہ: "اے رب ہمارے ہم کو دوزخ سے نکال دے پھر اگر ہم ویسے ہی کریں تو ہم ظالم ہیں۔ رب فرمائے گا دھتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو۔ بے شک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب ہم ایمان لائے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے۔ تو تم نے انہیں ٹھٹھا بنالیا، یہاں تک کہ انہیں بنانے کے شغل میں میری یاد بھول گئے اور تم ان سے ہنسا کرتے، بے شک آج میں نے ان کے صبر کا انہیں یہ بدلا دیا کہ وہی کامیاب ہیں۔"

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر کبیر میں دعاء کی وضاحت پر قرآنی آیات اور احادیث نبوی ﷺ بیان کی ہیں۔ تو آخر میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ وَالْآيَاتُ كَثِيرَةٌ فِي هَذَا الْبَابِ فَمَنْ أَبْطَلَ الدُّعَاءَ فَقَدْ أَنْكَرَ الْقُرْآنَ اه۔

ترجمہ: تم فرماؤ تمہاری کچھ قدر نہیں میرے رب کے یہاں اگر تم اسے نہ پوجو۔ اس بارے میں بہت سی آیات ہیں تو جس نے دعا باطل کی تو یقیناً اس نے قرآن پاک سے انکار کیا۔[2]

مندرجہ بالا دلائل سے ثابت ہوا کہ دعا سے استکبار (تکبر) کرنے والا کافر ہے۔

استکبار کا معنی ہے "خود را بزرگ مرتبہ پنداشتن و گردن کشے کردن (غیاث اللغات بحوالہ موید ومنتخب) یعنی اپنے آپ کو بزرگ سمجھنا اور بڑا سمجھ کر کسی کام سے پہلو تہی کرنا۔ اور دعا کرنے والوں کو برا بھلا کہنے والا خود دوزخی ہے۔

ہر نیک عمل کے بعد اس کے قبول ہونے کے لئے دعاء بھی قرآن کریم سے ثابت ہے۔

---

[1] (فتح الباری شرح صحیح البخاری جلد ۱۱، صفحہ ۱۱۴)

[2] (تفسیر کبیر، ج ۴، ص ۱۰۹)

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے دونوں یہ دعا کرتے:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔

ترجمہ: ”اے ہمارے رب، ہم سے قبول فرما، بے شک تو ہی بہت سننے خوب جاننے والا۔“

اس آیت کے ذیل میں صاحب تفسیر روح البیان اور شیخ زادہ البیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ تحریر فرماتے ہیں کہ ہر مامور بالعبادت والقربت جب اس کو امر ہی کے موافق ادا کریں تو اللہ تعالیٰ سے اس کی قبول ہونے کے لئے لازمی طور پر دعا کریں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔[1]

خاتمۃ الفقہاء والمحدثین، الشیخ احمد شہاب الدین بن حجر الہیتمی المکی رحمہ اللہ فتاوی حدیثیہ میں لکھتے ہیں:

لا ینکر الدعاء الا کافر مکذب بالقرآن۔[2]

اس طرح دعاء بالجمع کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جابجا ترغیبات دی ہیں اس کے لئے ملاحظہ ہو۔ سورۃ فاتحہ آیت ۴، ۵ کی تفسیر کے لئے تفسیر بیضاوی اور اس کی شروح اور سورہ بقرہ کی آیت ۲۸۶. اور اس کی تفسیر کے لئے تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۶۰، السوال الثالث وجوابہ ملاحظہ فرمائیں اور حسیب بن سلمہ کی حدیث مرویہ میں ہے کہ **لا یجتمع ملأ فیدعو بعضهم، ویؤمن بعضهم، إلا أجابهم الله"**۔[3]

وھو دلیل للدعاء بھیئۃ اجتماعیۃ و مظنۃ قبولہ أکثر من دعاء الوحدان۔

ترجمہ: جب ایک جماعت مل کر بعض دعا کرتے ہیں اور بعض اس پر آمین کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کو قبول فرماتا ہے۔[4]

شیخ سید محمد یوسف بنوری معارف السنن میں تحریر فرماتے ہیں: یہ بہیئۃ اجتماعی دعا کرنے کے لئے دلیل ہے، اور اکیلے دعا کی نسبت اور قبولیت بہت زیادہ ہے۔ اور اس طرح صاحب ھدایہ نے مبسوط امام محمد رحمہ اللہ کے حوالے سے ہدایہ ج ا کتاب الحج ص ۲۴۴ پر ذکر کی ہیں اور نفائس مطلوبہ ص ۳۹ پر بھی اس طرح مذکور ہیں اور تفسیر کبیر میں ہے کہ اجتماعی دعا بہت کامل ہے، ص ۳۵ ثم نفائس مطلوبہ ص ۳۹ پر ہے۔

---

[1] (شیخ زادہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۹ دار الکتب علمیہ بیروت، روح البیان ج ا، تفسیر منار ج ا ص ۴۶۶، اور تفسیر کبیر ج ۴ ص ۶۴۔ (المسئلۃ الثانیہ)

[2] (الفتاویٰ الحدیثیۃ، ص ۱۲۶)

[3] (کنز العمال ج ا ص ۱۷۷)

[4] (معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۲)(ایچ ایم سعید، کراچی)

امام حافظ ابی نعیم اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ نے حلیۃ الاولیاء میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے "وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب چالیس آدمی جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھا کر سوال کرتے ہیں، ظلم کا سوال اور صلہ رحمی ختم ہونے کا سوال نہیں کرتے، تو جو وہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو عطا فرما دیتا ہے۔ [1]

مندرجہ بالا عبارات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا اور ہر ذی شعور آدمی جان گیا ہوگا کہ سنتوں اور نمازِ جنازہ کے بعد اجتماعی دعاء ممنوع یا غیر مشروع نہیں ہے۔ جو لوگ اس کو بدعت اور نامشروع کہتے ہیں وہ قرآن و حدیث کے رموز کو نہیں جانتے۔

آمدم بر سرِ مطلب

نماز جنازہ فرضِ کفایہ ہے۔ [2]

فرض نماز کے بعد دعائیں مقبول ہوتی ہیں

جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

"عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ قِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ الدُّعَاءِ أَسْمَعُ؟ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الآخِرِ، وَدُبُرَ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ"۔

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، فرمایا، عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ کون سی دعاء زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا آخری رات کے بیچ میں اور فرض کے بعد۔" [3]

جبکہ نماز جنازہ فرض نماز ہی ہے اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا: فرض نماز کے بعد دعا سنی جاتی ہے، تو جس دعا کو حضور ﷺ دعائے مقبول فرماتے ہیں اور بعض متعصب علماء اس کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں تو آپ ان کا حکم خود سوچیں۔

علمائے دیوبند کے علامہ رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی اور مولانا محمد زکریا نے الکوکب الدری علی جامع الترمذی ج ۲ ص ۲۹۱ میں ہے (ترجمہ: نماز میں ضمنی دعاؤں پر ہمیں اکتفا نہیں کرنا چاہیئے بلکہ مستقل دعا نمازوں کے بعد ضروری ہے۔ تو دعا نہ کرنے والوں کو تعزیر دیا جائے گا اور معذور تصور نہ کیا جائے گا۔)

---

[1] (حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۴۱۴، رقم الحدیث ۷۸۶۱)

[2] (فتح القدیر ج ۲ ص ۸۰، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ) اور عنایہ بر فتح القدیر ص ۸۰، و کفایہ نیچے فتح القدیر کے، اور بدائع الصنائع لکاسانی الحنفی ج ۱ ص ۳۱۱، ۳۱۰ (مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)، شرح الوقایہ و حاشہ عمدۃ الرعایہ ص ۲۵۲، ہدایہ ص ۱۸۰، فتاوی تاتار خانیہ (ادارۃ القرآن کراچی) ج ۲ ص ۱۵۳، بنایہ شرح ہدایہ (دار الفکر بیروت) ص ۲۵۶، در مختار علی الشامی نماز جنازہ فرض کفایہ ھے بالاجماع اور اس کا منکر کافر ھے۔ ج ۳ ص ۱۲۱، ۱۲۰ (رشیدیہ کوئٹہ) ایضاً شامی۔ اور الموسوعۃ الفقھیہ المقارنۃ التجرید و الاحلام (دار اسلام بیروت) لصاحب القدوری، ج ۲ ص ۱۱۰۳ وغیرہ۔

[3] (رواہ الترمذی ثم مشکوۃ ص ۸۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ملا علی قاری صاحب کا یہ فرمانا:

"وَلَا يَدْعُو لِلْمَيِّتِ بَعْدَ صَلَاةِ الْجَنَازَةِ لِأَنَّهُ يُشْبِهُ الزِّيَادَةَ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ۔

یعنی: کہ مردے کے جنازہ کے بعد (سلام سے پہلے) دعا نہ کریں اس لئے کہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنے سے مشابہ ہو جاتی ہے۔[1]

اس کو فقہاء نے اس طرح ذکر فرمایا ہے:

"لا یقوم بالدعاء فی قراءۃ القرآن لاجل المیت بعد صلاۃ الجنازۃ"۔

لمبی چوڑی دعا نہ کریں، قرآن پاک پڑھنے میں مردے کے لئے۔[2]

اس سے بعض کم علم لوگ نماز جنازہ کے سلام پھیرنے کے بعد دعا کو ممنوع قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ لوگ تو نماز جنازہ کی تعریف سے ناواقف ہیں۔ نماز جنازہ کی تعریف تمام فقہاء کرام یہ کرتے ہیں:

تعریف نماز جنازہ:

"ھی أربع تکبیرات" کنز و بحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۳، اور النہر الفائق شرح کنز ج ۱ ص ۳۹۳ و رد المحتار مع الدر مختار ج ۱ ص ۵۸۵ میں اس طرح ہے۔ اور ایک محاورہ ہے کہ "کلام الملوک ملوک الکلام" یعنی بادشاہوں کی باتیں، باتوں کی بادشاہ ہوتی ہیں۔ جس کی وجہ سے کم علم علماء ان کی باتوں کی تہہ کو نہیں پہنچ سکتے۔

اس لئے فقہاء کرام کا مطلب یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے لمبی چوڑی دعا نہ مانگے۔

فتح الباری میں ہے:

من قام علی الشیء اذا داوم علیه۔

اس طرح قرآن کریم کی سورہ توبہ آیت ۲۱ میں ہے: نعیم مقیم اور آیت ۲۶ میں ہے ذلک دین القیم اور آیت ۶۸ میں ہے ولھم عذاب مقیم اور سورہ روم آیت ۳۰ میں ہے الدین القیم اور سورہ شوریٰ آیت ۴۵ میں ہے فی عذاب مقیم اور سورہ زمر آیت ۴۰ میں ہے عذاب مقیم۔

جیسا کہ یہاں مذکورہ آیتوں میں دائمی ثواب اور دائمی عذاب کا ذکر ہے۔

---

1 (مرقاۃ ج ۴ ص ۶۴)

2 (خلاصۃ الفتاویٰ ص ۲۲۵)

مذکورہ دلائل کی بناء پر فقہاء کرام اور ملا علی قاری کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد لمبی چوڑی دعائیں نہ مانگیں تاکہ پانچویں تکبیر کے ساتھ مشابہت نہ ہو جائے۔

اس لئے کہ ملا علی قاری حصین بن وحوح کی روایت پر طلحہ بن البراء کی تشریح میں فرماتے ہیں، مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

هو الانصار الذی قال النبی ﷺ لما مات و صلی علیه اللهم الق طلحة و أنت تضحك اليه ويضحك اليك۔

ترجمہ: ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں یہ وہ انصاری صحابی ہیں کہ جب وہ فوت ہوئے اور آپ پر نماز جنازہ پڑھی گئی تو ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا مانگی کہ "(اے اللہ) تو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ اس طرح ملاقات فرما کہ وہ تجھ سے راضی ہو اور تو اس سے راضی ہو۔"[1]

فتح الباری شرح صحیح البخاری میں ہے:

ثم رفع يديه فقال: اللهم الق۔۔الخ۔[2]

اور "الاصابة" میں ہے:

"أورده أبو داؤد مختصراً كعادته في الاقتصار على ما يحتاج اليه في بابه أورده ابن الأثير من طريقه وأخرجه الطبراني في الأوسط وابن السكن وعلى بن عبد العزيز في مسنده وأبو نعيم۔"[3]

اس کے باوجود ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نمازِ جنازہ کے سلام کے بعد دعا کو نماز میں زیادتی کیسے قرار دے سکتے ہیں؟

نیز نماز سے سلام پھیرنے پر مکمل فصل ہوتا ہے۔ سلام کے بعد کسی بھی نماز کے بعد اوراد پڑھنے سے نماز میں زیادتی کا شبہ نہیں ہو سکتا تو نماز جنازہ میں کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ مسکینان علم نہیں جانتے کہ سلام پھیرنے پر مکمل فصل اور جدائی آتی ہے، دوسرا ایسا کوئی عمل فصل کیلئے نہیں۔ خواہ صفیں منتشر کرنا ہو یا بیٹھنا ہو۔

۱۔ موطا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہے:

أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، أَخْبَرَنَا نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ: أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا رَكَعَ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ، ثُمَّ اضْطَجَعَ فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: مَا شَأْنُهُ؟ فَقَالَ نَافِعٌ: فَقُلْتُ: يَفْصِلُ بَيْنَ صلاته، قال ابن عمر وَأَيُّ فَصْلٍ أَفْضَلُ مِنَ السَّلَامِ. قَالَ مُحَمَّدٌ: وبقولِ ابنِ عمرَ نَأْخُذُ، وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حنيفة رحمه الله۔

ہمیں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خبر دی وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نافع نے خبر دی اور وہ عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ صبح کی سنتیں پڑھ کر لیٹ گیا تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پوچھا

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح ج۴ ص۱۷)

[2] (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج۳ صفحہ ۱۹۲)

[3] (الاصابۃ، ج۳ ص۴۲۷، ۴۲۶، دار الکتب العلمیہ بیروت)

کہ اس شخص نے یہ کام کیوں کیا؟ تو نافع نے فرمایا کہ میں نے جواباً کہا کہ یہ اپنے نمازوں میں فصل (جدائی) کرتے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ سلام سے زیادہ بہتر فصل اور کیا ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول پر ہم عمل کرتے ہیں اور وہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے۔[1]

۲۔ اس طرح کتاب الآثار میں امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن ابراهيم قال السلام يقطع ما بين الصلاتين قال محمد رحمة الله تعالىٰ عليه: وبه نأخذ، وهو قول أبى حنيفة رحمه الله۔

ترجمہ: ہمیں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے خبر دی وہ حضرت حماد رحمہ اللہ سے اور وہ حضرت ابراہیم رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا دو نمازوں کے درمیان فصل (جدائی) سلام ہے۔[2]

لہٰذا نماز جنازہ سے سلام پھیر کر نہ صفوں کی انتشار کی ضرورت ہے اور نہ بیٹھنے کی۔ بلکہ اسی حالت میں کھڑے ہو کر دعا مانگنے سے نماز جنازہ میں زیادتی کا شبہ نہیں ہوتا۔ بلکہ دعا کھڑے ہو کر بیٹھنے اور لیٹنے کی تینوں حالتوں میں جائز ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹۱، اور سورہ نساء کی آیت ۱۰۳، اور سورہ یونس آیت ۱۲۔

ملاحظہ ہو صاحبِ در مختار کا قول:

ویسلم بلا دعاء بعد الرابعة تسلمتين: در مختار علی بیاض۔[3]

عالمگیری میں بحوالہ شرح جامع الصغیر لقاضی خان نقل ہے:

وَلَيْسَ بَعْدَ التَّكْبِيرَةِ الرَّابِعَةِ قَبْلَ السَّلَامِ دُعَاءٌ هَكَذَا فِي شَرْحِ الْجَامِعِ الصَّغِيرِ لِقَاضِي خَانْ .اھ۔

یعنی چہارم تکبیر کے بعد اور سلام سے پہلے (ظاہر مذہب کی بنا پر) دعاء نہیں۔[4]

بلکہ چہارم تکبیر کے بعد دونوں طرف سلام پھیر دیں۔

صاحبِ بحر العلوم، علامہ سید علی ملیح آبادی رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر، مواہب الرحمان میں رقمطراز ہیں: شیخ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ حضرت انس بن مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ جب نجاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے

---

[1] (مؤطا امام محمد، ص ۱۴۵، ۱۴۶)

[2] (کتاب الآثار، ص ۷۲-۷۳)

[3](شامی ج ۱ ص ۵۸۵: الجوھرة النیرة شرح قدوری ج ۱ ص ۱۲۹، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

[4] (فتاوی عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۴)

وفات پائی تو حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اپنے بھائی کے واسطے استغفار پڑھو یعنی اس کے لئے مغفرت مانگو (یعنی بعد نماز پڑھنے کے جیسا کہ مذکور ہوا)۔[1]

مفتی عبد الرحیم عفی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

من صلی صلوۃ الجنازۃ ولم یقرء الدعاء لا یجوز جنازتہ لان الدعاء شرط بعد الصلوۃ وقال المعتزلۃ لا یفید الدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ لان الصلوۃ دعاء من وجہ قلت امر رسول اللہ ﷺ بدعاء بمکۃ حین سئل عمر رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ ای فائدۃ بدعاء بعد صلوۃ الجنازۃ فقال رسول اللہ ﷺ ھذا امر منھی فی حق الکافرین کذا فی الدرر۔

ترجمہ: جس نے نماز جنازہ ادا کی اور اس کے بعد دعا نہ کی تو اس کا نماز جنازہ درست نہیں اس لئے کہ دعا بعد نماز جنازہ شرط ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کوئی فائدہ نہیں دیتی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ نماز جنازہ بھی ایک وجہ سے دعاء ہے۔ اور ہم یہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے امر فرمایا مکہ مکرمہ میں دعاء کے ساتھ جب آپ ﷺ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ نماز جنازہ کے بعد دعاء کوئی فائدہ دیتی ہے کہ نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ امر ممنوع ہے کفار کے حق میں (یعنی کافروں کے لئے دعا کرنا منع ہے، نہ کہ مسلمانوں کے لئے)۔[2]

اور حاشیہ شرح الوقایہ لمفتی محمد داؤد پشاوری ج ا ص ۲۲۴ پر بھی اس طرح ہے۔

مذکورہ بالا عبارت میں منھیّ فی حقّ الکافرین پر اگر غور کیا جائے تو اس سے پوری وضاحت سامنے آجائے گی۔ ترکیبِ نحوی کے اعتبار سے لفظِ حقّ مصدر مضاف ہے اور الکافرین مضاف الیہ ہے۔ اب اگر یہ حقّ مصدر بمعنی فاعل کے ہو تو معنیٰ یہ بنے گا کہ نماز جنازہ کے بعد کی دعا کو کافر ممنوع قرار دیتے ہیں اور اگر حقّ مصدر بمعنی مفعول کے ہو تو معنیٰ یہ بنے گا کہ نماز کے بعد کی دعا کافروں کے لئے ممنوع ہے۔ تو بنا بر تقدیرِ اوّل مانعین کافر ہو جاتے ہیں اور بنا بر تقدیرِ ثانی مردے کافر ہو جاتے ہیں۔ تو مانعینِ دعا یا تو خود کافر ہیں اور یا مردوں کو کافر سمجھتے ہیں اس لئے دعا نہیں کرتے۔

ضروری وضاحت:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ إِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (التوبۃ ۱۱۵)

---

[1] (مواھب الرحمان ج ۲ پارہ ۴ ص ۱۴۴)

[2] (شرح وقایہ ج ا ص ۲۲۹ علی ھامش شرح الوقایہ)

ترجمہ: ”اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کرکے گمراہ فرمائے جب تک انہیں صاف نہ بتادے کہ کس چیز سے انہیں بچنا چاہئے بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔“

اس کی تفسیر میں علامہ آلوسی بغدادی فرماتے ہیں:

وَ ما كانَ اللهُ لِيُضِلَّ قَوْماً أي ما يستقيم من لطف الله تعالى و أفضاله أن يصف قوما بالضلال عن طريق الحق ويذمهم ويجري عليهم أحكامه بَعْدَ إِذْ هَداهُمْ للإسلام حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ بالوحي صريحا أو دلالة ما يَتَّقُونَ أي ما يجب اتقاؤه من محذورات الدين فلاينزجروا عما نهوا عنه، اه۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں ہے کہ کسی قوم کو گمراہ کرے، اللہ تعالیٰ کے فضل و مہربانی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک قوم کو حق کے راستے سے گمراہی پر موصوف کرے اور ان کی مذمت کرے اور ان پر گمراہی کے احکام جاری کرے (ان کو ہدایت دینے کے بعد) اسلام کو (حتیٰ کہ ان کیلئے یہ بیان کردے) صریحی یا دلالتی وحی کے ذریعے (کہ انہیں کس چیز سے بچنا چاہیئے) دین کے وہ ممنوعات جن سے بچنا واجب ہو تو جس چیز سے وہ منع کئے گئے ہوں، منع نہ ہوں (یعنی ممنوعاتِ شرعیہ پر عمل کریں)۔[1]

اور علامہ ابن کثیر دمشقی اپنے شہرۂ آفاق تفسیر میں رقمطراز ہیں:

فَأَمَّا قبل أن يبين لكم كراهة ذلك بالنهي عنه فلم تضيعوا نهيه إلى ما نهاكم منه فإنه لا يحكم عليه بِالضَّلَالِ، فَإِنَّ الطَّاعَةَ وَالْمَعْصِيَةَ إِنَّمَا يَكُونَانِ مِنَ الْمَأْمُورِ وَالْمَنْهِيِّ، وَأَمَّا مَنْ لَمْ يُؤْمَرْ وَلَمْ يُنْهَ فَغَيْرُ كَائِنٍ مُطِيعًا أَوْ عَاصِيًا فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ بِهِ وَلَمْ يُنْهَ عَنْهُ. اه۔

ترجمہ: تو اس سے پہلے کہ منع کرنے سے ان کو کراہیت بیان نہ کریں تو انہوں نے منع کی ہوئی چیز کو ضائع نہیں کیا۔ اس لئے ان پر گمراہی کا حکم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ عبادت اور معصیت دونوں صرف امر اور نہی سے ہوتے ہیں اور جس کو امر و نہی نہیں کی گئی تو وہ مامور بہ اور منہی عنہ میں اطاعت کرنے والا اور گنہگار نہیں ہوتا۔[2]

اور عصام علی البیضاوی پھر نفائس مطلوبہ میں ہے:

استقباح المستحب کفر یعنی مستحب کا استقباح (قبیح جاننا یا کہنا) کفر ہے۔[3]

---

[1] (تفسیر روح المعانی ج ٦ ص ٤٩ مکتبہ حقانیہ ملتان)

[2] (ابن کثیر، ج ٢، ص ٣٩٦)

[3] (عصام علی البیضاوی، نفائس مطلوبہ ص ٢٢)

حق کسی کی خواہش کا تابع نہیں

ارشادباری تعالیٰ ہے:

”وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَاهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ (المؤمنون ۷۱)

خلاصہ تفسیر: اور (بفرض محال) اگر ایسا امر واقع ہو جاتا اور دین حق ان کے خیالات کے تابع ہو جاتا تو (تمام عالم میں کفر و شرک پھیل جاتا اور اس کا اثر یہ ہوتا کہ حق تعالیٰ کا غضب تمام عالم پر متوجہ ہو جاتا اور اس کا مقتضایہ تھا کہ تمام آسمان اور زمین اور جو اُن میں (آباد) ہیں سب تباہ ہو جاتے۔ بلکہ (اس سے بڑھ کر دوسرے عباد بھی ہیں کہ حق کا اتباع جو انہی کے نفع کا سامان ہے اس سے دور بھاگتے ہیں الخ۔[1]

ثابت ہوا کہ نماز جنازہ سے سلام پھیرنے کے بعد انفرادی یا اجتماعی دعا کرنے والوں کو اور دعا کو برا بھلا کہنے والا گمراہ ہے اور جو بھی ان لوگوں (یعنی دعا سے منع کرنے والوں) کی بات مانیں تو وہ بھی گمراہ ہیں۔

سوال:

دعا کرنے والوں کو جو بعد از سلام نماز جنازہ دعا کرتے ہیں خواہ اجتماعی ہو یا انفرادی ان کو بُرا بھلا کہنے والے کیوں کر گمراہ ہوتے ہیں؟

اور دعا کرنے کو بدعت کہنے کا بیان

جواب:

ایک تو یہ لوگ نصوص مطلقہ کو اپنی ہی رائے سے مقید کرتے ہیں جو کہ نسخ کے مترادف ہے۔

دوسرا یہ کہ نصوص کو اپنے ہوا پرستی سے منسوخ کرتے ہیں۔

تیسرا یہ کہ اپنی عقل کی تابعداری کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے اپنے آپ کو (العیاذ باللہ) زیادہ راست باز اور ہوشیار سمجھتے ہیں۔

ارشادباری تعالیٰ ہے:

اَفَرَئَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ط فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْ م بَعْدِ اللّٰهِ ط اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ (الجاثیہ ۲۳)

[1] (معارف القرآن ج ٦ ص ٣٢١، ٣٢٠)

ترجمہ: سو کیا (توحید و آخرت کے ان واضح بیانات کے بعد) آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے؟ (کہ جو دل میں آتا ہے اسی کے پیچھے چلتا رہتا ہے)۔ اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود (اس شخص کی) سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا ہے (کہ حق کو سُنا اور سمجھا بھی مگر نفسانی خواہش کی پیروی سے گمراہ ہو گیا) اور (خدا تعالیٰ نے) اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے (یعنی نفس پرستی کی بدولت قبولِ حق کی صلاحیت نہایت کمزور ہو گئی) سو ایسے شخص کو بعد خدا کے (اسے گمراہ کر دینے کے) کون ہدایت کرے (اس میں تسلی بھی ہے، آگے ان منکرین کو زجر کے طور پر خطاب ہے کہ) کیا تم (ان بیانات کو سن کر) پھر بھی نہیں سمجھتے (یعنی ایسا سمجھنا جو نافع ہو) اگرچہ عام معانی کے اعتبار سے سمجھتے تھے انتہی۔[1]

(۲) قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ (آل عمران ۳۲)

ترجمہ: آپ یہ فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ کی اور رسول (ﷺ) کی پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں سو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا۔[2]

سوال: ان کی تابعداری کرنے والے اور ان کی بات ماننے والے کیوں مشرک بنتے ہیں؟

الجواب: وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيٰئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ج وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ (الأنعام ۱۲۱)

ترجمہ: اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے تاکہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہوئے۔[3]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (الأنعام ۵۶)

خلاصہ تفسیر: آپ ﷺ فرما دیجئے کہ میں تمہارے (باطل) خیالات کی اتباع نہیں کروں گا۔ کیونکہ (اگر نعوذ باللہ) اس حالت میں میں بے راہ ہو جاؤں گا اور راہ (راست) پر چلنے والوں میں سے نہ رہوں گا۔[4]

اللہ تعالیٰ جل جلالہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (التوبۃ ۳۱)

---
[1] (خلاصہ تفسیر معارف القرآن، جلد ۷، ص ۷۸۶)
[2] (بیان القرآن ص ۱۰۹)
[3] (معارف القرآن ج ۳ ص ۴۳۲)
[4] (معارف القرآن ج ۳ ص ۳۴۱)

ترجمہ: انہوں نے (یعنی یہود و نصاریٰ نے) خدا (کی توحید فی الطاعۃ) کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو (باعتبار طاعت) رب بنا رکھا ہے (کہ ان کی اطاعت تحلیل اور تحریم میں مثل اطاعتِ خدا کے کرتے ہیں کہ نص کے قول کو ترجیح دیتے ہیں اور ایسی اطاعت بالکل عبادت ہے پس اس حساب سے وہ ان کی عبادت کرتے ہیں)۔ [1]

حضرت علامہ بغوی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

رُوِيَ عَنْ عُدَيِّ بْنِ حَاتِمٍ رَضِيَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ وَفِي عُنُقِي صليب من ذَهَبٍ فَقَالَ لِي: يَا عُدَيُّ اطْرَحْ هَذَا الْوَثَنَ مِنْ عُنُقِکَ، فطَرَحْتُہُ ثُمَّ انْتَهَيْتُ إِلَيْہِ وَهُوَ يَقْرَأُ, اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَاباً مِنْ دُونِ اللہِ، حَتَّى فَرَغَ منها، قلت إِنَّا لَسْنَا نَعْبُدُهُمْ، فَقَالَ أَلَيْسَ يُحَرِّمُونَ مَا أَحَلَّ اللہُ فَتُحَرِّمُونَہُ، وَيَحِلُّونَ مَا حَرَّمَ اللہُ فَتَسْتَحِلُّونَہُ؟ قال: فقلت: بَلَى، قَالَ: فَتِلْکَ عِبَادَتُهُمْ۔ اھ۔

ترجمہ: امام بغوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حضرت عدی بن حاتم سے روایت ہے جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں اس کا ذکر فرمایا: ابن عدی نے فرمایا کہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا اور میرے گلے میں سونے کا صلیب تھا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے عدی اپنے گلے سے اس بت کو گرادو، تو عدی کہتے ہیں کہ میں نے گرادیا۔ پھر میں آپ ﷺ کے قریب ہوا اور آپ ﷺ قرآن حکیم کی یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے: اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللہِ (التوبۃ ۱۳۱) (کہ انہوں نے اپنے علماو مشائخ کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا تھا) یہاں تک کہ آپ ﷺ تلاوت سے فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ ہم ان کی عبادت نہیں کرتے، تو آپ ﷺ نے فرمایا آیا ایسا نہیں ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کی ہے ان کو انہیں لوگوں نے حرام کردیا ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادی ہے ان کو انہیں لوگوں نے حلال کردیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ جی، ایسا ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی تو ان کی عبادت ہے۔ [2]

امام بخاری نمازِ جنازہ کو نماز ثابت کرنے کے لئے دلائل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وفیھا تکبیر و تسلیم اھ۔ [3]

یعنی دیگر نمازوں کی طرح اس میں بھی تکبیر تحریمہ اور تحلیل کے لئے نمازِ جنازہ سے سلام پھیرنا ہے۔

---

[1] (معارف القرآن ج۴ ص ۳۶۴)

[2] (تفسیر مظھری ص ۱۹۴ ج۴)

[3] صحیح بخاری ص ۱۷۶ باب سنۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ

حدیثِ نبوی ﷺ ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مِفْتَاحُ الصَّلَاةِ الطُّهُورُ، وَتَحْرِيمُهَا التَّكْبِيرُ، وَتَحْلِيلُهَا التَّسْلِيمُ۔[1]

اسی لئے مقام حیرت ہی ہے کہ جب تکبیر تحریمہ نہ ہوئی مگر پھر بھی بہیئت اجتماع بحالت قیام دعاء منع نہ ہوئی، مگر سنت ٹھہرا اور جب تحلیل کے لئے سلام پھیرا اور نماز میں نماز کی وجہ سے جو امور ممنوع ہوئے تھے وہ حلال اور رواء ہوئے تو جو چیز نماز میں سنت تھی وہ کس طرح اور کیوں ممنوع ہوئی اور بدعت ٹھہری، ایسے عقل پر مناسب ہے رونا۔

قالوا (ای الاکثرون) ان السماء قبلۃ الدعاء کما ان الکعبۃ قبلۃ الصلوۃ۔ قال اللّٰہ تعالیٰ: وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ (الذاریات ۲۲)[2]

مکتبہ فکر دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا قول:

فتحصل من ھذا کلہ ان الدعاء دبر الصلوٰت مسنون ومشروع فی المذاھب الاربعۃ لم ینکر الاناعق مجنون قدضل فی سبیل ھواہ ووسوس لہ الشیطان فاغواہ۔

ترجمہ: پس ان تمام احادیث اور عبارات مذاہب سے یہ حاصل ہوا کہ تمام نمازوں کے بعد دعاء کرنا چاروں مذہبوں میں مسنون ومشروع ہے۔ اس کا انکار سوا اس جاہل، مجنون کے کسی نے نہیں کیا جو اپنی ہوائے نفسانی کے راستہ میں گمراہ ہو گیا اور شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر اس کو بہکایا۔[3]

نیز مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے:

بعد نماز عیدین کے دعاء مانگنا گو نبی ﷺ اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول نہیں مگر چونکہ عموماً ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے اسلئے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوا۔[4]

---

[1] رواہ ابو داؤد والترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجۃ عنہ وعن ابی سعید مشکوۃ ص ۴۰ باب ما یوجب الوضوء الفصل الثانی حدیث نمبر ۳۔ ابو داؤد ج ۱ ص ۹ باب فرض الوضوء حدیث ۳ اور جلد ۱ ص ۱ ۹ باب تحریم الصلوۃ وتحتلیلھا حدیث نمبر ۱ اور ترمذی ج ۱ ص ۳ باب ماجاء ان مفتاح الصلوۃ الطھور: حدیث ۱ قال ابو عیسیٰ ھذا الحدیث اصح شیء فی ھذا الباب واحسن وفی الباب عن جابر وابی سعید۔ اور ج ۱ ص ۳۲ باب ماجاء فی تحریم الصلوٰۃ وتحلیلھا عن ابی سعید حدیث ۱ وفی الباب عن علی وعائشۃ اہ اور ج ۱ ص ۵۴ وقال احمد۔۔۔ وتحلیلھا التسلیم۔ اہ۔ اور ابن ماجۃ ج ۱ ص ۲۴ باب مفتاح الصلوۃ الطھور حدیث ۱ عن محمد بن الحنفیۃ عن ابیہ اور حدیث ۲ عن ابی سعید الخدری اہ وسنن دارمی ج ۱ ص ۱۴۱، ۱۴۰ باب مفتاح الصلاۃ الطھور۔ وغیرہ وغیرہ۔

[2] نووی علی المسلم ج ۱ ص ۱۸۱، باب النھی عن رفع البصر الی السماء فی الصلوٰۃ۔

[3] (امداد الفتاوٰی ج ۱ ص ۱۵۷ اشرف علی تھانوی دیوبندی)

[4] (بہشتی زیور۔ ص ۱۸ جلد ۱۱)

قابل غور بات ہے کہ نماز عیدین کے بعد خیر القرون میں دعاء مانگنا ثابت نہیں تو پھر بھی دعاء مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مسنون قرار پایا تو نماز جنازہ کے بعد تو خیر القرون میں دعاء مانگی جاتی رہی جیسے اوپر مذکور ہوا پھر کیوں انکار کیا جاتا ہے مگر ضد کا علاج نہیں۔

بدمذہب لوگ نماز جنازہ کو دعاء بولتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نماز نہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر اپنی صحیح میں مستقل باب باندھا ہے۔ جس کا نام ہے "باب سنۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ" اس باب کے عنوان کے تحت امام بدرالدین عینی حنفی المتوفی ۸۵۵ھ فرماتے ہیں:

أَي: هَذَا بَاب فِي بَيَان سنة الصَّلَاة على الْجِنَازَة، وَالْمرَاد من السّنة مَا شَرعه النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي صَلَاة الْجِنَازَة من الشَّرَائِط، والأركان. وَمن الشَّرَائِط أَنَّهَا لَا تجوز بِغَيْر الطَّهَارَة، وَلَا تجوز عُريَانا، وَلَا تجوز بِغَيْر اسْتِقْبَال الْقبْلَة. وَمن الْأَركان: التَّكْبِيرَات. وَقَالَ الْكرْمَانِي: غَرَض البُخَارِيّ بَيَان جَوَاز إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة، وَكَونهَا مَشْرُوعَة، وَإِن لم تكن ذَات الرُّكُوع وَالسُّجُود۔

یعنی یہ باب جنازہ پر "نماز" کے سنت ہونے کے بیان میں ہے (دعا کے نہیں) اور سنت سے مراد یہ ہے کہ جسے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے نماز جنازہ میں شرائط وارکان کے ساتھ مشروع فرمایا ہے۔ اس (نماز جنازہ) کی شرائط میں سے یہ ہے کہ یہ بغیر طہارت اور عریان (برہنہ) حالت میں جائز نہیں اور نہ ہی قبلہ کی طرف رخ کئے بغیر جائز ہے اور اس کے ارکان میں سے تکبیرات ہیں اور کرمانی نے کہا ہے کہ بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی (باب کا عنوان سنۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ) سے غرض صلوٰۃ جنازہ پر نماز کے اطلاق کے جواز کا بیان ہے۔ اور اس کا مشروع ہونا ہے۔ اگرچہ اس میں رکوع و سجود نہیں۔[1]

اس مقام پر اس سے ملتا جلتا کلام علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی نے بھی فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

قال الزین بن منیر المرادبالسنۃماشرعہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فھی اھم من الواجب والمندوب۔الی قولہ،ولیست بمجردالدعاءفلاتجزی بغیر الطھارۃ۔

زین بن منیر نے کہا سنت سے مراد یہ ہے کہ جسے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے مشروع فرمایا اور یہ واجب اور مندوب سے اہم ہے الی قولہ، اور یہ صرف دعاء نہیں (اور اسکی دلیل یہ ہے کہ یہ) بغیر طہارت جائز نہیں۔[2]

اس باب کے تحت امام بخاری جو پہلی حدیث لائے ہیں اس کا بعض حصہ ملاحظہ ہو تاکہ بات مزید واضح ہو جائے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من صلی علی الجنازۃ وقال صلوا علی صاحبکم وقال صلوا علی النجاشی سماھاصلاۃ لیس فیھارکوع ولاسجود ولایتکلم فیھاتکبیر وتسلیم وکان ابن عمر لایصلی عندطلوع الشمس ولاغروبھا۔وفیھا۔

---

[1] (عمدۃ القاری للعینی، ج۷، ص ۱۲۲، مطبوعۃ احیاء التراث بیروت)

[2] (فتح الباری علی البخاری للعسقلانی، ج۳، ص ۱۴۸)

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے جنازہ پر نماز پڑھی اور فرمایا اپنے صاحب (ساتھی) پر نماز پڑھو۔ اور فرمایا نجاشی پر نماز پڑھو، آپ ﷺ نے اسے نماز کا نام دیا اگرچہ اس میں رکوع و سجود نہیں۔ (لیکن) اس میں کلام نہیں کیا جاتا اور اس میں تکبیر و سلام بھی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ صرف طاہر (باوضو) حالت میں نماز پڑھتے اور طلوع شمس اور اس کے غروب کے وقت نماز جنازہ نہ پڑھتے۔ اور اس میں۔[1]

قارئین کرام ذرا غور فرمائیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اولاً جنازہ پر "نماز" کے سنت (مشروع) ہونے پر باب باندھا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مختلف فرامین اس بات پر نقل کیے کہ صلوٰۃ الجنازہ میں لفظ "صلوٰۃ" سے مراد اس کا لغوی اور حقیقی معنی "دعا" نہیں بلکہ اس سے مراد ارکان مخصوصہ کی ادائیگی ہے اور وہ نماز ہے (جو کہ منقول شرعی ہے) پھر اس صلوٰۃ کو نماز ثابت کرنے کیلئے بطور دلیل یہ ذکر کیا کہ حضور نے اسکا نام صلاۃ رکھا ہے اگرچہ اسمیں رکوع و سجود نہیں لیکن اس میں کلام نہیں کیا جاتا (جس طرح دیگر نمازوں میں کلام نہیں کیا جاتا) اور دوسری نمازوں کی طرح اس میں تکبیر (افتتاح جو کہ دوسری نمازوں میں رکن ہے اسمیں بھی رکن ہے) اور سلام بھی ہے اور (جس طرح دیگر نمازیں طلوع شمس اور اسکے غروب کے وقت ادا نہیں کی جاتیں) عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما (نماز جنازہ کو بھی) ان اوقات منہیہ میں ادا نہ فرماتے۔

اب ذرا حدیث کے الفاظ پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ ملاحظہ فرما کر اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کریں۔ آپ فرماتے ہیں:

وَقَالَ النبيُّ صلى الله عَلَيهِ وَسلم مَنْ صَلَّى عَلَى الجَنَازَةِ،هَذَا استدلَّ بِهِ البُخَارِيّ على جَوَاز إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة، فَإِنَّهُ صلى الله عَلَيهِ وَسلم قَالَ: من صلى على الْجِنَازَة ... فَأطلق بِلَفْظ (صلى على الْجِنَازَة)، وَلم يقل: من دَعَالِلجنازة۔ الی قولہ۔

یعنی (حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا یہ فرمان کہ جس نے جنازہ پر صلوٰۃ (نماز) پڑھی) اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صلاۃ الجنازہ پر نماز کے اطلاق پر استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ جس نے جنازہ پر نماز پڑھی۔ پس آپ ﷺ نے صلی علی الجنازہ کے لفظ سے اطلاق فرمایا اور یہ نہ فرمایا کہ جس نے جنازہ کیلئے دعا کی۔

پھر حضور ﷺ کے اس قول صلوا علی صاحبکم کے تحت فرماتے ہیں:

هَذَا استدلّ بِهِ على مَا ذهب إِلَيْهِ من إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة بِالْأَمر بِالصَّلَاةِ عَلَيْهَا حَيْثُ قَالَ: (صلوا)۔

کہ اس سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صلاۃ جنازہ پر نماز کے اطلاق پر استدلال کیا ہے جو کہ نماز کے امر (حکم) کے ساتھ ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا "صلوا" یعنی تم نماز پڑھو۔

---

[1] (صحیح البخاری، سنۃ الصلوٰۃ علی الجنازۃ)

پھر حدیث کے الفاظ "سَمّاهَا صَلاَةً لَيسَ فِيهَا رُكُوعٌ وَلاَ سُجُودٌ" کے تحت فرماتے ہیں:

أَي: سمى النَّبِي صلى الله عَلَيهِ وَسلم الْهَيئَة الْخَاصَّة الَّتِي يدعى فِيهَا للْمَيت: صَلَاة، وَالْحَال أَنه لَيْسَ فِيهَا رُكُوع وَلَا سُجُود۔

یعنی حضور رحمت عالم ﷺ نے ہیئت مخصوصہ جس میں میت کیلیئے دعا کی جاتی ہے کو نماز کا نام دیا اور حال یہ ہے کہ اسمیں نہ رکوع ہے اور نہ سجود۔

وَلاَ يُتَكَلَّمُ فِيهَا وَفِيهَا تَكْبِيرٌ وَتَسْلِيمٌ کے تحت فرماتے ہیں:

اَي: وَلَا يتكَلّم فِي صَلَاة الْجِنَازَة، وَهَذَا أَيْضا من جملَة جَوَاز إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجِنَازَة بِإِثْبَات مَا هُوَ من خَصَائِص الصَّلَاة، وَهُوَ عدم التَّكَلُّم فِي صَلَاة الْجنَازَة كَالصَّلَاةِ۔

یعنی نماز جنازہ میں گفتگو نہ کی جائے۔ یہ بھی نماز جنازہ پر نماز کے اطلاق کے جواز کے جملہ سے ہے نماز کے خصائص کو ثابت کرنے کیلیئے اور وہ نماز جنازہ میں عدم تکلم ہے (دوسری) نماز کی طرح۔

قَوْله: (وفيهَا) أَي: وَفِي صَلَاة الْجنَازَة (تَكْبِير وَتَسْلِيم) كَمَا فِي الصَّلَاة۔

یعنی حدیث کے الفاظ "فیھا" یعنی نماز جنازہ میں تکبیر بھی ہے اور تسلیم بھی ہے جیسے دوسری نماز میں ہیں۔

وكَانَ ابنُ عُمَرَ لاَ يُصَلِّي إلاَّ طَاهِرا وَلاَ تُصَلَّى عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلاَ غُرُوبِهَا وَيَرْفَعُ يَدَيْه کے تحت علامہ عینی لکھتے ہیں۔

هَذَا أَيْضا مِمَّا اسْتدلَّ بِهِ البُخَارِيّ على إِطْلَاق الصَّلَاة على صَلَاة الْجنَازَة۔

هَذِه ثَلَاث مسَائِل

الأولى: أَن عبد الله ابْن عمر كَانَ لَا يُصَلِّي على الْجِنَازَة إلاَّ بِطَهَارَة، وَقَالَ ابْن بطال: كَانَ غَرَض البُخَارِيّ بِهَذَا الرَّد على الشّعبِيّ، فَإِنَّهُ أجَاز الصَّلَاة على الْجنَازَة بِغَيْر طَهَارَة، قَالَ: لِأَنَّهُ دُعَاء لَيْسَ فِيهَا رُكُوع وَلَا سُجُود. قَالَ: وَالْفُقَهَاء مجمعون من السّلف وَالْخلف على خلاف قَوْله. انْتهى۔

یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صلاۃ علی الجنازہ پر نماز کے اطلاق پر استدلال فرمایا ہے اور یہ تین مسائل ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما صرف طہارت کی حالت میں نماز جنازہ پڑھتے تھے۔ ابن بطال نے کہا کہ امام بخاری کا اس سے مقصود شعبی کا رد ہے جس نے نماز جنازہ کو بغیر طہارت جائز قرار دیا (اور اسکی دلیل یہ دی کہ) چونکہ اس میں رکوع و سجود نہیں اسلیئے کہ یہ دعا ہے جب کہ سلف و خلف میں سے فقہاء کا

شعبی کے اس قول کے خلاف پر اجماع ہے (یعنی شعبی کے اس قول کے خلاف کہ صلاۃ الجنازہ دعا ہے نماز نہیں) ابن بطال کا قول ختم ہوا۔

قلت: وَقَالَ بِهِ أَيْضا مُحَمَّد بن جرير الطَّبَرِيّ و الشيعة, وَقَالَ أَبُو عمر: قَالَ ابْن علية: الصَّلَاة على الْمَيِّت اسْتِغْفَار, وَالِاسْتِغْفَار يجوز بِغَيْر وضوء۔

(علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ یہی قول ابن جریر طبری اور شیعہ کا ہے اور ابو عمر نے کہا کہ ابن علیہ کا قول ہے کہ صلاۃ علی المیت استغفار ہے اور استغفار بغیر وضو جائز ہے۔[1]

(نوٹ: علامہ عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حوالے سے مزید سیر حاصل بحث کی ہے جسے ہم عمداً بخوف طوالت ترک کر رہے ہیں۔ نیز امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس روایت کے تحت علامہ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ اور شرح بھی ہمارے پیش نظر ہے۔ لیکن چونکہ آپ شافعی المسلک ہیں اس لئے اس موضوع پر لے دے سے بچتے ہوئے سوائے ایک مقام کے ہم نے علامہ عسقلانی کا تبصرہ نقل نہیں کیا۔)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما والی صحیح بخاری میں مذکورہ روایت کو امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی موطا کے اندر معمولی تغیر کے ساتھ روایت فرمایا ہے یہ بھی ملاحظہ ہو۔ موطا امام محمد میں آپ نے "**باب الرجل تدرکه الصلاة علی الجنازة وهو علی غیر وضوء**" کے نام سے باب باندھا ہے اور اس میں آپ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث کو ان الفاظ سے روایت فرماتے ہیں:

اخبرنا مالک اخبرنا نافع عن ابن عمر انه کان یقول لا یصلی الرجل علی جنازة الا وهو طاهر۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کسی جنازہ پر نماز نہ پڑھے مگر اس حال میں کہ وہ طاہر (باوضو) ہو۔

"قال محمد و بهذا ناخذ لا ینبغی ان یصلی علی الجنازة الا وهو طاهر"۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ہم یہ اخذ کرتے ہیں کہ جنازہ پر نماز صرف حالت طہارت میں (باوضو ہو کر) ہی پڑھی جائے۔

موطا کی اس روایت پر امام عبد الحی لکھنوی کے حاشیہ "**مسماة التعلیق الممجد**" کی عبارت بھی ملاحظہ ہو:

قوله الا وهو طاهر لحدیث لا یقبل الله الصلاة بغیر طهور و سمی ﷺ الصلاة علی الجنازة صلوة فی نحو قوله صلوا علی صاحبکم و قوله فی النجاشی فصلوا علیه۔

---

[1](عمدة القاری علی البخاری، للعینی، ج۷، ص ۱۲۲-۲۴)

حدیث کے الفاظ الاھو طاھر۔ یہ اس حدیث کی وجہ سے ہے کہ "اللہ تعالیٰ بغیر طہارت کے نماز کو قبول نہیں فرماتا۔ اور حضور سرور دوعالم ﷺ نے صلاۃ علی الجنازہ کو نماز سے موسوم فرمایا جس طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے تم اپنے صاحب پر نماز پڑھو اور نجاشی کے (جنازہ کے متعلق) آپ کا ارشاد ہے پس تم اس پر نماز پڑھو۔[1]

قارئین کرام: مذکور الصدر حدیث (من البخاری والموطا) پر بحث و نظر کے بعد درج ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

فوائد:

۱) امام بخاری کا اس بات پر مستقل باب باندھنا کہ جنازہ پر "نماز،، سنت (مشروع) ہے نہ کہ دعا اور اس کی تائید میں امام بدرالدین عینی حنفی اور علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی کی تصریحات کہ باب کے عنوان کا معنی نماز ہے نہ کہ دعا۔

۲) صحیح بخاری کے متن کے اندر ہی اس بات کی صراحت کا پایا جانا کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد کہ "جس نے نماز جنازہ پڑھی"۔

۳) تم اپنے صاحب پر نماز پڑھو۔

۴) تم نجاشی پر نماز پڑھو۔

۵) شارع علیہ السلام نے صلاۃ علی الجنازہ کو نماز سے موسوم فرمایا۔ اگرچہ اس میں رکوع و سجود نہیں۔ لیکن اسمیں دوسری نمازوں کی طرح گفتگو نہیں کی جاتی۔ اور اسمیں سلام پھیرنا بھی ہے اور تکبیر بھی۔ جو کہ دوسری نمازوں میں شرائط ہیں اور اسمیں بھی۔

۶) ابن عمر رضی اللہ عنہما کا صرف طہارت میں نماز جنازہ ادا فرمانا اور اسے دیگر نمازوں کی طرح اوقات منہیہ میں ادا نہ فرمانا۔

۷) ان سب نکات پر علامہ بدرالدین عینی حنفی کا تبصرہ کہ امام بخاری کا مقصود اس متن سے ان تمام وجوہ میں صلوٰۃ علی الجنازۃ کو دعا نہیں بلکہ نماز ثابت کرنا ہے۔

۸) آخر میں امام عینی کا فرمان کہ صلوٰۃ علی الجنازہ کے نماز ہونے پر تمام سلف و خلف فقہائے کرام نے اجماع قائم کیا ہے اور اسکی مخالفت یا ابن جریر طبری نے کی یا شیعہ نے۔

---

[1] (موطا امام محمد مع التعلیق الممجد، ص ۱۷۰)

۹) ابن علیہ کا قول جو کہ سلف وخلف فقہائے کرام کے اجماع کے خلاف ہے نقل کیا کہ اسکے نزدیک صلاۃ علی الجنازہ فقط استغفار ہے اور استغفار بغیر وضو کے جائز ہے۔

۱۰) امام بخاری شافعی، امام ابن حجر عسقلانی شافعی، امام بدرالدین عینی حنفی کی طرح سرخیل احناف امام محمد بن حسن شیبانی کا اپنی موطا میں اسی عبد اللہ بن عمر والی حدیث کو لانا اور امام عبد الحی لکھنوی کا موطا کے حاشیہ پر اس حدیث مذکور کی غرض بیان کرتے ہوئے صلوۃ علی الجنازہ کو نماز ثابت فرمانا۔

(تلک عشرۃ کاملۃ)

تنبیہ: (ان نکات کی روشنی میں نجدی فکر کے حامل علماء کو چاہیئے کہ وہ بغیر وضو، بغیر استقبال قبلہ، بغیر ستر عورت وغیرہ کے نماز جنازہ کے جواز کا فتوی دیں)۔

اگرچہ اس موضوع پر ذخیرہ احادیث کی روسے مزید علی التفصیل بحث ونظر کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور "**خیر الکلام ماقل ودل ولم یمل**" اور حضرت مجدد علیہ الرحمۃ کے اس قول کہ "اگر در خانہ کس است یک حرف بس است" کے مصداق ہم اقوال فقہاء کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

فنقول وباللہ التوفیق وھو المستعان

لیکن اس سے قبل یہ وضاحت ضروری ہے کہ مانعین دعابعد جنازہ ان مبتدعین کی طرف سے ہمارے (اہل سنت کے) اوپر یہ اتہام کہ صلاۃ علی جنازہ سے مراد دعا ہے اور نماز کے بعد دعا کی فضیلت میں مذکور احادیث وآثار کو جنازہ کے بعد دعا پر محمول کرنا خلط مبحث ہے، باطل ہو گیا۔ فللہ الحمد۔ لہذا ثابت ہوا کہ صلوٰۃ علی الجنازہ سے مراد دعا لینا نہ تو حدیث کی منشاء کے مطابق ہے اور نہ شارحین حدیث کے نظریہ کے موافق، بلکہ صحیح بات وہی ہے جس کو ہم نے دلائل وبراہین کی روشنی میں ذکر کر دیا۔

فالحمدللہ علی ذلک۔

اب ملاحظہ ہوں اقوال فقہاء کرام بالاختصار:

۱) امام محمد۔ الجامع الصغیر (جو کہ احناف کی کتب ظاہر الروایہ میں سے ہے) میں "**باب فی حمل الجنازۃ والصلوٰۃ علیھا**" میں اس طرح رقمطراز ہیں:

قوم صلوا علی الجنازۃ رکبانا اجزاھم فی القیاس ولا یجزیھم فی الاستحسان۔

یعنی قوم اگر سوار ہو کر نماز جنازہ پڑھے تو انہیں قیاس میں یہ بات کفایت کرتی ہے لیکن استحسان میں یہ بات جائز نہیں۔

۲) امام عبد الحی لکھنوی استحسان کے تحت فرماتے ہیں:

”قوله فی الاستحسان ، لانه صلاة من وجه لوجودالتحریمة ولهذایشترط فیه الطهارة واستقبال القبلة فلایجوزراکبامن غیرعذراستحساناً“۔

یعنی سوار ہو کر نماز جنازہ جائز نہیں کیونکہ تحریمہ ہونیکی وجہ سے یہ بھی ایک طرح سے نماز ہی ہے اسلئے اسمیں تحریمہ اوراستقبال قبلہ شرط ہے، پس یہ بلاعذر استحساناً سوار ہو کر جائز نہیں۔[1]

۳)اسی بات کو شرح الوقایہ جو کہ فقہ حنفی کی معروف کتاب ہے اور درسیات میں شامل ہے میں بایں الفاظ ذکر کیا گیا ہے:

ولم تجزراکبااستحساناً۔الاستحسان هوالدلیل الذی فی مقابلة القیاس الجلی الذی یسبق الیه الافهام والقیاس ههناان یجوزراکباًلانه لیس بصلاة لعدم الارکان بل هودعاء والاستحسان انهاصلاةمن وجه لوجودالتحریمةفلایترک القیام من غیرعذراحتیاطاً۔

نماز جنازہ استحساناً سوار ہو کر جائز نہیں۔استحسان اس قیاس جلی کے مقابلے میں ہے کہ جس کی طرف ذہن سبقت کرتے ہیں۔اور قیاس یہ ہے کہ یہ نماز جنازہ سوار ہو کر پڑھنا میں جائز ہو کیونکہ یہ عدم ارکان (رکوع وسجود وغیرہ) کی وجہ سے نماز نہیں بلکہ دعا ہے۔لیکن استحسان یہ ہے کہ یہ من وجہ وجود تحریمہ کے سبب سے نماز ہی ہے لہذا احتیاطاً بغیر عذر قیام کو ترک نہیں کیا جائے گا۔

۴)اور ساتھ ہی اس کے حاشیہ مسماۃ”عمدۃ الرعایہ“ پر اسکی وضاحت بایں الفاظ مذکور ہے:

قوله لوجودالتحریمة ۔ ولوجود السلام واشتراط الطهارة واستقبال القبلة ونحوهممایشترط للصلوت ولذااطلق علیهالفظ الصلوٰةاطلاقاشائعاً۔

نماز جنازہ تحریمہ ،سلام ، طہارت اوراستقبال قبلہ کی شرائط کے سبب جو کہ دوسری نمازوں میں شرائط ہیں، نماز ہی ہے اسلئے اس پر لفظ صلوٰۃ(نماز) کا اطلاق بطور اطلاق شائع کیا گیا ہے۔[2]

۵)اس کے ساتھ ہی فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ شریف کی عبارت بھی ملاحظہ ہو:

فان صلوارکباناجزاهم فی القیاس۔ لانهادعاء وفی الاستحسان لاتجزیهم لانهاصلوة من وجه لوجودالتحریمةفلایجوزترکهمن غیرعذراحتیاطاً۔

---

[1] (الجامع الصغیرللامام محمدوشرحه النافع الکبیرللام عبدالحی لکهنوی،ص ۹۰)

[2] (شرح الوقایه اولین مع عمدة الرعایه،ص ۲۵۴،۵۵)

پس اگر لوگ سوار ہو کر نماز جنازہ پڑھیں تو قیاس کے مطابق انہیں کفایت کرے گا کیونکہ (قیاس کی رو سے) یہ دعا ہے۔ اور استحسان (دلیل خفی) میں اس کو سوار ہو کر پڑھنا انہیں کفایت نہ کریگا۔ کیونکہ یہ بھی ایک طرح سے نماز ہی ہے (اور اسکی دلیل یہ ہے کہ) اس میں تکبیر تحریمہ ہے لہذا بغیر عذر قیام کو ترک کرنا احتیاطاً درست نہیں۔ [1]

٦) حاشیہ طحطاوی علی المراقی میں مذکور ہے:

(قوله فرض كفاية) بالاجماع فيكفر منكرها لانكار الاجماع كذافی البدائع والقنية والاصل فيه قوله تعالىٰ (وصل عليهم) التوبة :١٠٣ وقوله ﷺ صلوا علی کل بر وفاجر[2] الی قوله۔ ويصح النذر بها لانها قربة مقصودة، الخ۔

(نماز جنازہ فرض کفایہ ہے) کے تحت امام طحطاوی فرماتے ہیں کہ یہ بالاجماع (فرض کفایہ) ہے اور اسکا منکر اجماع کے انکار کی وجہ سے کافر ہے۔ جیسا کہ بدائع اور قنیہ میں ہے اور اس میں اصل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "آپ ﷺ ان پر نماز پڑھیں" اور حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ "ہر نیک اور بد پر نماز جنازہ پڑھو" الی قولہ۔ اور نماز جنازہ کی نذر ماننا جائز ہے کیونکہ یہ قربت (عبادت) مقصودہ ہے۔ [3]

عبارات فقہاء کرام کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز جنازہ بھی دوسری نمازوں کی طرح نماز ہے کیونکہ اسمیں بھی دیگر نمازوں کی طرح شرائط مثلاً طہارت، تحریمہ اور ارکان قیام اور سلام ہیں اگرچہ اس میں رکوع وسجود نہیں۔

اور نماز جنازہ کی یہ شرائط معترض کے نزدیک بھی مسلم ہیں۔ اگر اس کے متعلق دعا واستغفار کا قول کیا جائے تو اول تو یہ اہل سنت (احناف) کا مختار ہی نہیں بلکہ ابن جریر طبری، شیعہ اور ابن علیہ کا مختار ہے۔ **(کمامر)**

اگر یہ فقط دعا واستغفار ہو تو اسمیں طہارت اور دیگر شرائط وارکان ملحوظ نہ ہوں کیونکہ یہ چیزیں دعا وغیرہ میں شرط نہیں۔

اب فرمایئے کہ نماز جنازہ کو دعا کہنے والا دلائل مذکورہ کی روشنی میں احناف کا وکیل ہے۔۔۔؟ یا۔۔۔۔ شیعہ کا۔۔۔؟ اور وہ درپردہ کس کے مذہب کو تقویت پہنچانے میں مشغول ہے۔۔۔؟ اگر اس طرح کا وکیل ہو تو۔۔۔ الحذر۔۔۔ الحذر۔۔۔ الحذر

[1] (هدايه اولين، فصل فی الصلاة علی الميت، ص ١٩٣)
[2] (رواه الدار القطنی فی سننه، ج ٢ ص ٥٧)
[3] (طحطاوی علی المراقی، ج ٢، ص ٢٤٠)

ہمارے ان جملوں کے متعلق غیر مقلدین حضرات بھی غور کریں۔ گو کہ وہ فقہائے کرام کی عبارات کو حجت تسلیم نہیں کرتے لیکن بخاری، جسکو وہ بھی کتاب اللہ کے بعد سب سے معتبر کتاب گردانتے ہیں۔ اسمیں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خصوصی طور پر باب ہی اس غرض سے باندھا ہے تاکہ نماز جنازہ کا ''نماز'' ہونا ثابت ہو سکے۔

آخر میں منکرین دعا بعد نماز جنازہ سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ طحطاوی کی مذکورہ عبارت کو بار بار غور سے پڑھیں اور اپنے ایمان کی فکر کریں۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے لیکن اگر توبہ کی توفیق نہ ہو تو دوسروں کو اپنے ساتھ گمراہ کرنے کا آپ کو کوئی اختیار نہیں۔ واللہ الموفق للھدایۃ۔

(۱) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا لہ الدعاء۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب تم میت پر نماز پڑھو تو خلوص سے اس کیلئے دعا کرو۔[1]

اس حدیث سے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا ثابت ہوا جو لوگ اس دعا سے وہ دعا مراد لیتے ہیں جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے ان کو اس حدیث کے اس جملہ (**فاخلصوا لہ الدعاء**) میں غور کرنا چاہیئے۔

کیونکہ وہ دعاء جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے وہ خالصتاً میت کیلئے کہاں ہوتی ہے، وہ تمام زندوں، مردوں، غائب، حاضر، مردوں، عورتوں، سب کیلئے ہوتی ہے، جبکہ حدیث کے الفاظ ہیں، کہ جب تم نماز جناز پڑھ لو تو مرحوم کیلئے خلوص سے دعا مانگو، سو معلوم ہوا کہ اس دعا سے مراد جنازہ پڑھنے کے بعد کی دعا ہے (کہ جب تم نماز جنازہ پڑھ چکو تو اخلاص کے ساتھ میت کیلئے دعا مانگو)۔

(۲) نیز (**اذا صلیتم علی المیت**) شرط ہے اور (**فاخلصوا لہ الدعاء**) اس کی جزا ہے۔ شرط اور جزا میں تغیر ہوتا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: **لا بأس بتکرار الدعاء**: دعا میں تکرار کرنا جائز ہے اور احناف کا مذہب بھی ہے۔ **ان التنفل بالدعاء و الاستغفار مشروع**، یعنی نماز جنازہ میں فرض دعا کے بعد نفلی دعا اور استغفار جائز ہے۔[2]

(۳) حدیث مبارک میں (صلیتم) ماضی کا صیغہ ہے، اور (فاخلصوا) امر کا صیغہ ہے، اور یہاں (فا) برائے تعقیب مع الوصل ہے۔ ثابت ہوا کہ نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد فوراً دعا مانگنے کا حکم ہے۔

(۴) عن ابن عمر قال ان سبقتمونی بالصلوٰۃ فلا تسبقونی بالدعاء لہ۔[3]

---

[1] (طحطاوی علی المراقی، ج ۲، ص ۲۴۰)

[2] (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۴۸-۴۷ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

[3] (مبسوط السرخسی جلد ۲، باب غسل المیت (۶۷))

(ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ایک جنازہ میں شرکت کیلئے اس وقت پہنچے جب کہ نماز جنازہ پڑھا جا چکا تھا) تو فرمایا اگر تم نے نماز جنازہ پڑھنے میں سبقت کی تو (میت کیلئے دعا کرنے میں) سبقت نہ کرو (بلکہ آو مل کر دعا کریں)۔

نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے قولاً فعلاً ثابت ہوا نیز (فلاتسبقونی) مجھ سے آگے نہ بڑھو یہ جملہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل رہا، پھر (فلاتسبقونی) میں بھی (ف) برائے تعقیب مع الوصل ہے، جو بتارہا ہے کہ دعا بعد نماز جنازہ عمل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہے۔

(۵) وترفع الایدی فی دعاء الاستسقاء ونحوہ لان رفع الیدفی الدعاء سنۃ وکذلک عنددعائہ بعدفراغۃ من التسبیح والتھلیل والتکبیر وعقیب الصلوٰت کماعلیہ المسلمون فی سائر البلدان۔

"دعاء استسقاء میں اوراس کے مثل (جیسے نماز جنازہ کے بعد کی دعا) میں ہاتھ اٹھائے جائینگے۔ کیونکہ دعاؤں میں ہاتھ کا بلند کرنا سنت ہے۔ اسی طرح جب تسبیح و تہلیل و تکبیر سے فارغ ہوں اور نمازوں سے فراغت کے بعد ہاتھ اٹھاکر دعائیں مانگنا سنت ہے۔ تمام مسلمانوں کا تمام شہروں میں یہی معمول ہے۔"[1]

دیکھئے اصل مسئلہ کا عموم اور لفظ (صلوات) کا عموم اس دعا کو بھی شامل ہے جو نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر بھیئیۃ اجتماعیہ کی جاتی ہے۔ اور جمیع مسلمانوں کا معمول ہے۔

(۶) وتحقق ماذکروا ان کون الدعاء غیر جائز لم یقل بہ احد کمانقل عن حمقۃ زماننا ممن لاشعور لھم فی علم الدین بوجہ من اھل البدعۃ المستحدثۃ طھر اللہ الارض منھم بمنہ تتمہ مجمع البحار (۶۵)

(اقوال مذکورہ سے) یہ بات محقق ہوگئی (تحقیق تک پہنچ گئی) کہ (بعد نماز جنازہ) دعا کرنا جائز ہے (دعا بعد نماز جنازہ کا انکار کسی نے نہیں کیا سوائے) ہمارے زمانے کے ان احمقوں نے جو علم دین سے نابلد ہیں جو دین کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ (یہ احمق) اہل بدعت ہیں (انہوں نے دعا بعد الجنازہ سے انکار کرکے دین میں) ایک نئی بدعت ایجاد کی۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص کرم کیساتھ ان (پلیدوں سے) زمین کو پاک فرمادے۔

نماز کے بعد دعا مانگنے کا خود اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ (۷) وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ (الانشراح ۸)

توجب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔

سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں آئمہ کے کیا اقوال ہیں تاکہ اس کا معنیٰ سمجھ میں آسان ہو۔

[1] (نور الایضاح المراقی والطحطاوی قبیل الامامۃ (۱۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما (م ۶۸ھ) فرماتے ہیں:

ویقال اذافرغت من الصلاۃ المکتوبۃ فانصب فی الدعاء۔

اور کہا گیا ہے کہ جب تم اپنی فرض نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں مشغول ہو جاؤ۔[1]

امام ضحاک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فاذافرغت قال۔من الصلوٰۃ المکتوبۃ والیٰ ربک فارغب فی المسألۃ والدعاء۔وقال ایضاً فاذافرغت من الصلاۃ المکتوبۃ فانصب الیٰ ربک فی الدعاء وارغب فی المسألۃ یعطیک۔

پس جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سوال اور دعا کیلئے رجوع کرو۔ اور اسی طرح فرمایا پس جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے رب سے دعا کیلئے کھڑے رہو اور اسی کی طرف سوال کیلئے رجوع کرو وہ تم کو عطا فرمائے گا۔[2]

امام ابوزکریا یحیٰ بن زیاد الفراء رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فاذافرغت فانصب اذافرغت من صلاتک فانصب الی ربک فی الدعاء وارغب۔

جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا کیلئے کھڑے رہو اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔[3]

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عن معمر عن قتادۃ فی قولہ تعالیٰ فاذافرغت فانصب۔قال اذافرغت من صلاتک فانصب فی الدعاء۔

اللہ تعالیٰ کے قول {فاذافرغت فانصب} کے تحت حضرت قتادۃ نے فرمایا کہ جب آپ اپنی نماز سے فارغ ہوں تو دعا کیلئے کھڑے رہیں۔[4]

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدثنی علی قال ثناابوصالح قال حدثنی معاویۃ عن علی عن ابن عباس رضوان اللہ علیھم اجمعین فی قولہ۔(فاذافرغت فانصب) یقول فی الدعاء۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ”فاذافرغت فانصب“ کی تفسیر میں مروی ہے کہ جب تم (نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا کیلئے اپنے رب کی طرف رجوع کرو)۔[5]

---

[1] (تنویر المقیاس علی در منثور جلد ۶ ص ۳۲۱)

[2] (تفسیر ضحاک جلد ۲ ص ۷۷۹ برقم ۱۷۹۲: دار السلام قاہرہ)

[3] (تفسیر معانی القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۰: دار السرور)

[4] (تفسیر عبد الرزاق جلد ۳ صفحہ ۴۳۹ برقم ۳۶۴۵: دار الکتب العلمیۃ)

[5] (جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۲ جز ۳۰ صفحہ ۱۵۱ مکۃ المکرمۃ)

نمبر (۲): حدثنی محمدبن سعدقال ثنابی حدثنی عمی قال ثنابی عن ابیه عن ابن عباس رضوان الله علیهم اجمعین (فاذافرغت فانصب) یقول فرغت ممافرض علیک من الصلاة فسئل الله وارغب الیه وانصب له۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ، جو اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کی ہے، تو اللہ سے سوال کرو اور اسی کی طرف رغبت کرو اور اسی کیلئے کھڑے رہو۔ [1]

نمبر (۳): حدثنابشر قال ثنایزید قال ثناسعیدعن قتادة قوله۔ (فاذافرغت فانصب والیٰ ربک فارغب) قال امره اذافرغ من صلاته ان یبالغ فی دعائه۔

حضرت قتادہ حضرت رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اقدس {فاذافرغت فانصب والی ربک فرغب} کی تفسیر میں مروی ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ جب آپ ﷺ اپنی نماز سے فارغ ہو جائیں تو اپنی دعا میں مبالغہ کریں۔ [2]

نمبر (۴): حدثناابن عبدالاعلی قال ابوثورعن معمرعن قتادة فی قوله فاذافرغت من صلاتک فانصب فی الدعاء۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو۔ [3]

ابو الحسن علی بن محمد بن محمد حبیب الماوردی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

{فاذافرغت فانصب والی ربک فارغب} فیه اربعة تاویلات احدهافاذافرغت من الفرائض فانصب من قیام اللیل قاله ابن مسعودالثانی فاذافرغت من صلاتک فانصب فی دعائک قاله الضحاک {والی ربک فارغب} فیه ثلاثةاوجه، احدها: فارغب الیه فی دعائک قاله ابن مسعود۔

{فاذافرغت فانصب} اس میں چار تاویلات ہیں ان میں سے پہلی: جب تم فرائض سے فارغ ہو جاؤ تو رات کے قیام کیلئے کھڑے ہو جاؤ یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، دوسری جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اپنی دعا کرنے کیلئے کھڑے ہو جاؤ یہ امام ضحاک نے کہا۔ {والی ربک فرغب} اس میں تین وجہ ہیں پہلی تو اپنی دعا میں رغبت کرو یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ [4]

ابو قاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فاذافرغت من الصلاة المفروضة علیک فانصب فی الدعاء۔

---

[1] (جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۲ جز ۳۰ صفحہ ۱۵۱)

[2] (جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۲ جز ۳۰ صفحہ ۱۵۲)

[3] (جامع البیان فی تفسیر القرآن جلد ۱۲ جز ۳۰ صفحہ ۱۵۲)

[4] (النکت والعیون تفسیر الماوردی ج ۶ ص ۲۹۹-۲۹۸ دار الکتب العلمیه)

یعنی جب تم نماز جو تم پر فرض کی گئی ہے سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو۔[1]

عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف ابی زید الثعالبی المالکی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

عن ابن مسعود و عن مجاهد۔ فاذا فرغت من العبادة فانصب فی الدعاء۔

حضرت ابن مسعود اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب تم عبادت سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو۔[2]

حافظ عماد الدین ابی الفداء اسماعیل بن کثیر فرماتے ہیں:

و قال ابن عباس (فاذا فرغت فانصب) یعنی فی الدعاء۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب تم (نماز) سے فارغ ہو جاؤ تو دعا مانگنے میں کوشش کرو۔[3]

حافظ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اخرج ابن حمید و ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویه عن طریق ابن عباس فی قوله{فاذا فرغت فانصب}قال اذا فرغت من الصلاة فانصب فی الدعاء و اسال الله و ارغب الیه۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا، کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ۔ تو خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگو اور اللہ کریم سے سوال کرو اور اس کی طرف راغب ہو جاؤ۔[4]

نمبر (۲): و اخرج ابن ابی الدنیا فی الذکر عن ابن مسعود رضی الله عنه فاذا فرغت من الصلاة فانصب الی الدعاء و الی ربک فارغب فی المسئلة۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگو اور اپنے رب کی طرف سوال کرنے کیلئے راغب ہو جاؤ۔

نمبر (۳): و اخرج عبد الرزاق و عبد بن حمید و ابن جریر و ابن منذر عن قتادة فاذا فرغت فانصب قال اذا فرغت من صلاتک فانصب فی الدعاء۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ تو خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگو۔[5]

---

[1] (تفسیر القشیری المسمی لطائف الاشارات جلد ۳ صفحہ ۴۳۳، دار الکتب العلمیة)

[2] (اور اس کے محقق نے اس کے ذیل میں اس کی تخریج کرتے ہوئے لکھا ابن جریر جلد ۱۲ صفحہ ۶۲۸ برقم ۳۷۵۴۱ عن ابن عباس و ذکرہ البغوی جلد صفحہ ۵۰۳ و ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۵۳۶)

[3] (مختصر تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۶۵۳)

[4] (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۳۶۵)

[5] (تفسیر در منثور جلد ۶ صفحہ ۳۶۵ و قیام اللیل للمروزی صفحہ ۳۰)

نمبر (۴): واخرج عبدبن حمیدو ابن نصر من الضحاک فاذافرغت قال من الصلاۃ المکتوبۃ والی ربک فارغب فی المسئلۃ والدعاء۔

حضرت ضحاک نے فرمایا کہ جب تم فرض نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا اور سوال کیلئے اپنے رب کی طرف راغب ہو جاؤ۔[1]

قارئین کرام! اس آیت اور صحابی رسول ﷺ حضرت ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما اور تابعین و آئمہ وغیرہ سے نقل کی گئی تفسیر سے دعا مانگنا ہر نماز کے بعد نہ صرف جائز بلکہ حکم ربانی سے ثابت ہوا۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ:

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا (النساء ۱۰۳)

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے،، یعنی دائماً اس سے ثابت ہو چکا دعا بعد از نماز جنازہ کیونکہ مفسرین و محدثین کے نزدیک ذکر بھی عین دعا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (التوبۃ ۶۷)

”منافق مرد اور منافق عورتیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں برائی کا حکم دیں اور بھلائی سے منع کریں اور اپنی مٹھی بند رکھیں اور وہ اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا بے شک منافق وہی پکے بے حکم ہیں۔“ اس سے معلوم ہو گیا کہ (ویقبضون ایدیھم) کا ترجمہ تفسیر ایضاح القرآن بالقرآن میں اس طرز پر ہے کہ (ای عن الانفاق فی سبیل اللہ او عن رفعھما فی الدعاء الی اللہ تعالیٰ) یعنی منافقین روکتے ہیں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے یا دعا میں ہاتھ اٹھانے سے۔[3]

والسنۃ فی الادعیۃ تاخیرھا عن الصلاۃ۔[4]

دعاؤں میں سنت طریقہ یہ ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو تو دعائیں مانگی جائیں۔(ادعیہ میں تاخیر از تکمیل نماز سنت طریقہ ہے) نماز جنازہ بھی نماز ہے۔

وفی البحر ان السنۃ تأخیر الدعاء عن الصلٰوۃ لانہ ھو السنۃ فی الادعیۃ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ صلوٰۃ جنازہ یقینی نماز ہے۔[5]

---

[1] (تفسیر درمنثور جلد ۶ صفحہ ۳۶۵ وقیام اللیل للمروزی صفحہ ۳۰)

[2] (تنویر الایمان فی اتباع مذھب نعمان صفحہ ۲۴۰)

[3] (جلد اول صفحہ ۵۴۸ رکوع ۸ جز ۱۰ ومثلہ فی تفسیر حسینی)

[4] (ھدایۃ ۲۲۵)

[5] (جلد دوم صفحہ ۱۶۷)

ارفع یدیک عقیب الصلاۃ عند الدعاء۔

ترجمہ: نماز کے بعد دعا میں دونوں ہاتھ اٹھاؤ۔[1]

عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قیل لرسول اللہ ﷺ أی الدعاء اسمع؟ قال: جوف اللیل الآخر، ودبر الصلوات المکتوبات۔[2]

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا گیا کس وقت کی دعا زیادہ سنی جاتی ہے؟ فرمایا رات کے آخری حصے میں (کی گئی دعا) اور فرض نمازوں کے بعد (کی گئی دعا جلد مقبول ہوتی ہے۔)[3]

عمدۃ المفسرین زبدۃ العارفین محمد یعقوب بن عثمان بن محمود بن محمد الغزنوی ثم چرخی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر یعقوب چرخی میں لکھتے ہیں کہ بندہ جب نماز پڑھ لیتا ہے اور دعا نہیں مانگتا تو اس کی نماز اس کے منہ پر ماری جاتی ہے۔

[1] (تفسیر روح المعانی تفسیر قولہ تعالیٰ فصل لربک وانحر صفحہ ۳۱۶ جز ۳۰ جلد ۱۰)

[2] (رواہ الترمذی والنسائی، وقال الترمذی ہذا الحدیث حسن۔)

[3] (اخرجہ الترمذی فی السنن کتاب: الدعوات عن رسول اللہ ﷺ باب: (۷۹)، ۵/۵۲۶، الرقم: ۳۴۹۹، والنسائی فی السنن الکبریٰ، ۶/۳۲، الرقم: ۹۹۳۶، وعبد الرزاق فی المصنف، ۲/۴۲۴، الرقم: ۳۹۴۴، والنسائی فی عمل الیوم واللیلۃ، ۱/۱۸۶، الرقم: ۳۴۲۸، وفی مسند الشامیین، ۱/۴۰۴، الرقم: ۸۰۳، والبیہقی فی السنن الصغریٰ، ۱/۴۷۷، الرقم: ۸۳۹۔۸۴۰، وابن رجب فی جامع العلوم والحکم، ۱/۲۷۳، والمنذری فی الترغیب والترہیب، ۲/۳۲۱، الرقم: ۲۵۵۰، والعسقلانی فی فتح الباری، ۱۱/۱۳۴، والمبارکفوری فی تحفۃ الأحوذی، ۲/۱۷۲)